

10

# تذكرة ابن سينا ترجم لعلي بن محمد

عبد الرشيد عراقي



# تذکرۃ اہل سبلا فی تراجم علماء

یعنی

خاندان ولی اللہی، خاندان حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی، خاندان عمر پور ضلع مظفرنگر، علمائے بنارس ﴿﴾ خاندان مولانا سید جلال الدین احمد جعفری ہاشمی و خاندان مولانا محمد سعید محدث بنارس ﴿﴾ خاندان لکھوی، خاندان غزنویہ امرتسر، خاندان مولانا فیض اللہ بھوجیانی، علوی خاندان سوہدرہ ﴿﴾ مولانا عبدالمجید سوہدروی ﴿﴾ قصوری خاندان، روپڑی خاندان، یزدانی خاندان، کیلانی خاندان اور ان کے علاوہ ﴿﴾ ۷۱ ﴿﴾ نامور علمائے اہلحدیث کے حالات و واقعات اور ان کی تدریسی و تصنیفی خدمات تذکرہ ﴿﴾ کل ۷۴ علمائے اہلحدیث کا تذکار جمیل ﴿﴾

عبد الرشید عراقی

بیٹیکمپ لائبریری

۲۹۷۰۶۱۰۹۳ عاتق، عبدالرشید

تذکرہ سببلا، تراجم، عاتق

لاہور: بیت الحکمت

83780

۲۰۰۴ء

۲۱۶ ص

۱۔ تاریخ، سوانح، تذکرہ

ISBN 969-8773-19-3

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۰۴ء

تذکرہ سببلا، تراجم، عاتق

کتاب

عبدالرشید عاتق

مصنف

بیت الحکمت، لاہور

انتہاء

انتخاب جدید پریس، لاہور

مطبع

۲۲۰۰ روپے

قیمت

۱۰۰۰

کتاب گراں



پبلشر: اختر پبلشرز، لاہور

۱۰۰۰

7320318

hikmat100@hotmail.com

کراچی میں طے کا پتہ

فضائل ٹیکسٹ بکس، اردو بازار، کراچی ۰۲۱:۲۲۱۲۹۹۱

## انتساب

مولانا عبدالخالق قدوسی شہید کے نام

بنا کر دند و خوش رسے بخاک و خون غلطیدن  
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

(عبدالرشید عراقی)

## توتیب

۱۷	..... حرف اول	۱	۱
۳۲	..... پر و فیسر عبد الجبار شاہ	۲	۲
	..... عبد الرشید عراقی		

## (۱) خاندان ولی اللہ دہلویؒ

۳۶	..... شاہ عبد الرحیم	۱	۱
۳۸	..... شاہ ولی اللہ دہلوی	۲	۲
۴۵	..... شاہ عبد العزیز دہلوی	۳	۳
۴۷	..... شاہ رفیع الدین دہلوی	۴	۴
۴۸	..... شاہ عبد القادر دہلوی	۵	۵
۴۹	..... شاہ عبد الغنی دہلوی	۶	۶
۵۰	..... شاہ اسمعیل شہید دہلوی	۷	۷
۶۳	..... شاہ محمد عمر بن شاہ اسمعیل شہید دہلوی	۸	۸

## (۲) خاندان شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلویؒ

۶۶	..... سید محمد نذیر حسین دہلوی	۹	۱
۷۱	..... سید شریف حسین دہلوی	۱۰	۲
۷۱	..... سید عبد السلام دہلوی	۱۱	۳

## (۳) خاندان عمر پور ضلع مظفرنگر

۷۴	..... معین الدین عبد الرحمن	۱۲	۱
۷۴	..... عبید الرحمن	۱۳	۲

۷۵	.....	عبداللہ عبدالصبور	۱۴	۳
۷۵	.....	عبداللہ عبدالشکور	۱۵	۴
۷۶	.....	حافظ عبدالوکیل	۱۶	۵
۷۶	.....	عبدالجلیل فیصل ندوی	۱۷	۶
۷۷	.....	عبدالجمار	۱۸	۷
۷۹	.....	عبدالستار	۱۹	۸
۸۰	.....	عبدالغفار حسن	۲۰	۹
۸۳	.....	ضیاء الرحمن	۲۱	۱۰
۸۳	.....	صہیب حسن	۲۲	۱۱

### (۴) علمائے بنارس (۱)

### (خاندان سید جلال الدین احمد جعفری ہاشمی)

۸۷	.....	سید جلال الدین احمد جعفری ہاشمی	۲۳	۱
۸۸	.....	سید سعید الدین احمد جعفری ہاشمی	۲۴	۲
۸۹	.....	سید مجید الدین احمد جعفری ہاشمی	۲۵	۳
۸۹	.....	سید حمید الدین احمد جعفری ہاشمی	۲۶	۴
۹۰	.....	سید شہید الدین احمد جعفری ہاشمی	۲۷	۵
۹۱	.....	سید نذیر الدین احمد جعفری ہاشمی	۲۸	۶
۹۲	.....	سید بشیر الدین احمد جعفری ہاشمی	۲۹	۷

## (۵) علمائے بنارس (۲)

## (خاندان مولانا محمد سعید محدث بناری)

۹۴	.....	محمد سعید بناری	۳۰	۱
۹۶	.....	عبدالرحمن	۳۱	۲
۹۷	.....	ابو القاسم سیف بناری	۳۲	۳
۱۰۲	.....	ابو مسعود قمر بناری	۳۳	۴
۱۰۳	.....	قاری احمد سعید	۳۴	۵
۱۰۴	.....	عبدالآخر	۳۵	۶

## (۶) لکھوی خاندان

۱۰۶	.....	حافظ بارک اللہ لکھوی	۳۶	۱
۱۰۸	.....	حافظ محمد لکھوی	۳۷	۲
۱۱۰	.....	محمی الدین عبدالرحمن لکھوی	۳۸	۳
۱۱۱	.....	محمد علی مدنی لکھوی	۳۹	۴
۱۱۳	.....	محمی الدین لکھوی	۴۰	۵
۱۱۵	.....	معین الدین لکھوی	۴۱	۶
۱۱۷	.....	عبدالقادر لکھوی	۴۲	۷
۱۱۹	.....	عطاء اللہ لکھوی	۴۳	۸
۱۲۰	.....	عبدالرحمن لکھوی	۴۴	۹
۱۲۱	.....	حبیب الرحمن لکھوی	۴۵	۱۰
۱۲۱	.....	شفیق الرحمن لکھوی	۴۶	۱۱



۱۲۲	.....	عزیز الرحمن لکھوی	۳۷	۱۲
۱۲۳	.....	حفیظ الرحمن لکھوی	۳۸	۱۳

## (۷) غزنوی خاندان (امر تسرولاہور)

۱۲۵	.....	سید عبداللہ غزنوی	۴۹	۱
۱۲۹	.....	محمد بن عبداللہ غزنوی	۵۰	۲
۱۳۰	.....	سید عبدالجبار غزنوی	۵۱	۳
۱۳۲	.....	سید عبدالواحد غزنوی	۵۲	۴
۱۳۳	.....	سید عبدالرحیم غزنوی	۵۳	۵
۱۳۴	.....	سید عبدالاول غزنوی	۵۴	۶
۱۳۵	.....	سید عبدالغفور غزنوی	۵۵	۷
۱۳۷	.....	سید محمد داؤد غزنوی	۵۶	۸
۱۴۱	.....	سید اسمعیل غزنوی	۵۷	۹
۱۴۲	.....	حافظ محمد زکریا غزنوی	۵۸	۱۰
۱۴۳	.....	سید ابو بکر غزنوی	۵۹	۱۱

## (۸) خاندان مولانا فیض اللہ بھوجیانی

۱۴۸	.....	فیض اللہ بھوجیانی	۶۰	۱
۱۵۰	.....	عبدالرحمن	۶۱	۲
۱۵۱	.....	محمد عبداللہ	۶۲	۳
۱۵۳	.....	عبدالرحیم	۶۳	۴
۱۵۴	.....	حافظ بشیر احمد	۶۴	۵
۱۵۵	.....	عبدالرشید	۶۵	۶

۱۵۵

## (۹) علوی خاندان سوہدرہ

۱۵۸	حافظ غلام حسین	۶۷	۱
۱۵۹	محبوب عالم	۶۸	۲
۱۵۹	غلام نبی الربانی	۶۹	۳
۱۶۱	حافظ عبدالحکیم	۷۰	۴
۱۶۲	عبد الحمید	۷۱	۵
۱۶۳	عبد الحمید خادم	۷۲	۶
۱۶۷	حافظ محمد یوسف	۷۳	۷
۱۶۹	حافظ عبدالوحید	۷۴	۸
۱۷۰	محمد ادریس فاروقی	۷۵	۹
۱۷۱	حافظ محمد نعمان	۷۶	۱۰

## (۱۰) قصوری خاندان

۱۷۳	عبد القادر	۷۷	۱
۱۷۷	عبد الحق	۷۸	۲
۱۷۸	عبد اللہ	۷۹	۳
۱۷۹	محمی الدین احمد	۸۰	۴
۱۸۳	محمد علی	۸۱	۵
۱۸۸	احمد علی	۸۲	۶

## (۱۱) روپڑی خاندان

۱۹۰	..... حافظ عبداللہ روپڑی	۸۳	۱
۱۹۳	..... حافظ محمد حسین روپڑی	۸۴	۲
۱۹۵	..... حافظ عبدالرحمن مدنی	۸۵	۳
۱۹۶	..... حافظ حسن مدنی	۸۶	۴
۱۹۷	..... حافظ اسماعیل روپڑی	۸۷	۵
۱۹۸	..... حافظ عبدالقادر روپڑی	۸۸	۶
۲۰۱	..... حافظ عبدالغفار روپڑی	۸۹	۷
۲۰۲	..... حافظ عبدالوہاب روپڑی	۹۰	۸

## (۱۲) یزدانی خاندان

۲۰۳	..... حافظ محمد عبداللہ	۹۱	۱
۲۰۵	..... حافظ عبدالغفور	۹۲	۲
۲۰۶	..... عبدالخلیم صدیقی	۹۳	۳
۲۰۷	..... عزیز الرحمن یزدانی	۹۴	۴
۲۰۸	..... حبیب الرحمن یزدانی	۹۵	۵

## (۱۳) کیلانی خاندان

۲۱۳	..... محمد سلیمان کیلانی	۹۶	۱
۲۱۴	..... محمد ادیس کیلانی	۹۷	۲
۲۱۵	..... محمد اقبال کیلانی	۹۸	۳
۲۱۵	..... عبدالرحمن کیلانی	۹۹	۴

۲۱۷	..... حافظ عبدالحمی	۱۰۰	۵
۲۱۷	..... عبدالملک مجاہد	۱۰۱	۶
۲۱۸	..... عبدالسلام کیلانی	۱۰۲	۷
۲۱۸	..... اکرام اللہ ساجد	۱۰۳	۸

## (۱۳) اے علمائے کرام

### فصل اول

۲۲۲	..... ولایت علی عظیم آبادی	۱۰۴	۱
۲۳۰	..... شمس الحق عظیم آبادی	۱۰۵	۲
۲۳۵	..... محمد حسین بٹالوی	۱۰۶	۳
۲۳۷	..... محمد بشیر سہوانی	۱۰۷	۴
۲۳۹	..... حافظ عبدالمنان وزیر آبادی	۱۰۸	۵
۲۴۲	..... حافظ عبداللہ غازی پوری	۱۰۹	۶
۲۴۵	..... قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری	۱۱۰	۷
۲۵۰	..... احمد اللہ پرتاب گڑھی	۱۱۱	۸
۲۵۲	..... عبدالقواب ملتانی	۱۱۲	۹
۲۵۳	..... ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری	۱۱۳	۱۰
۲۷۳	..... ابوالکلام آزاد	۱۱۴	۱۱
۲۸۰	..... محمد ابراہیم میرسیالکوٹی	۱۱۵	۱۲
۲۸۵	..... حافظ عبدالستار صدیقی دہلوی	۱۱۶	۱۳
۲۸۷	..... نذیر احمد رحمانی	۱۱۷	۱۴
۲۸۹	..... حافظ محمد گوندلوی	۱۱۸	۱۵

۲۹۳	محمد حنیف ندوی	۱۱۹	۱۶
۲۹۸	ابوالبرکات احمد مدراسی	۱۲۰	۱۷
۲۹۹	غلام احمد حریری	۱۲۱	۱۸
۳۰۱	محمد صادق خلیل	۱۲۲	۱۹
۳۰۳	محمد علی جانباز	۱۲۳	۲۰
۳۰۵	ارشاد الحق اثری	۱۲۴	۲۱
۳۰۸	حافظ صلاح الدین یوسف	۱۲۵	۲۲
۳۱۰	محمد اسحاق بھٹی	۱۲۶	۲۳
۳۱۲	بشیر انصاری	۱۲۷	۲۴
۳۱۳	محمد خالد سیف	۱۲۸	۲۵

## فصل دوم

۳۱۶	امیر حسن سہوانی	۱۲۹	۱
۳۱۸	امیر احمد سہوانی	۱۳۰	۲
۳۱۹	نواب سید صدیق حسن خاں	۱۳۱	۳
۳۲۲	نواب سید نور الحسن خاں	۱۳۲	۴
۳۲۷	نواب سید علی حسن خاں	۱۳۳	۵
۳۳۱	حافظ عبدالرحیم مبارکپوری	۱۳۴	۶
۳۳۲	عبدالرحمن مبارکپوری	۱۳۵	۷
۳۳۶	عبدالسلام مبارکپوری	۱۳۶	۸
۳۳۷	عبید الرحمن مبارکپوری	۱۳۷	۹
۳۳۸	عبید اللہ مبارکپوری	۱۳۸	۱۰

۳۴۰	.....	نور حسین گھر جا کھی	۱۳۹	۱۱
۳۴۲	.....	محمد خالد گھر جا کھی	۱۴۰	۱۲
۳۴۳	.....	عبدالجبار کھنڈیلوی	۱۴۱	۱۲
۳۴۶	.....	عبدالخالق رحمانی	۱۴۲	۱۳
۳۴۷	.....	مولوی حاکم الدین	۱۴۳	۱۳
۳۴۹	.....	بدایت اللہ سوہدروی	۱۴۴	۱۵
۳۵۱	.....	محمد بن ابراہیم جونا گڑھی	۱۴۶	۱۶
۳۵۳	.....	محمد سلیمان جونا گڑھی	۱۴۶	
۳۵۴	.....	محمد اسماعیل سلفی	۱۴۷	۱۷
۳۵۷	.....	حکیم محمود سلفی	۱۴۸	۱۸
۳۶۴	.....	حافظ عبدالغفور	۱۴۹	۱۹
۳۶۶	.....	محمد مدنی	۱۵۰	۲۰
۳۶۷	.....	حافظ عبدالحمید عامر	۱۵۱	۲۱
۳۶۸	.....	محمد عطاء اللہ حنیف	۱۵۲	۲۲
۳۷۵	.....	حافظ احمد شاہ کر	۱۵۳	۲۳

## فصل سوم

۳۷۷	.....	شاہ محمد اسحاق دہلوی	۱۵۴	۱
۳۷۹	.....	شاہ محمد یعقوب دہلوی	۱۵۵	۲
۳۸۰	.....	بدیع الزماں حیدر آبادی	۱۵۶	۳
۳۸۱	.....	وحید الزماں حیدر آبادی	۱۵۷	۴
۳۸۶	.....	عبدالاحد خان پوری	۱۵۸	۵

۳۸۸	..... ابو عبد اللہ محمد خان پوری	۱۵۹	۶
۳۸۹	..... یوسف حسین خان پوری	۱۶۰	۷
۳۹۲	..... عبدالرحمن بقا غازی پوری	۱۶۱	۸
۳۹۳	..... عبدالمنان وفا غازی پوری	۱۶۲	۹
۳۹۴	..... فقیر اللہ مدراسی	۱۶۳	۱۰
۳۹۶	..... عبدالرحمن شاہ پوری	۱۶۴	۱۱
۳۹۷	..... محبت اللہ شاہ راشدی	۱۶۵	۱۲
۳۹۸	..... بدیع الدین شاہ راشدی	۱۶۶	۱۳
۴۰۰	..... احسان الہی ظہیر	۱۶۷	۱۴
۴۰۲	..... ڈاکٹر فضل الہی	۱۶۸	۱۵
۴۰۴	..... عبدالرحمن راسخ	۱۶۹	۱۶
۴۰۵	..... حافظ عبدالستار حامد	۱۷۰	۱۷
۴۰۷	..... محمد سلیمان اثری	۱۷۱	۱۸
۴۰۷	..... عبدالمنان راسخ	۱۷۲	۱۹
۴۰۸	..... عبدالرحمن سلفی	۱۷۳	۲۰
۴۰۹	..... محمد اسحاق سلفی	۱۷۴	۲۱
۴۱۱	..... کتابیات		



## علمائے دیدہ مؤلف

محمد ادریس کیلانی	بشیر انصاری	حافظ عبدالغفور جہلمی	عبدالغفار حسن
اکرام اللہ ماجد	نور حسین گھر جاگھی	محمد عطاء اللہ حنیف	شفیق الرحمن لکھوی
محمد حنیف ندوی	عبدالخالق رحمانی	بدیع الدین شاہ راشدی	محمد اسماعیل غزنوی
محمد صادق خلیل	محمد اسماعیل سلفی	عبدالرحمن راسخ	عبدالمجید خادم
حافظ صلاح الدین یوسف	محمد مدنی	محمی الدین لکھوی	حافظ محمد نعمان
عبدالماکک مجاہد	حافظ احمد شاکر	عزیز الرحمن لکھوی	حافظ عبداللہ روپڑی
محمد خالد گھر جاگھی	احسان الہی ظہیر	سید ابو بکر غزنوی	حافظ حسن مدنی
مولوی حاکم الدین	حافظ عبدالستار حامد	حافظ محمد یوسف	حافظ عبدالغفار مدنی
حکیم محمود سلفی	عبدالرحمن مدنی	محمی الدین احمد قصوری	حبیب الرحمن یزدانی
حافظ عبدالحمید عامر	معین الدین لکھوی	حافظ محمد حسین روپڑی	عبدالرحمن کیلانی
محبت اللہ شاہ راشدی	محمد داؤد غزنوی	حافظ اسماعیل روپڑی	محمد ابراہیم میرسیالکوٹی
ڈاکٹر فضل الہی	محمد یحییٰ بھوجیانی	حافظ عبدالوہاب روپڑی	ابوالبرکات احمد مدراسی
محمد سلیمان اثری	محمد ادریس فاروقی	محمد سلیمان کیلانی	محمد علی جانباز
محمد اسحاق سلفی	محمد علی قصوری	عبدالسلام کیلانی	محمد اسحاق بھٹی
عبدالرحمن سلفی	حافظ عبدالرحمن مدنی	حافظ محمد گوندلوی	محمد خالد سیف
	حافظ عبدالقادر روپڑی	غلام احمد حریری	عبدالجبار کھنڈیلوی
	عزیز الرحمن یزدانی	ارشاد الحق اثری	ہدایت اللہ سوہدروی



## حرفِ اوّل

مذہب عالم میں اسلام ہی وہ واحد دین ہے، جو عقائد و اعمال اور توارث و تعامل کے لحاظ سے محفوظ ہے۔ دین اسلام کے دونوں سرچشمے حد درجہ محفوظ اور موجود ہیں۔ ان میں کتاب اللہ (قرآن مجید) کی حفاظت کی ضمانت تو خود اس کے متن میں موجود ہے۔ جہاں تک سنت رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے، اس حوالے سے تاریخ علوم کا سب سے بے نظیر اور بے مثال علم وجود میں آیا۔ روایت و درایت، جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کے حوالے سے ذخیرہ حدیث کو اس کی تمام تر تحقیقات کے ساتھ محفوظ کیا گیا۔ سیرت و سنت نبوی ﷺ کا کوئی پہلو آج ایسا نہیں ہے جو کامل استناد اور اعتماد کے ساتھ مرتب نہ کیا گیا ہو۔ محدثین کرام رحمہ اللہ علیہم اجمعین کی جماعت نے اس سلسلے میں جو جلیل القدر اور رفیع الشان خدمات انجام دی ہیں، ان کا تذکرہ یہاں مقصود نہیں مگر یہ پوری تفصیل کے ساتھ مرتب ہو چکا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے دین اسلام کو انہی دو خالص سرچشموں کے ساتھ امت کے سپرد کیا اور ان کی ہدایت کا ضامن ٹھہرایا۔ جہاں تک اسلام کے عملی اور اطلاقی پہلو کا تعلق ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت نے اس الدین الخالص پر سو فیصد عمل کر کے اس کی عملی حجت کو قائم کر دیا۔ جس کی امثال و نظائر عہد صحابہ میں پہلی صدی ہجری کے اختتام تک ایشیا، افریقہ اور یورپ کی بہت سی اقالیم و دول میں واضح دکھائی دیتی ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ جماعت وہ اولیں گروہ علما ہے، جس کو آپ نے اسلامی تعلیمات کا یہ ذخیرہ سپرد کیا۔ جن سے تابعین، تبع تابعین اور محدثین کرام کی جماعت نے اس دین کو حاصل کیا۔ یوں نبوت اپنا علمی اور عملی ورثہ جس گروہ کے سپرد کرتی ہے، وہ حضرات علماء کی جماعت ہے۔

کتاب و سنت کے ذخیرہ صافی میں سب سے اہم موضوع اقوام و ملل اور ان کے عقیدہ و

ثقافت سے متعلق ابحاث ہیں۔ یوں اس گنجینہ علمی میں تاریخ و تذکرہ کے موضوعات پر بہت تفصیلات ملتی ہیں۔ تاریخ الانبیاء والرسل قرآن مجید کا ایک خاص عنوان ہے۔ جس میں خیر و شر کے سارے کردار باہمی آویزش میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ ذخیرۂ حدیث میں راویان حدیث کے سلسلے میں اسماء الرجال نے تذکرہ نویسی کی ایسی معتبر روایت کو جنم دیا کہ جس کے پیش نظر آج ہزار ہا ہزار افراد کے سوانح حیات ان کی سیرت و کردار کے حوالے سے محفوظ ہیں۔ عربی زبان میں راویان حدیث کے بیسیوں معتبر تذکرے ترتیب دیے گئے۔ تاریخ عالم میں اس نوعیت کی وقیع اور ثقہ تذکرہ نویسی کی کوئی روایت دکھائی نہیں دیتی۔ یوں محدثین نے تذکرہ نویسی کا ایک ایسا تجربہ کیا کہ اب یہ ایک مستقل روایت میں ڈھل چکا ہے۔ خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، محدثین، فقہا اور دوسرے دائرہ بائے علمی و فنی سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد کے سوانح اور تذکرے آج ہمارے پاس موجود ہیں جو مسلمانوں کی تاریخ نگاری اور تذکرہ نویسی کی مہارت پر شہادتِ عدل قائم کرتے ہیں۔

لغت عرب میں ”تاریخ“ کے معنی وقت سے آگاہ کرنے کے ہیں۔ واقعات زمانے اور زمین کی گردش کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ ماہ و سال کی اسی گردش میں جو کردار ابھرتے ہیں، ان وقائع کو تاریخ کہا جاتا ہے اور ان کرداروں کے شخصی احوال کو تذکرہ نویسی کہتے ہیں۔ مسلمان دنیا میں فن تاریخ کے مؤسس اور بانی ہیں۔ اسلام سے قبل تاریخ نویسی کے جو نمونے ہمیں ملتے ہیں، ہم انہیں کامل شواہد قرار نہیں دے سکتے۔ مغرب کا ذوق تاریخ نویسی راویان تاریخ کے سلسلے اور کڑیوں کو واقعے کے ساتھ مربوط نہیں کرتا جب کہ اس کے برعکس مسلمانوں نے علم حدیث کی تدوین کے ذوق کے باعث واقعات کو براہ راست راویوں کی شہادت سے مربوط کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ یوں تاریخ نویسی مسلمانوں کا ایک خصوصی فن یا وصف ہے، جس کے ابتدائی نمونے خود قرآن مجید اور اسماء الرجال کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ مسلمانوں میں تاریخ نویسی کے اولین نمونے غزوات و سرایا کے ساتھ متعلق ہیں اور اس فن میں ان کا کوئی حریف نہیں ہے۔ مسلمان تاریخ کے مفہوم میں ”عبر“ کو شامل رکھتے تھے، کیونکہ تاریخ اگر آئینہ عبرت نہیں تو پھر اس کی افادیت مشکوک ہے۔

مسلمان مؤرخین کے فنی سفر کا جائزہ لیں تو اس میں سیکڑوں وقیع تاریخ نویس دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے فن تاریخ کے اصول و مبادیات کو وضع کیا اور تاریخ عالم میں اپنے علمی کارناموں سے تاریخ اور اس کے وقائع کو ایک اعتبار اور سند عطا کی ہے۔ اگر ہم شروع سے مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ تاریخی سفر کا جائزہ لیں تو اس میں جو بڑے بڑے نام دکھائی دیتے ہیں ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

محمد بن اسحاق (۸۵ھ-۱۵۰ھ) جس کے مغازی اور سیرت کے لوازمے کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مدون کر دیا ہے۔ عمر الواقدی (۱۳۰ھ-۲۰۷ھ) یہ ایک ایسا مؤرخ ہے جو خود تو ثقاہت سے فرور ہے مگر اس کے شاگردوں نے اس فن میں بہت نام کمایا ہے۔ ابن ہشام (۱۲۳ھ-۲۱۳ھ) محمد بن سعد (۱۶۸ھ-۲۳۰ھ) یعقوبی (— م ۲۲۸ھ) البلاذری (۲۰۳ھ-۲۷۹ھ) ، ابن قتیبہ (۲۱۳ھ-۲۷۲ھ) ، ابو حنیفہ دینوری (۲۰۰ھ-۲۸۰ھ) ، طبری (۲۲۵ھ-۳۱۰ھ) ، مسعودی (— م ۳۲۶ھ) ابن مسکویہ (۳۳۰ھ-۴۲۱ھ) ، ابن حزم (۳۸۵ھ-۴۵۶ھ) ، خطیب بغدادی (۳۹۲ھ-۴۶۳ھ) ، ابن صاعد اندلسی (۴۲۰ھ-۴۶۲ھ) ، ابن عساکر (۴۹۹ھ-۵۷۱ھ) ، اس کی تاریخ دمشق حال ہی میں اسی جلدوں میں شائع ہو چکی ہے ، ابن جوزی (۵۱۰ھ-۵۳۹ھ) ، ابن اثیر (۵۵۰ھ-۶۳۰ھ) ، یاقوت حموی (۵۷۵ھ-۶۲۶ھ) ، ابن خلکان (۶۰۸ھ-۶۸۰ھ) ، ابن طقطقی (۶۶۰ھ-۷۰۲ھ) ، ابوالفداء (۶۷۲ھ-۷۳۲ھ) ، علامہ ذہبی (۶۷۳ھ-۷۴۸ھ) ، ابن کثیر (۷۰۰ھ-۷۷۴ھ) ، لسان الدین خطیب (۷۱۳ھ-۷۷۶ھ) ، ابن خلدون (۷۳۲ھ-۷۴۸ھ) ، المقریزی (۷۶۶ھ-۸۴۵ھ) ، حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳ھ-۸۰۲ھ) ، سخادی (۸۳۱ھ-۹۰۲ھ) ، جلال الدین سیوطی (۸۳۹ھ-۹۱۱ھ) ، المقری (۱۰۰۱ھ-۱۰۴۱ھ) اور حاجی خلیفہ (۱۰۱۶ھ- )

یہاں ہم نے محض ۳۱ نمائندہ مسلم مؤرخین کے صرف نام درج کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اگر ان کے تاریخی کارناموں کا تجزیہ اور احاطہ کیا جائے تو پھر بہت سے دفتر تیار ہو سکتے ہیں۔ اگر صرف ابن خلدون کی ”العبر و دیوان المبتداء والخیر“ کی سات جلدوں کے ساتھ اس کے مقدمہ پر نگاہ ڈالی

جائے تو اہل علم کے اس اعتراف کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ تاریخ عالم نے اس سے بڑھ کر کوئی فلسفہ تاریخ کا عالم پیدا نہیں کیا۔ ٹائن بی اورول ڈیورانت اس کے سامنے طفل مکتب دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے مقدمہ نے فن تاریخ نویسی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ مقدمہ ابن خلدون کے فنی مقام کو جس مسلمان مؤرخ نے سب سے بڑھ کر سمجھا اور اسے مزید وسعت و ثقاہت عطا کی وہ علامہ شمس الدین سخاوی ہے۔ آپ کثیر التصانیف عالم ہیں مگر آپ کی درج ذیل تین کتابیں فن تاریخ، تذکرہ اور سوانح میں اساسی اہمیت کی حامل ہیں:

- ۱۔ الاعلان بالتونج..... یہ فن تاریخ میں ابھی تک بے مثل اور بے بدل کتاب ہے۔
  - ۲۔ الضوء الاعم..... یہ نویں صدی ہجری کے علماء و فضلاء روزگار کا عمدہ تذکرہ ہے۔
  - ۳۔ الجواہر والدرر..... اس میں سخاوی کے استاد ابن حجر عسقلانی کی سوانح قلم بند کی گئی ہے۔
- مذکورہ سطور میں ہم نے عالم عرب کے مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کا ذکر کیا ہے۔ برصغیر میں بھی خورشید اسلام کی کرنیں خلافت راشدہ میں اپنی ضیا پاشیاں دکھاتی ہیں۔ عہد فاروقی میں بلوچستان کے علاقے مکران میں صحابہ کرام کے نقوش قدم دکھائی دیتے ہیں۔ اسی دور فرخ فال میں بحرین اور عمان کے عامل (گورنر) عثمان بن ابوالعاص ثقفی نے صحابہ کے گروہ برصغیر کی جانب روانہ کیے، جن میں سے ایک کی قیادت ان کے بھائی حکم بن ابوالعاص ثقفی نے کی جو بمبئی کی بندرگاہ کے قریب تھانہ اور بھڑوچ نامی مقامات پر اقامت گزریں ہوا، جب کہ عامل مذکور کے دوسرے بھائی مغیر بن ابوالعاص ثقفی کی سیادت میں ایک دوسرا کاروان عزیمت سندھ کے قصبے دیہل کی طرف روانہ ہوا۔ برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش دیکھنے کے متلاشی اور تمنائی حضرات کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں قاضی اطہر مبارکپوری کی عربی تصنیف ”العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابہ والتابعین“ کا مطالعہ کریں۔ اسی طرح سید سلیمان ندوی کی تصنیف ”عرب و ہند کے تعلقات“ (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) کا مطالعہ بھی سود مند رہے گا۔ مؤرخ اہلحدیث محی محمد اسحاق بھٹی کی ”فقہائے ہند“ کی جلد اول بھی اس سلسلے کی ایک مفید کتاب ہے۔ اگر مصنف مذکور کی باقی جلدوں کا بھی مطالعہ کیا جائے تو ان سیکڑوں محدثین، مفسرین اور فقہاء اور علماء کا محققانہ تذکرہ ملتا ہے، جن کا تعلق

برصغیر یا شبہ قارہ سے ہے۔ برصغیر کے اس کاروان علمی میں بہت سے مؤرخین بھی شامل ہیں۔

برصغیر میں علماء کے تذکروں کی روایت بہت قدیم سے ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی کی ”منتخب التواریخ“، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا تذکرہ ”اخبار الاخیار“ اور آزاد بلگرامی کی ”مآثر الکرام“ اس میں خاصے کی چیزیں ہیں۔ تذکرہ نویسی کی ذیل میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی ”طرب الامثال“ بھی ایک مفید کڑی ہے۔ لیکن اس فن شریف میں مستند اور معتبر لوازمہ علمی اور رجال ہند کے سوانح فخر العجم والعرب نواب سید صدیق حسن خاں قنوجی (۱۸۳۲ھ - ۱۸۹۰ھ) سے یادگار ہیں۔ ان کی تصانیف ”اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء والمحدثین، ابجد العلوم، تقصار جهود الاحرار من تذکار جنود الابرار اور التاج المکمل من جواهر مآثر طراز الاخر والاول“ کو معرکہ آرا قرار دیا جاسکتا ہے۔ عالم اسلام میں انیسویں صدی عیسوی میں کوئی شخصیت نواب صاحب کے علمی و تحقیقی کارناموں کے ہم پلہ دکھائی نہیں دیتی۔ مگر علمائے ہند کا سب سے مفصل اور وسیع تذکرہ جس میں گذشتہ چودہ صدیوں کے علمی کارناموں کا احاطہ کیا گیا ہے، وہ حکیم سید عبدالحی الحسنی کی تصنیف ”نزهتہ الخواطر وبہجتہ المسامع والنواظر“ ہے، جس میں ساڑھے چار ہزار علماء و فضلاء روزگار کا تذکرہ محفوظ ہے۔ اس تذکرے میں برصغیر کے تقریباً تمام مسالک اور مکتبہ ہائے فکر کے متعلق علماء کو شامل کیا گیا ہے۔ ”حقائق الحنفیہ“ نامی ایک تذکرہ مولوی فقیر محمد جہلمی نے مرتب کیا ہے، مگر اس میں صرف علمائے احناف کے احوال کا احاطہ کیا گیا ہے۔

یہاں مجھے حسان الہند مولانا میر غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۶ - ۱۲۰۰ھ) کا بطور خاص ذکر مطلوب ہے کہ یہ برصغیر کے وہ اولیں تذکرہ نگار ہیں، جنہوں نے علماء کے حالات و سوانح کو تاریخ سے جداگانہ ایک الگ فن کی شکل دی ہے۔ برصغیر میں اسماء الرجال کے ضوابط کے پیش نظر یہ ایک لائق تحسین کاوش ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا، جبکہ ۱۹۷۱ء میں اس کا نقش ثانی مولانا محمد عبدہ کے مفید حواشی، تعلیقات اور اضافوں کے ساتھ مکتبہ احیاء العلوم اشرفیہ، لاہور سے شائع ہوا۔ ہر چند اس میں بلگرام کے علماء اور صوفیاء کو جگہ دی گئی ہے مگر اس نے شخصیات کے سوانحی کولائف کے حوالے سے ایک بہترین معیار قائم کیا ہے۔ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کا دیباچہ مولوی

عبداللہ نے تحریر کیا، جسے دوسرے ایڈیشن میں بھی اس کی علمی افادیت کے پیش نظر برقرار رکھا گیا ہے۔ ”مآثر الکرام“ کے علاوہ بلگرامی مرحوم نے ایک دوسرا تذکرہ ”سرو آزاد“ کے نام سے بھی لکھا ہے، مگر یہ محض شعرائے کرام کے احوال سے متعلق ہے۔ پیش نظر رہے کہ آزاد بلگرامی نے یہ تذکرے فارسی زبان میں تحریر کیے ہیں۔

علمائے کرام، نبی آخر الزماں ﷺ کے حقیقی وارث ہیں۔ جس طرح حضور نبی کریم ﷺ کے سیرت نگاروں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے (تحدیثِ نعمت کے بطور عرض کرتا ہوں کہ اس وقت راقم کے شخصی کتب خانے بیت الحکمت میں چار ہزار سے متجاوز کتب دنیا کی اٹھارہ زبانوں میں صرف سیرت کے شعبے میں موجود ہیں۔ فلولہ الحمد) اسی طرح آپ کے خدام اور تبعین علمائے کرام کے تذکار کو بھی بہت وسعت نصیب ہوئی ہے۔ فرقہ پرستی اور مسالک کا امتیاز کوئی لائق فخر بات نہیں مگر صحیحین کی اس روایت کے بموجب کہ ”میری امت میں سے ایک طائفہ ہمیشہ (ایسا) رہے گا جو حق پر قائم رہ کر مقابلہ کرتا رہے گا اور (وہ) قیامت تک غالب رہے گا۔“ اس حدیث اور روایت کے مصداق اہل الحدیث یا اہل سنت کے علماء کی ایک جماعت ہر دور میں ہر اسلامی خطے میں دعوتِ اسلام اور تبلیغِ دین کے حقیقی تقاضوں کی آبیاری کے لیے تعلیم و تعلم، درس و تدریس، وعظ و تذکیر اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہی ہے۔ آفاق عالم کی وسعتوں میں موجودہ علمائے دین کے تذکرے ان مقامی زبانوں میں بکثرت لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح برصغیر میں بھی علمائے اہلحدیث کے تذکرے لکھے گئے اور ہنوز معرضِ تحریر میں ہیں۔

یہ ایک تاریخی ستم ظریفی اور تحقیقی بددیانتی ہے کہ برصغیر میں اہلحدیث مکتب فکر کو ”نووارد“ کی پھبتی سے نوازا گیا ہے مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ برصغیر میں اس مکتب فکر اور مسلک حقہ کی تاریخ اسی قدر قدیم ہے، جس قدر کہ خود صحابہؓ کا تذکار جلیل تاریخی اولیت اور سبقت کا حامل ہے۔ عہدِ صحابہؓ ۱۱۰ھ تک موجود رہا اور اس عہد مبارک میں تقلید کے جمود کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں بھی تقلید سے نفور اور اتباع سنت کے جذبات غالب رہے۔ اہل تسنن میں جن چار فقہی دبستانوں کا تصور مخصوص سیاسی احوال کے پیش نظر اختیار کیا گیا۔ ان چاروں

ائمہ کے احوال پر نگاہ ڈالیے، ان میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ ۱۵۰ھ، حضرت امام مالکؒ ۱۷۹ھ، حضرت امام شافعیؒ ۲۰۴ھ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ ۲۴۱ھ میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے اور ان میں سے کسی ایک نے اتباع سنت کو چھوڑ کر تقلید شخصی اختیار کرنے کی دعوت نہیں دی۔ ذرا اس حقیقت پر بھی توجہ کیجئے کہ کیا دین و شریعت کو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں مکمل نہیں کیا گیا اور پھر قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ کس پہلو کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ یہ ختم نبوت کے موضوع پر بھی سب سے قطعی اور حتمی استدلال ہے۔

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ

دِينًا ﴾ ﴿ ۵۱. المائدہ: ۱۳

”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔“

(( تَرَكَتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّةُ

رَسُولِهِ )) [مشکوٰۃ المصابیح]

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو پکڑے اور تھامے رکھو گے، گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری سنت رسول ہے۔“

اہل علم اور ارباب تحقیق تو بخوبی سمجھتے ہیں مگر عامۃ المسلمین جاننا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں یہ اہل الحدیث یا اہل سنت کی اصطلاح کیسے وجود میں آئی؟ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اخیر تک کسی فقہی مسلک کا ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی اس دوران مذاہب اربعہ کی پیدائش ہوئی۔ قرآن مجید کی واضح نصوص اور تعلیمات ہیں کہ جن میں دین میں اختلاف، فرقہ بندی یا دھڑے بندی سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے امت میں فرقوں کی تشکیل اور ساخت کے بارے میں واضح پیشن گوئی فرمائی ہے اور یہ بھی فرمادیا کہ اس صورت حال کے باوجود ایک طبقہ ہمیشہ سنت پر قائم رہے گا۔

تاریخ اسلام کے طالب علم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ جب امت میں سبائی تحریک خلافت

عثمانی میں شروع ہوئی تو امت میں آہستہ آہستہ بہت سے گمراہ کن فرقے پیدا ہوتے چلے گئے۔ جن میں خوارج، قدریہ، جہمیہ، معتزلہ، مرجیہ، کرامیہ اور قرامطہ وغیرہ شامل ہیں۔ خلافت راشدہ کے آخری دور میں امور خلافت کے اختلاف کے باعث تسنن اور تشیع کے رجحانات بھی سامنے آئے۔ بعض لوگ اور طبقات الدین الخالص کی موجودگی میں اتباع سنت پر قناعت کرنے کی بجائے اپنے مقامی، علاقائی اور شخصی میلانات کو دین کا حصہ قرار دینے لگے، جنہیں ارباب سیر اور مؤرخین و محدثین نے اہل الرائے یا اہل بدعت کی اصطلاحوں سے تعبیر کیا ہے۔ اسی فضا میں حقیقی تابعین رسالت کو اہل الرائے اور اہل بدعات سے ممتاز کرنے کے لیے اہل حدیث، اصحاب الحدیث، اہل سنت، اہل اثر، محدثین، طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ کے الفاظ اور اصطلاحات سامنے آئیں۔ فرمان نبی کے مقابلے میں قول امام کو اختیار کرنے والے مقلدین کے فرقوں میں شمار کیے جانے لگے اور اتباع نبوی کے حاملین کو مذکورہ اصطلاحات کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جس کے حوالے اور آثار بکثرت اس عہد کے محدثین اور مؤرخین کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

عرب و حجاز کے تجارتی تعلقات تو اہل ہند کے ساتھ زمانہ قبل از اسلام میں قائم ہو چکے تھے۔ مگر خلافت راشدہ میں سندھ اور ہند کے ساتھ جو اسلامی تعلقات اور روابط قائم ہوئے، ان کی داستان مؤرخین اور محدثین نے محفوظ کی ہے۔ اس سلسلے میں کم از کم پچیس صحابہ کرام کے برصغیر میں تشریف لانے کا ذکر ملتا ہے، ان میں سے بعض کی قبور ابھی تک مختلف علاقوں میں محفوظ اور معروف ہیں۔ تاریخ و سیر کے مصنفین کی فراہم کردہ اطلاعات کے موافق خلافت فاروقی میں بارہ، عہد عثمانی میں پانچ، زمانہ خلافت علیؑ میں تین، دور معاویہؓ میں چار اور حکومت یزید بن معاویہؓ میں ایک صحابی کے برصغیر میں آنے کا واضح تذکرہ ملتا ہے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ خلافت فاروقی میں بحرین اور عمان کے گورنر عثمان بن ابوالعاص ثقفیؓ کے ذریعے بہت سے صحابہ کے قافلے اور وفود برصغیر کے مختلف علاقوں میں داخل ہوئے۔ پھر ۹۴ھ میں محمد بن قاسم باقاعدہ سندھ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا اور اس نے حدود پنجاب تک اسلامی سلطنت کو کامیابی کے ساتھ قائم کر لیا۔ اس زمانے تک جتنے صحابہ تابعین یا تبع تابعین برصغیر میں داخل ہوئے، یہ سب قدسی صفات اصحاب الحدیث یا اہلحدیث تھے،



ان میں سے کوئی ایک بھی تقلید شخصی کا حامل یا عامل یا اہل الرائے میں سے نہیں تھا۔

مسلم سپہ سالار بھی عجیب لوگ تھے۔ محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تو موسیٰ بن یعقوب ثقفی کو پنجاب میں قائم ہونے والے پہلے دارالحدیث کا شیخ الحدیث متعین کیا۔ امام حسن بصریؒ کے شاگرد اسرائیل بن موسیٰ بصری، جن کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے اور جنہیں نزیل الہند کہا جاتا ہے، برصغیر میں درس حدیث کے معروف استاد تھے۔ ربیع بن صبیح بصری مشہور تابعی ہیں، جن کا انتقال ۱۶۰ھ میں ہوا اور سندھ میں مدفون ہوئے۔ انہوں نے علم الحدیث میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اسی طرح شیخ رضی الدین حسن صفائی لاہوری، شیخ علی متقی جو پوری، شیخ محمد طاہر گجراتی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ احمد سرہندی، شیخ نورالحق، سید مبارک محدث بلگرامی، شیخ نور الدین احمد آبادی، میر عبد الجلیل بلگرامی، حاجی محمد افضل سیالکوٹی اور مرزا مظہر جان جاناں شہید سبھی علم حدیث اور اتباع سنت کے چراغ جلاتے دکھائی دیتے ہیں۔ یوں کاروان حدیث پہلی صدی ہجری میں برصغیر میں داخل ہوا اور پھر آئندہ صدیوں میں برصغیر کا ہر گوشہ حدیث اور سنت کے نور سے جگمگانے لگا۔

برصغیر میں مغلیہ سلطنت کے محاسن اور معائب دونوں بہت واضح ہیں۔ شیخ محمد اکرام نے ”آب کوثر، موج کوثر اور رود کوثر“ میں علماء و مشائخ کے مختلف سلاسل کی خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر چند داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ایک خاموش شمع بجھتے ہوئے منظر کی شہادت پیش کرتی ہے۔ مگر اس عہد میں حق تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے علم حدیث، اتباع سنت اور تحریک آزادی فکر کا ایسا کام لیا کہ پھر یہ کاروان حدیث کبھی مدارس میں مسند حدیث کی رونق کو برقرار رکھتا تو کبھی استخلاص وطن اور احیائے سنت کے لیے تحریک مجاہدین کا روپ پیش کرتا ہے۔ ان حضرات نے اگر اپنے قلم روشنائیوں کی نذر کر کے کتاب و سنت پر مبنی ذخائر علمی ترتیب دیئے تو کبھی مسند حدیث سے علم حدیث کے فروغ کے امکانات پیدا کیے۔ گاہے اس قافلے کے حامیان سنت نے اپنا خون دے کر گلشن اسلام کی بہاروں کا آب و رنگ قائم رکھا ہے۔ پیش نظر علمائے اہل حدیث کی سیرت و سوانح کا یہ مرقع جو ”تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء“ کے نام سے محترم عبدالرشید عراقی صاحب نے مرتب کیا ہے، اس میں گذشتہ اڑھائی سو سال کے برصغیر

کے ۷۴ علمائے اہلحدیث کے تذکار جمیل کو محفوظ کیا گیا ہے۔

برصغیر میں علمائے اہلحدیث کی خدمات اس قدر تابناک، روشن اور درخشاں ہیں کہ اس سلسلے میں بیسیوں تذکرے مرتب کیے گئے ہیں۔ ہرچند اہلحدیث فکر اور مسلک سے وابستہ حضرات شخصیت پرستی کے فتنے سے بہت اجتناب برتتے ہیں اور اسی باعث برصغیر میں اس کے اکابرین اور اعظم پر بہت کم لکھا گیا، مگر پھر بھی مصنفین اور مرتبین نے بہت کدو کاوش سے اس میدان میں غلو و مبالغہ سے بچتے ہوئے، حقائق و خدمات کے بہت سے خزینے جمع کر رہے ہیں۔ پیش نظر ”تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء“ سے قبل ہمیں درج ذیل سوانحی کتب اور انفرادی تذکرے اس ضمن میں رہنمائی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اس ضمن میں ”تذکرہ صادقہ معروف بہ الدر المنثور فی تراجم علمائے صادقہ پور“ ۱۹۲۳ء میں منصف شہود پر آئی۔ اس سلسلے کی سب سے اہم اور تحقیقی کاوش ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی کی کتاب ”تراجم علمائے حدیث ہند“ کی جلد اول ہے جو ۱۹۳۸ء جید برقی پریس دہلی سے شائع ہوئی، جس میں دو سو سے زائد علمائے اہلحدیث کا تذکرہ موجود ہے۔ ان میں اصحاب تدریس، مصنفین، مفسرین، محدثین، مجاہدین، واعظین اور اکابرین سبھی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس اہم کتاب پر سید سلیمان ندوی نے ایک مفید اور جامع مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں برصغیر کے علمائے اہلحدیث کی خدمات کو بنظر تحسین دیکھا گیا ہے۔ اس مقدمے میں آپ اپنے مسلک کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

”..... میں سنت کا پیرو اور توحید خالص کا معتقد ہوں، سنت کو دلیل راہ ماننا ہوں اور علما کے لیے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا جانتا ہوں اور حق کو ائمہ سلف میں کسی ایک میں منحصر نہیں سمجھتا۔ اب اس پر آپ مجھے جو چاہیں، سمجھ لیں۔“

ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی نے ”ہندوستان میں اہلحدیث کی خدمات“ پر الگ سے بھی ایک مبسوط کتاب تحریر کی ہے۔ افسوس ان کی ”تراجم علمائے حدیث ہند“ کی دوسری جلد نصف صدی سے زائد گزرنے کے باوجود ابھی تک منصف شہود پر نہیں آئی۔ امام العصر مولانا محمد ابراہیم میرسیا لکوٹی نے

بھی ”تاریخ اہل حدیث“ میں سیکڑوں رجال اہل حدیث کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔ مولانا غلام رسول مہر جیسے محقق شہیر کی کتابوں ”جماعت مجاہدین“ اور ”سرگذشت مجاہدین“ میں بھی علمائے اہل حدیث کی بہت سی شخصیات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی نے علمائے اہل حدیث کے تذکروں پر مشتمل چھ کتابیں تحریر کی ہیں۔ جن میں قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری اور میاں فضل حق مرحوم پر تو مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ قصوری خاندان کے علمائے اہل حدیث پر بھی ایک باقاعدہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ ”فقہائے ہند“ کی متعدد جلدوں میں سیکڑوں محدثین کا تذکرہ قلم بند کیا گیا ہے۔ مگر اس موضوع پر آپ کی شاہکار کتابیں ”نقوش عظمت رفتہ، کاروان سلف اور ”بزم ارجمنداں“ ہیں، جن میں پچاس کے قریب علمائے اہل حدیث کے بہترین خاکے بے مثال اسلوب میں تحریر کیے گئے ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید پر مرزا حیرت دہلوی کی ”حیات طیبہ“ اور محمد خالد سیف کی ”تذکرہ شہید“ زیادہ اہم ہیں۔ انفرادی سطح پر جن اہل حدیث اکابرین پر بہت زیادہ قلم اٹھایا گیا ہے، ان میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبداللہ غزنوی، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی، استاد پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مسعود عالم ندوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، سید داؤد غزنوی اور علامہ احسان الہی ظہیر شہید شامل ہیں۔ ان حضرات پر مستقل کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالعظیم انصاری نے ”تذکرہ علمائے بھوجیاں“ بدر الزماں نیپالی نے ”علمائے اہل حدیث میوات“ اور ”علمائے اہل حدیث بستی دگوٹہ“ اور مولانا ابوعلی اشرفی نے ”چندر جال اہل حدیث“ کے نام سے بہت سے اہل حدیث علما کا ذکر خیر کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالغفور راشد مسلک اہل حدیث کے نوجوان مؤرخ ہیں، جنہوں نے اس موضوع پر دو کتابیں تحریر کی ہیں۔ ان کی پہلی کتاب ”اہل حدیث منزل بہ منزل“ برصغیر میں فکر و تحریک اہل حدیث کا ایک مبسوط جائزہ ہے۔ جب کہ ان کی دوسری کتاب ”تذکرۃ الابرار“ میں ضلع قصور کے ۸۰ علمائے دین کا تذکرہ ہے، جن میں راقم کے خاندان کے بھی چند علماء کے سوانح اور خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان دنوں ملک اور بیرون ملک کی مختلف جامعات میں جن شخصیات پر علمی اور تحقیقی کام ہو رہا ہے، ان میں علمائے اہل حدیث بھی شامل ہیں۔ لہذا اس سلسلے میں نواب سید صدیق حسن خاں، خاندان ولی اللہی، غزنوی، روپڑی، لکھوی، راشدی

اور بہت سے دوسرے خاندانوں کے علماء و مدرسین پر بطور خاص کام ہوا ہے۔ اکابرین اہل حدیث کے اس ذخیرے میں ایک خودنوشت سوانح حیات بہت اہمیت کی حامل ہے اور یہ نواب سید محمد صدیق حسن خاں کے قلم سے ”ابقاء المنن بالقاء المحن“ کے عنوان سے لکھی گئی ہے۔ جس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن مولانا محمد خالد سیف اور مرحوم قاری نعیم الحق نعیم کی کاوش سے دار الدعوة السلفية لاہور نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ برصغیر میں مسلک اہل حدیث کے موضوع پر بہت سی تاریخی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، جن میں اکابر و اعظم رجال اہل حدیث کا مناسب تذکرہ موجود ہے۔ ایسی تاریخی کتابوں میں ایک ”تذکرہ علمائے اہل حدیث“ میاں محمد یوسف سجادی لکوٹی نے مرتب کیا ہے، جس کی پہلی جلد میں ۱۳۱ جب کہ دوسری جلد میں ۱۴۷ علمائے اہل حدیث کا تذکرہ خیر موجود ہے۔ اسی سلسلے میں شیخ الکل کی سوانح ”الحیاء بعد الممات“ مولانا عبد المجید سوہدروی کی حافظ عبد المنان وزیر آبادی پر ”استاد پنجاب“ عبد العظیم ماہری کی ”تذکرۃ المشاہیر“ سید ابو بکر غزنوی کی ”داؤد غزنوی“ اختر راہی کی ”مسعود عالم ندوی“ سعید احمد چنیوٹی کی ”شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ ویرو والوی“ عبدالمبین ندوی کی ”مولانا ثناء اللہ امرتسری، مختصر حالات و تفسیری خدمات“ فرزانہ لطیف کی ”مولانا محمد سورتی“ فضل الرحمن بن میاں محمد کی ”حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری“ بدر الزماں محمد شفیع نیپالی کی ”شیخ عبداللہ غزنوی“ اور اسی نوعیت کے بہت سے چھوٹے چھوٹے رسائل بعض شخصیات پر قلم بند کیے گئے ہیں۔ اس پر مستزاد وہ سیکڑوں مضامین و مقالات ہیں جو مختلف اخبارات اور رسائل و جرائد میں اکابر اہل حدیث علماء پر تحریر کیے گئے ہیں۔ پیش نظر ۱۴۷ علمائے اہل حدیث کا تعارف جو ”تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء“ کے عنوان سے مرتب کیا گیا ہے، اسی مذکورہ سلسلۃ الذہب اور سلک الدرر کی ایک کڑی ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ اسی عنوان سے فارسی زبان میں ایک تذکرہ مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی نے بھی لکھا ہے۔

”تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء“ کے مصنف محترم عبدالرشید عراقی تاریخ و تذکرہ کا ایک خاص علمی ذوق رکھتے ہیں۔ ان کا تعلق سوہدرہ کی مردم خیز سرزمین سے ہے، جہاں علم و ادب کے بہت سے روشن ستارے طلوع ہوئے ہیں۔ فکر و تحریک اہل حدیث کے برصغیر

کے باب میں ان کی نگارشات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ برصغیر میں اہل حدیث کی فکری، علمی، تفسیری، حدیثی، تدریسی، روحانی اور سیاسی خدمات کے سلسلے میں انہوں نے قاموسی نوعیت کا کام کیا ہے۔ میرے سامنے ان کی تیس مستقل کتابوں اور ایک سو سے زائد مضامین و مقالات کی تفصیلات موجود ہیں۔ اس علمی و تصنیفی کام کو دیکھتے ہوئے ان کی شخصیت کا علمی قد و قامت بخوبی متعین کیا جاسکتا ہے۔ تاریخ اور سیرت و سوانح ان کا مرکزی مضمون ہے۔ ان موضوعات کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک ایسی علمی قوس قزح کا احساس ہوتا ہے، جس کے بوقلموں اور متنوع رنگوں میں سیرت و سوانح کا رنگ سب سے ممتاز دکھائی دیتا ہے۔ خلاصہ سیرت و سوانح پر دیکھا جائے تو ان کے قلم سے سب سے پہلے ”سیرت ائمہ اربعہ“ ۱۹۸۰ء، ”مولفین صحاح ستہ“ ۱۹۹۳ء، ”امام ابن تیمیہ“ ۱۹۹۸ء، ”دور روشن ستارے“ ۲۰۰۰ء، ”عظمت و رفعت کے مینار“ ۲۰۰۲ء، ”عظمت حدیث“ ۲۰۰۱ء، ”خلفائے راشدین“ ۲۰۰۲ء، ”کاروان حدیث“ ۲۰۰۱ء، ”امام ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ“ ۲۰۰۳ء، ”انجاز الحاجہ“ ۲۰۰۳ء، ”تعارف شمائل ترمذی“ اور ”اہل حدیث کی دعوت“ جیسی تصنیفات و مولفات سامنے آتی ہیں۔ اہل حدیث کی تاریخ اور جماعتی خدمات کے ضمن میں فاضل مصنف نے آٹھ مستقل کتابیں تحریر کی ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

- ۱] ادیان باطلہ کی تردید میں علمائے اہلحدیث کی علمی خدمات..... ۱۹۹۸ء
- ۲] علمائے اہل حدیث کی تفسیری خدمات..... ۲۰۰۰ء
- ۳] برصغیر پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کے علمی کارنامے..... ۲۰۰۱ء
- ۴] اہل حدیث کے چار مراکز..... ۲۰۰۲ء
- ۵] تذکرہ بزرگان علوی سوہدرہ..... ۲۰۰۳ء
- ۶] چالیس علمائے اہل حدیث..... ۲۰۰۳ء
- ۷] حدیث کی نشر و اشاعت میں علمائے اہل حدیث کی خدمات..... ۲۰۰۳ء
- ۸] خاندان ولی اللہی دہلوی کی تصنیفی خدمات..... ۲۰۰۳ء

عبدالرشید عراقی صاحب کی تصنیفات کا ایک دائرہ خلاصہ اکابر علمائے اہل حدیث کی برصغیر

میں علمی، دعوتی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کا احاطہ ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے تخصیص کے ساتھ سات نجوم و جواہر کا انتخاب کیا ہے، جن کی خدمات سے برصغیر کی فضاؤں میں لوائے توحید بڑی شان و شوکت سے لہرا رہا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے رشحات قلم سے پہلی سوغات ”تذکرہ ابوالوفاء“ ہے جو انہوں نے ۱۹۸۴ء میں شائع کی۔ جس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کی شخصیت کے مختلف گوشوں کی نقاب کشائی ہے۔ ۱۹۹۹ء میں ان کے قلم سے دو معرکہ آرا کتابیں منصفہ شہود پر آئیں جن میں سے ایک ”شاہ ولی اللہ محدث دہلوی“ اور دوسری ”ابوالکلام آزاد۔ شخصیت و خدمات“ کے عنوان سے ہے۔

”غزنوی خاندان“ اس خانوادے کی علمی، روحانی، تصنیفی، تدریسی اور سیاسی خدمات کے ضمن میں یہ کتاب ۲۰۰۰ء میں سامنے آئی۔ اسی سال ان کی ایک اور کتاب ”تذکرہ محدث روپڑی“ کے نام سے شائع ہوئی۔ ۲۰۰۱ء میں استاد پنجاب کی خدمات کے سلسلے میں ”تذکرہ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی“ کے عنوان سے ایک عمدہ کتاب لکھی گئی، جبکہ ”مولانا ثناء اللہ امرتسری، علمی و تصنیفی خدمات“ کے موضوع پر انہوں نے مزید ایک کتاب اسی سال تحریر کی۔ ۲۰۰۳ء میں عراقی صاحب نے ”سید سلیمان ندوی“ کے عنوان سے ایک سوانحی تذکرہ لکھا۔ قارئین کے لیے اس صف میں ابوالکلام آزاد اور سید سلیمان ندوی کے اسمائے گرامی، ان کے ذہن میں کوئی اشکال پیدا نہ کریں، ان ہر دو شخصیات کے ہاں تقلید شخصی سے اعراض اور اتباع سنت کا اشتیاق بہت واضح ہے۔ ان کے علمی اور تحقیقی کاموں سے محدثانہ ذوق کا شعور نمایاں جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔

اگر یہ بات کہی جائے کہ جناب عبدالرشید عراقی نے برصغیر کے حوالے سے اکابرین اہل حدیث پر جو سولہ مستقل کتابیں اور بیسیوں مضامین اخبارات و جرائد میں لکھے ہیں، ان سب کا ملخص ان کی اس پیش نظر کتاب میں ایسے ہی سمٹ آیا ہے جیسے کسی آنکھ کی پتلی میں اک آسمان سما جاتا ہے۔ برصغیر میں اہل حدیث کی فکر اور تحریک کے موضوع کا کوئی ایک گوشہ ایسا نہیں ہے، جو اس جامع کتاب ”تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء“ میں سمٹ نہ آیا ہو۔ یوں یہ کتاب عراقی صاحب کے کمال تصنیف کی آئینہ دار ہے۔ ۷۴ علمائے اہلحدیث کے اس جامع تذکرے میں وہ چھیا سٹھ علما بھی شامل

ہیں جنہیں مصنف نے خود دیکھا اور ان سے براہ راست ملاقات کی ہے۔ دیدہ و شنیدہ کی کیفیات کے حامل اس تذکرے میں سلفی خانوادوں، علمی خاندانوں اور معروف سلفی مدارس کے عظیم اساتذہ کے علاوہ بیسیوں مصنفین کی سیکڑوں ایسی کتابوں کے حوالے درج ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمائے اہل حدیث نے مختلف اسلامی علوم و فنون میں کیسے کیسے عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ مصنف کے رواں اور شگفتہ قلم نے اس تذکرے کو ایک زندہ اسلوب میں ڈھال دیا ہے۔ اہل حدیث اکابرین کا یہ تذکار جمیل ایک تاریخ بھی ہے اور تذکرہ بھی، ایک فکر بھی ہے اور تحریک بھی، ایک عقیدہ بھی ہے اور تعامل بھی، ایک دعوت بھی ہے اور عزیمت بھی، ایک مرقع بھی ہے اور نقشِ جادواں بھی۔ جس کا مطالعہ ہر اس فرد کے لیے لازم ہے جو عقائد کی دلدل میں کسی صراطِ مستقیم کا جو یا اور متلاشی ہو۔ اپنے انہی اوصاف کے باعث مجھے یقین ہے کہ اس تصنیف لطیف کا علماء و طلباء اور عامۃ المسلمین میں ان شاء اللہ العزیز خاطر خواہ استقبال ہوگا۔ ”بیت الحکمت“ کے لیے ایسی ایک کتاب کی اشاعت ایک قرض بھی تھا اور فرض بھی۔ برصغیر میں مسلک اہلحدیث کے علمائے کرام کا یہ تذکرہ ایک علمی، تحقیقی اور تاریخی کارنامہ ہے جس کے بغیر برصغیر کی اسلامی اور فکری تحریک کے خدو خال نمایاں نہیں ہو سکتے۔ اس لحاظ سے اس کارنامہ علمی کو ہر سطح پر پذیرائی حاصل ہوگی، جس کے لیے مصنف موصوف کی خدمات لائق تحسین ہیں۔

العبد المذنب

پروفیسر عبدالجبار شاہ

ڈائریکٹر ”بیت الحکمت“

۱۰۹، حبیب پارک، ملتان روڈ، لاہور

۲۸ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ

۱۷ جولائی ۲۰۰۴ء



## نقش آغاز

تاریخ کافن گو اسلام سے پہلے موجود تھا، لیکن اس کی اصلی شان اسلام کے نور سے نمایاں ہوئی۔ مسلمانوں میں خود اس کا آغاز ان کے رسول اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے مجاہدانہ علمی کارناموں سے ہوا۔ روایات پیدا ہوئیں اور ان سے راویوں کا علم وجود میں آیا۔

قرن اول سے لے کر اپنے اقبال کے آخری دور تک مسلمانوں نے اپنی ہر صدی کے ممتاز اکابر رجال کے سیر و اخبار کا ایسا دفتر زمانہ میں یادگار چھوڑا کہ اقوام و ملل ان کی مثال سے عاجز ہیں۔ لیکن برصغیر (پاک و ہند) کے اس دفتر میں بہت مدت تک ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ میں ملا عبدالقادر بدایونی نے اور جہانگیر کے عہد میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے علمائے کرام اور مشاہیر کے حالات قلمبند کیے۔ بدایونی نے ”منتخب التواریخ“ لکھی اور محدث دہلوی نے ”اخبار الاخیار“ میں علمائے کرام کے حالات جمع کیے۔ اس کے بعد علامہ آزاد بلگرامی نے اس کی طرف توجہ کی اور ”ماثر الکرام“ لکھ کر برصغیر کی اسلامی و علمی تاریخ کی آبرورکھ لی۔ ان کے بعد دو اور قابل قدر ہستیاں وجود میں آئیں، جنہوں نے اس میدان میں کافی حد تک نمایاں خدمت کی، ان میں مولانا عبدالحق فرنگی محلی اور محی السنۃ امیر الملک والا جاہی مولانا سید نواب صدیق حسن خاں قنوجی کے نام نمایاں ہیں۔

مولانا عبدالحق فرنگی محلی مرحوم نے ”طرب الامثال“ لکھی اور نواب صدیق حسن خاں نے ”اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء والمحدثین، ابجد العلوم، تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار اور التاج المکمل من جواہر مآثر



طراز الآخر والاؤل“ وغیرہ لکھیں۔ اور ان سب کے بعد مولانا حکیم سید عبدالرحی الحسنی نے ”نزہتہ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر“ لکھی۔ جس میں برصغیر کے پہلی صدی سے لے کر چودھویں صدی ہونے تک کے ۲۵۰۰ مشاہیر کے حالات قلمبند کیے۔

برصغیر (پاک و ہند) کے علمائے اہل حدیث کے حالات و سوانح میں مولوی ابویحییٰ امام خان نوشہروی نے ”تراجم علمائے حدیث ہند“ کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی جس کی پہلی جلد ۱۹۳۸ء/۱۳۵۶ھ میں شائع ہوئی اور دوسری جلد تیار تھی لیکن شائع نہ ہو سکی۔ اس کا مسودہ جناب ضیاء اللہ کھوکھر صاحب (گوجرانوالہ) کے پاس موجود ہے۔ علاوہ ازیں مولانا عبدالرحیم صادق پوری نے علمائے صادق پور (پٹنہ) کے حالات میں ”تذکرہ صادقہ معروف بہ الدرالمشور فی تراجم علمائے صادق پور“ لکھی۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۲۲ء/۱۳۴۲ھ میں شائع ہوئی۔ ایک اور کتاب ”تذکرۃ المشاہیر“ کے نام سے مولانا عبدالعلیم ماہر نے لکھی۔ جس میں ۲۵ باکمال و ممتاز علماء اہل حدیث کے حالات کا تذکرہ ہے۔

تذکرہ علمائے اہل حدیث کے حالات میں میاں محمد یوسف سجاد سیالکوٹی نے شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز کی تحریک پر دو جلدیں مرتب کر کے شائع کی ہیں۔ جس کی پہلی جلد میں ۱۴۱ علماء کے حالات ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی اور دوسری جلد میں ۱۴۷ علماء کا تذکرہ ہے جو ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔

راقم آثم نے چالیس علمائے اہل حدیث کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جس میں جلیل القدر علمائے اہل حدیث کے حالات اور ان کی علمی خدمات کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب نعمانی کتب خانہ لاہور نے شائع کر دی ہے۔

زیر نظر کتاب ”تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء“ میں راقم نے ۱۷۴ جلیل القدر علماء کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ مگر اس کتاب کی حیثیت منفرد اور انداز جدا ہے۔ اس میں پہلے ان علماء کا ذکر کیا ہے جو دین اسلام کی اشاعت اور تدریس میں مصروف عمل رہے۔ مثلاً خاندان شاہ ولی اللہ دہلوی، خاندان غزنویہ امرتسر، لکھوی خاندان اور اس کے علاوہ ان علماء کا

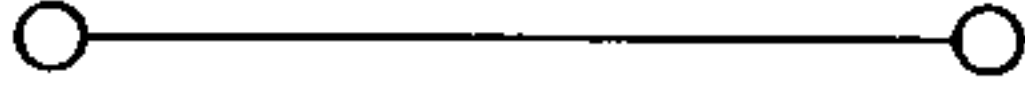
تذکرہ ہے جنہوں نے صرف ایک دو پشت سے دین اسلام کی اشاعت اور توحید و سنت کی ترقی و ترویج میں نمایاں خدمات انجام دیں مثلاً مولانا عبدالسلام مبارکپوری اور ان کے صاحبزادگان مولانا عبید اللہ رحمانی و مولانا عبید الرحمن مبارکپوری، مولانا محمد اسماعیل سلفی اور ان کے صاحبزادے مولانا حکیم محمود سلفی، مولانا حافظ عبدالغفور جہلمی اور ان کے صاحبزادگان مولانا محمد مدنی اور مولانا حافظ عبدالحمید عامر وغیرہم۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں ایسے جلیل القدر علماء کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جو دو یا تین بھائی تھے اور سب ہی عالم دین تھے۔ ان علمائے کرام نے تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ مثلاً درس و تدریس میں مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی اور ان کے بھائی مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی اور مولانا فقیر اللہ مدرسی اور ان کے بھائی مولانا عبدالرحمن شاہ پوری، تصنیف و تالیف میں مولانا شاہ محبت اللہ راشدی اور ان کے بھائی سید بدیع الدین راشدی اور علامہ احسان الہی ظہیر اور ان کے برادر خورد ڈاکٹر فضل الہی، وعظ و تبلیغ میں مولانا عبدالاحد خان پوری اور ان کے برادران مولانا قاضی ابو عبداللہ اور مولانا یوسف حسین خانپوری اور مولانا حکیم عبدالرحمن راسخ اور ان کے برادران مولانا حافظ عبدالستار حامد و مولانا سلیمان اثری وغیرہم۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے مزید دین اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق بخشے اور اس خدمت کو درجہ قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

عبدالرشید عراقی  
سودرہ، ضلع گوجرانوالہ

یکم جون ۲۰۰۲ء

## خاندان ولی اللہی دہلوی



شاه ولی اللہ	۲	شاه عبدالرحیم	۱
شاه رفیع الدین	۳	شاه عبدالعزیز	۳
شاه اسماعیل شہید	۶	شاه عبدالقادر	۵
		شاه محمد عمر بن شاه اسماعیل شہید	۷



## شاہ عبدالرحیمؒ

حضرت شاہ عبدالرحیم بن شیخ وجیہہ الدین حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے والد تھے۔ ۱۰۵۲ھ مطابق ۱۶۴۲ء قصبہ پھلت ضلع مظفرنگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر اپنے والد شیخ وجیہہ الدین سے حاصل کی۔ اپنے برادر بزرگ شیخ ابوالرضا محمد سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے بعد آپ خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادہ خواجہ خرد سے ظاہری و باطنی دونوں علوم میں اکتساب فیض کیا۔ خواجہ خرد کو آپ سے بہت تعلق خاطر تھا۔ اور اُستاد ہونے کے باوجود شاہ عبدالرحیم کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور یہ احترام اس وجہ سے تھا کہ خواجہ خرد شاہ عبدالرحیم کے نانا شیخ رفیع الدین کے شاگرد تھے۔

فراغت تعلیم کے بعد شاہ عبدالرحیم نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ دہلی میں مہندیوں کے محلے میں ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۶۰ء میں ”مدرسہ رحیمیہ“ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ میں آپ اپنی زندگی کے آخری ایام تک قرآن و حدیث کا درس دیتے رہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم نے ۷۷ سال کی عمر میں ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۸ء دہلی میں انتقال کیا۔ علم و فضل کے اعتبار سے شاہ عبدالرحیم جامع الکمالات تھے۔ بڑے سمجھ دار، صاحب فہم و بصیرت، بلند پایہ عالم دین اور صوفی تھے۔ شاہ ولی اللہ کی علمی ترقیوں اور طبعی نشوونما میں ان کی تربیت اور تعلیم کا بڑا دخل تھا۔ آپ ایک کامل صوفی تھے۔ اور انہیں خدا رسیدہ بزرگوں کی تلاش رہتی تھی۔ اور ان کی صحبت میں وہ بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ:

”حضرت شاہ عبدالرحیم فضائل حمیدہ اور اخلاق ستودہ کے جامع تھے۔ شجاعت و فراست اور غیرت ان میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ عقل معاد کی طرح عقل معاش بھی کامل اور وافر طور پر رکھتے تھے۔ ہر معاملہ میں توسط اور اعتدال کو پسند کرتے تھے۔ زہد و عبادت میں بھی بے نظیر اور بے مثل تھے۔“

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ:

”حضرت شاہ عبدالرحیم میں اپنی خاندانی روایت کے مطابق اور پدر بزرگوار شہید (شیخ وجیہ الدین) کی وراثت میں مجاہدانہ جذبات اور حمیت اسلامی پورے طور پر موجود تھے۔ اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کے خاندان والا شان میں نسلان بن نسل جہاد و عزیمت کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے پایا تھا۔ غیرت و شجاعت ان کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی۔“

حضرت شاہ عبدالرحیم میں سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ بہت زیادہ اعتدال پسند تھے۔ اور یہ خصوصیت ان کو اپنے خاندان میں ممتاز کرتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ:

”والد صاحب کا عمل اکثر امور میں مذہب حنفی کے موافق تھا۔ لیکن بعض مسائل میں حدیث کے مطابق یا اپنے وجدان سے کسی دوسرے مذہب فقہی کو بھی ترجیح دیتے تھے۔ ان تفردات یا استثنادات میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا، جنازہ میں بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا تھا۔“

حضرت شاہ عبدالرحیم علوم ظاہری اور فقہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ فقہ کی کتاب ”فتاویٰ عالمگیری“ کی تصحیح میں بھی کچھ عرصہ کے لیے شریک کارر ہے۔ آپ کی اگرچہ کوئی اہم تصنیف نہیں (سوائے ایک رسالہ کے) ان کی شہرت زیادہ تر ان کے لائق فرزند (شاہ ولی اللہ) کے ذریعہ سے ہے۔



## شاہ ولی اللہ دہلوی

شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم ۲ شوال ۱۱۱۲ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء اپنے ننھیال قصبہ پھلت ضلع مظفرنگر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شاہ عبدالرحیم بڑے بلند پایہ عالم، سمجھ دار اور صاحب فہم صوفی تھے۔ فضائل حمیدہ اور اخلاق ستودہ کے جامع تھے۔ مجاہدانہ جذبات، شجاعت و فراست اور دینی غیرت و حمیت ان میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ مغل بادشاہ فرخ سیر کے عہد میں ۷۷ سال کی عمر میں ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۸۱۸ء میں وفات پائی۔

شاہ ولی اللہ کی تعلیم کا آغاز ۵ سال کی عمر میں ہوا۔ سب سے پہلے قرآن مجید پڑھا اور دو سال میں قرآن مجید ختم کیا۔ اس کے بعد دوسرے علوم اسلامیہ کی ابتداء اپنے والد محترم شاہ عبدالرحیم سے کی۔

خود کہتے ہیں کہ:

”ہم نے علوم ظاہرہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، نحو، صرف، علم الکلام، اصول اور منطق کی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی، اللہ ان سے راضی ہو۔  
قرآن مجید اور حدیث میں شیخ محمد افضل سیالکوٹی (م ۱۱۲۶ھ) سے استفادہ کیا۔  
۱۱۲۳ھ میں شاہ ولی اللہ حج بیت اللہ کے لیے حجاز روانہ ہوئے۔ اور ۱۱۲۵ھ میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو کر بخیر و عافیت واپس دہلی تشریف لائے۔ حرمین شریفین کے ۲ سال کے قیام میں شاہ ولی اللہ نے مختلف مشائخ حرمین شریفین سے حدیث میں استفادہ کیا۔  
اور سب سے زیادہ آپ نے علامہ شیخ ابوطاہر کردی (م ۱۱۲۵ھ) سے اکتساب فیض کیا۔  
حرمین شریفین سے واپسی کے بعد شاہ ولی اللہ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ دہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور آپ نے زیادہ توجہ حدیث نبوی ﷺ کی طرف دی اور اپنے انتقال ۱۱۷۶ھ تک آپ تدریس فرماتے رہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے حرمین سے واپسی کے وقت اپنے شیخ علامہ ابوطاہر کردی سے

وعدہ فرمایا تھا کہ میں اب ان شاء اللہ اپنے ملک واپس جا کر صرف علم حدیث کی تدریس کی طرف توجہ دوں گا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

میرے والد گرامی نے مدینہ سے رخصت ہوتے وقت اپنے استاد سے عرض کیا کہ میں نے جو کچھ پڑھا وہ فراموش کر دیا ہے۔ صرف ایک علم اپنے پاس رکھا ہے، اور وہ علم دین یعنی حدیث۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تجدید و احیائے دین اور اصلاح امت کی طرف بھی توجہ کی۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے جو ذرائع اختیار کیے وہ حسب ذیل تھے:

❖ اصلاح عقائد و دعوت القرآن۔

❖ حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت و سعی۔

❖ شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی اور اسرار و مقاصد حدیث و سنت کی نقاب کشائی۔

❖ اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافت راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات اور شیعیت کی تردید۔

❖ سیاسی انتشار اور مغلیہ حکومت کے دورِ احتضار میں مجاہدانہ اور قائدانہ کردار۔

❖ امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوتِ اصلاح و انقلاب۔

❖ علمائے راسخین اور ایسے مردانِ کار کی تعلیم و تربیت جو ان کے بعد اصلاحِ امت اور اشاعتِ دین کا کام جاری رکھیں۔

مندرجہ بالا سات ذرائع حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اختیار کیے، اور ان ذرائع کی روشنی میں جو کارنامے انجام دیے، اس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

❖ اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن کے سلسلہ میں آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ فارسی بنام ”فتح الرحمن فی تراجم القرآن“ کیا۔ اور دعوت الی القرآن اور خواص اہل علم

کے حلقہ میں تدبر قرآن کی صلاحیت پیدا کرنے اور اس کے ذریعہ سے امت کی اصلاح کا جذبہ پیدا کرنے کے سلسلہ میں ان کا تجزیہ و انقلابی کارنامہ اصول تفسیر میں ”الفوز الکبیر“ کی تصنیف ہے۔

❦ حدیث کی ترویج و اشاعت اور اس کے احیاء کے سلسلہ میں شاہ ولی اللہ نے جو عظیم کارنامہ انجام دیا وہ ان کے صحیفہ زندگی کا ایک روشن باب ہے۔

❦ آپ نے حدیث کی اول الکتب ”مؤطا امام مالک“ کی دو شرحیں بنام ”المسوی“ (عربی) اور ”المصفی“ (فارسی) لکھیں۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شرح (عربی میں) لکھی۔

شاہ ولی اللہ کی پوری زندگی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ حدیث شریف کی تشریح و توضیح، تدریس و تعلیم اور اشاعت و تفہیم میں مصروف رہے۔

فقہ و حدیث میں تطبیق کے سلسلہ میں شاہ ولی اللہ نے ”الانصاف فی بیان سبب الاختلاف“ (عربی) کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ جس کے بارے میں شیخ محمد اکرام مرحوم لکھتے ہیں:

”اس کتاب کو اگر تاریخ فقہ و علم الحدیث کہا جائے تو بجا ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت یہ کتاب عہد سعادت سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک فقہ کی تدوین، کتب حدیث کی فراہمی اور مختلف مذاہب فقہی کے آغاز کی ایک نہایت دلچسپ منصفانہ اور پراز معلومات تاریخ ہے۔“

”الانصاف فی بیان سبب الاختلاف“ کے علاوہ فقہ و حدیث میں تطبیق کے سلسلہ میں ایک دوسری کتاب ”عقید الجید فی احکام الاجتہاد و التقليد“ (عربی میں) لکھی۔ علاوہ ازیں اپنی مایہ ناز کتاب ”حجة الله البالغة“ کے ساتویں بحث (صفحہ ۱۲۸ تا ۱۵۴) میں بڑی عمدہ بحث فرمائی ہے۔

شاہ ولی اللہ نے فقہ و حدیث کے تقابلیں میں ہمیشہ حدیث نبوی کو اولیت کا درجہ دیا،



چنانچہ وصیت نامہ میں لکھتے ہیں کہ:

”مسائل فروعی میں ایسے علماء و محدثین کی پیروی کرنی چاہیے جو فقہ و حدیث کے دونوں عالم ہوں۔ مسائل فقہیہ کو کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے ملانا چاہیے۔ اور امت کے قیاسی مسائل کا کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقابل کرتے رہنا ضروری ہے۔ اس سے کبھی بے نیازی نہیں ہو سکتی۔“

\* شریعت اسلامی کی ترجمانی میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی سعی و کاوش قدر کے قابل ہے۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے ”حجة اللہ البالغہ“ جیسی عمدہ اور بینظیر کتاب تصنیف فرمائی۔

اس کتاب کے بارے میں علامہ سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

”حجة اللہ البالغہ“ علم اسرار حدیث کی کتاب ہے۔“

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

”اس میں بتایا گیا ہے کہ مذہب اسلام کے جو عقائد یا احکام ہیں ان میں کیا مصلحتیں ہیں۔“

مولوی ابویحییٰ امام خاں نوشہروی لکھتے ہیں:

”حجة اللہ البالغہ“ اسرار شریعت کی کتاب ہے۔ اس میں حکمت، تشریح،

حدیث، فقہ، تصوف، اخلاق، فلسفہ، جملہ علوم موجود ہیں۔“

حضرت شاہ ولی اللہ نے حجة اللہ البالغہ میں عقائد سے لے کر عبادات، معاملات، احسان و تزکیہ، مقامات و احوال، کسب معیشت کے طریق تبرع و تعاون، تدبیر منزل، قضا و جہاد، آداب طعام، آداب صحبت، معاشرت اور آخر میں حوادث مابعد علامات قیامت کی احادیث سے بحث کی ہے۔

جہاد کے بارے میں مکمل ترین شریعت اور کامل ترین قانون وہ شریعت ہے جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

✽ اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافت راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات اور شیعیت کی تردید۔

اس ذریعہ سے متعلق شاہ ولی اللہ دہلوی نے ”ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء“ (فارسی) لکھی۔ اس کتاب میں آپ نے خلافت راشدہ کی تاریخ و توثیق اور شیعیت کی تردید کی ہے۔ یہ کتاب خلافت راشدہ کے متعلق، حدیث، تفسیر، تاریخ، استخراج مسائل اور اخذ و استنباط کا بہترین مرجع ہے۔

شاہ ولی اللہ اس کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ:

”خلفائے راشدین کی خلافت کا اثبات اصول دین میں سے ایک اصل عظیم ہے۔ جب تک اس اصل کو پوری مضبوطی کے ساتھ تسلیم نہیں کیا جائے گا، شریعت کے مسائل میں سے کسی مسئلہ کو استحکام حاصل نہیں ہوگا۔“

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کتاب کی تالیف کا پس منظر یہ بیان فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں تشیع کی بدعت شیوع ہوا۔ عوام کی طبیعتیں ان کے پیدا کیے ہوئے شبہات سے گہرے طریقہ پر متاثر ہوئیں۔ اس علاقہ کے اکثر باشندوں کے دل میں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ثبوت خلافت کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔

علمائے اسلام نے اس کتاب کی بہت تعریف و توصیف کی ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس کتاب کو بے نظیر اور عدیم المثال قرار دیا ہے۔

مولانا رحیم بخش دہلوی مرحوم لکھتے ہیں:

”یہ ایک مضبوط کتاب ہے۔ جس میں خلفائے اربعہ کی خلافت کے متعلق محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل اجل مصنف کو حدیث و تفسیر اور تواریخ پر کس قدر عبور اور استخراج مسائل میں کتنا تبحر تھا۔ جامعیت روایات کے لحاظ سے ایک عجیب و غریب اور نہایت ہی بے مثال

کتاب ہے۔“

اس کتاب کی ایک خصوصیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مذہب، ان کے فتاویٰ اور دینی احکام پر وہ مفصل مواد ہے جس کو اس میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اور جس سے ایک پوری فقہ فاروقی سامنے آگئی ہے۔  
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

”فقہ فاروقی کو یگانہ حیثیت سے پیش کرنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادات اور فتاویٰ کو جمع کرنے کا شاید یہ پہلا مبارک قدم تھا۔ جس کو شاہ صاحب نے دسری اولیات کے ساتھ انجام دیا۔ اس موضوع پر کوئی جامع منفرد کتاب اب تک تصنیف نہیں ہوئی۔“

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۷۶۲ء کو ۶۳ سال کی عمر میں دہلی میں انتقال کیا۔ اور قبرستان مہندیاں میں دفن ہوئے۔  
حضرت شاہ ولی اللہ علوم اسلامیہ کے بحر ذخار تھے۔ آپ بیک وقت مفسر بھی تھے اور محدث بھی، فقیہ بھی تھے اور مجتہد بھی، متکلم بھی تھے اور معلم بھی، مؤرخ بھی تھے اور صوفی بھی۔ آپ نے تمام علوم اسلامیہ کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ دین اسلام کی گرنقدر خدمت کی، ان کی مجتہدانہ تحقیقات عالیہ اور ہمدردانہ کارناموں کی وجہ سے اہل علم و قلم نے انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔  
نواب سید صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

”حقیقت یہ ہے کہ ان کا وجود گرامی دورِ اول اور زمانہ ماضی میں ہوتا تو انہیں امام الائمہ اور تاج المجتہدین شمار کیا جاتا۔“

سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

”شاہ صاحب (ولی اللہ) کا وجود اس عہد میں ہند کے لیے ایک موہبت عظمیٰ اور عطیہ کبریٰ تھا۔“

مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی لکھتے ہیں:

”آپ بلا نزاع ۱۲ویں صدی کے مجدد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن فہمی میں ان کو خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ آپ کی تصانیف سے ہندوستان کی علمی دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا۔“

### تصانیف:

شاہ ولی اللہ دہلوی نے مختلف موضوعات پر عربی اور فارسی میں متعدد کتابیں لکھیں۔ جن میں بے شمار دست برد زمانہ کی نذر ہو گئیں اور جو محفوظ رہ گئیں وہ ڈاکٹر ثریا ڈار صاحبہ کی تحقیق کے مطابق تعداد میں ۵۱ ہیں۔

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

- (۱) فتح الرحمن فی تراجم القرآن (فارسی)، (۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (فارسی) (۳) فتح الخیر (عربی)، (۴) المسوی من احادیث المؤطا (عربی)، (۵) المصفی (فارسی)، (۶) تراجم البخاری (عربی)، (۷) العقیدہ الحسنہ (عربی)، (۸) عقد المجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (عربی)، (۹) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (عربی)، (۱۰) القول الجمیل (عربی)، (۱۱) البدور البازغہ (عربی)، (۱۲) حجة اللہ البالغہ (عربی)، (۱۳) انفاس العارفين (فارسی)، (۱۴) الجزء اللطيف، (۱۵) وصیت نامہ (فارسی)، (۱۶) الخیر الكثير (عربی)



## شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ ۱۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۷۴۶ء دہلی میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام غلام حلیم (۱۱۵۹ء) تھا۔

تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے ۵ سال کی عمر میں ہوا۔ آپ نے سب سے پہلے علوم متداولہ کی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ سے حاصل کی۔ اور ۱۵ سال کی عمر میں آپ نے تمام علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔

۱۶ سال کے تھے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ تو آپ نے خواجہ محمد امین کشمیری (م ۱۱۸۷ء) اور عظیم محدث مولانا شاہ محمد عاشق پھلتی (م ۱۱۸۰ء) کے حلقہ تلمذ میں شامل ہوئے، اور ان سے استفادہ کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد اپنے آبائی مدرسہ رحیمیہ دہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور متواتر ۶۰ سال تک آپ قرآن و حدیث اور دوسرے علوم کی تدریس فرماتے رہے۔ اور علم حدیث جسے شاہ ولی اللہ نے از سر نو بر صغیر میں رائج کیا تھا اس کا فیض ملک میں عام کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ جس شخص نے ۶۰ سال تک تدریس فرمائی ہو اس کے تلامذہ کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں آپ کے چند ان مشہور تلامذہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو اپنے علم و عمل، تقویٰ و طہارت اور حفظ و ضبط میں بلند مرتبہ تھے یعنی آپ کے برادران خورد شاہ رفیع الدین (م ۱۲۳۳ھ)، شاہ عبدالقادر (م ۱۲۳۰ھ)، شاہ عبدالغنی (م ۱۲۲۷ھ)، شاہ محمد یعقوب (م ۱۲۸۳ھ)، مفتی صدر الدین آزر دہلوی (م ۱۲۸۵ھ) مولوی فضل حق خیر آبادی (۱۲۷۸ھ) حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی (ش ۲۲ یقعدہ ۱۲۳۶ھ)، مولانا عبدالحی بڈہانوی (م ۱۲۳۲ھ) مولانا عبدالحق دہلوی (م

۱۲۶۱ھ) مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ)، مولانا مرزا حسن علی صغیر محدث  
(۱۲۵۵ھ)، مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی (م ۱۳۱۳ھ) اور مولانا خرم علی بلہوری (م  
۱۲۶۰ھ)

شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے زمانہ میں مرجع علماء و مشائخ تھے۔ تمام علوم اسلامیہ میں کامل  
دستگاہ تھی۔ علوم عقلیہ نقلیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ مباحثہ اور مناظرہ میں ان کا کوئی ثانی نہیں  
تھا۔ علم تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں شہرہ آفاق تھے۔ بلاشبہ آپ میدان علم و فضل کے  
شہسوار تھے۔ بڑے زندہ دل اور حاضر جواب تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز ۸۰ سال کی عمر میں ۱۲۳۹ھ وفات پائی، آپ کے  
نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اپنے والد ماجد حضرت شاہ  
ولی اللہ دہلوی کے پہلو میں قبرستان مہندیاں میں دفن ہوئے۔

حکیم مومن خاں مومن نے آپ کا پرورد مرثیہ لکھا۔ جس کے آخری شعر سے آپ  
کی تاریخ وفات نکلتی ہے:

دست بیداد اجل سے بے سرو پا ہو گئے  
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

آپ کی اولاد زینہ نہ تھی۔ تین صاحبزادیاں تھیں۔ ان میں ایک مولانا عبداللہ بڈھانوی  
کے نکاح میں تھی، دوسری صاحبزادی کا عقد شاہ رفیع الدین کے بیٹے مولوی محمد عیسیٰ سے ہوا۔  
اور تیسری صاحبزادی شیخ محمد افضل فاروقی کے نکاح میں تھی۔ ان سے دو بیٹے مولانا شاہ محمد  
اسحاق اور مولانا شاہ محمد یعقوب پیدا ہوئے۔

### تصانیف:

حضرت شاہ عبدالعزیز کی تصانیف کی تعداد اٹھارہ (۱۸) ہے جو عربی، فارسی اور اردو  
میں ہیں۔ مشہور تصانیف یہ ہیں:

(۱) تفسیر فتح العزیز المعروف تفسیر عزیز (فارسی)، (۲) بستان

المحدثین (فارسی)، (۳) عجالہ نافعہ (فارسی)، (۴) سر الشہادتین (عربی)،  
 (۵) تقریر دلپذیر فی شرح عدیم النظیر (فارسی) اس کا موضوع ارکان خمسہ ہے  
 اس کا اردو ترجمہ قاضی فہیم الدین میرٹھی کے قلم سے ۱۳۲۶ھ میں افضل المطابع دہلی سے شائع  
 ہوا تھا۔ (۶) تحفہ الناء عشریہ (فارسی) شیعیت کی تردید میں لاجواب کتاب ہے۔  
 بقول شیخ محمد اکرام مرحوم یہ کتاب شیعہ سنی مسائل کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے۔



## شاہ رفیع الدین دہلویؒ

شاہ رفیع الدین دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے دوسرے بیٹے تھے۔ اور حضرت  
 شاہ عبدالعزیز سے چھوٹے تھے۔ علم و فضل، تقویٰ و طہارت، زہد و ورع اور حفظ و ضبط میں بلند  
 مرتبہ تھے۔ ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۷۴۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جملہ علوم اسلامیہ کی  
 تعلیم اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور برادر بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی  
 سے حاصل کی۔ اور اپنے ماموں شاہ محمد عاشق پھلتی سے بھی استفادہ کیا۔

۲۸ سال کی عمر میں جملہ علوم اسلامیہ سے فراغت پائی اور اپنے آبائی مدرسہ رحیمیہ دہلی  
 میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے ایک مکتوب بنام شاہ  
 ابوسعید مجددی رائے بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

”رفیع الدین بفضل الہی تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے ہیں، ایک مجلس میں علاوہ  
 فقراء کے سامنے ان کے دستار تبرک باندھی گئی اور درس کی اجازت دی گئی۔ الحمد  
 للہ بہت سے طالبان ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔“

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی آخری عمر میں بوجہ کمر سنی تعلیم و تعلم کے متحمل نہ رہے، تو  
 مدرسہ رحیمیہ کا انتظام و انصرام ان کے سپرد کر دیا گیا۔ شاہ رفیع الدین نے ۵۰ سال تک

تدریس فرمائی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست معلوم نہیں۔ تاہم بقول صاحب تراجم علمائے حدیث ہند شاہ احمد سعید مجددی، شاہ عبدالغنی مجددی، شاہ محمد اسحاق، مولانا محمد شکور مچھلی شہری اور سید محمد بخش عرف تربیت خاں ان کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

شاہ رفیع الدین علم و فضل کے اعتبار سے بلند مرتبہ تھے۔ آپ جامع الکمالات تھے۔ علم ریاضی میں خاص درک حاصل تھا۔ بہت زیادہ عبادت و ریاضت کرنے والے تھے۔ بڑے سنجیدہ، متین، رحم دل، انصاف پسند، راست باز، حلیم و بردبار اور جو دو سخا کی صفات سے متصف تھے۔

شاہ رفیع الدین نے ۶ شوال ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۸۱۸ء میں ۷۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

ڈاکٹر ثریا ڈار صاحبہ نے ان کی تصانیف کی تعداد ۳۷ بتائی ہے۔ مگر ان کا ترجمہ قرآن مجید (اردو) ”تحت اللفظ“ زیادہ مشہور ہے۔



## شاہ عبدالقادر دہلویؒ

شاہ عبدالقادر دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ کے تیسرے فرزند تھے۔ ۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہ سے کیا۔ لیکن ۱۰ سال کے تھے کہ شاہ ولی اللہ نے انتقال کیا۔ اس لیے آپ نے جملہ علوم اسلامیہ کی تحصیل حضرت شاہ عبدالعزیز اور اپنے ماموں شیخ محمد عاشق پھلتی سے کی۔ فراغت تعلیم کے بعد مسجد اکبر آبادی میں درس و تدریس اور وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اپنی ساری زندگی مسجد کے حجرے میں بسر کر دی۔ درس و تدریس کے بعد جو وقت ملتا، وہ عبادت و ریاضت میں بسر کرتے۔

شاہ عبدالقادر عالم فاضل، عامل کامل، محدث، مفسر، فقیہ، واعظ، متقی، زاہد و عابد،



پر بیز کار، منکسر المزاج، خلیق، متواضع، ثابت و ضابط، عادل، ثقہ، صاحب امانت و دیانت اور صاحب کمالات و کرامات تھے۔ ان کے تلامذہ میں مفتی صدر الدین آزر دہلوی اور مولوی فضل خیر آبادی سرفہرست ہیں۔

شاہ عبدالقادر نے ۱۹ رجب ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ء معمولی علالت کے بعد انتقال کیا۔ تصنیف میں قرآن مجید کے با محاورہ اردو ترجمہ بمعہ تفسیر موضح القرآن ہے جس کے بارے میں مولانا رحیم بخش دہلوی لکھتے ہیں کہ:

”اگر اردو زبان میں قرآن مجید نازل ہوتا تو انہیں محاورات کے لباس میں آراستہ ہوتا۔ جن کی اعانت مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی نے اس ترجمہ میں پیش نظر رکھی ہے۔“

مولانا سید عبدالحی نے آپ کی ایک اور تصنیف ”رسالہ تقریر الصلوٰۃ“ کا بھی ذکر کیا ہے۔



## شاہ عبدالغنی دہلوی

شاہ عبدالغنی حضرت شاہ ولی اللہ کے چوتھے فرزند تھے۔ ۱۱۷۰ھ مطابق ۱۷۵۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۷ سال کے تھے کہ شاہ ولی اللہ نے رحلت فرمائی۔ تعلیم کا آغاز شاہ ولی اللہ سے کیا تھا۔ لیکن جملہ علوم کی تکمیل اپنے برادران حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین سے کی۔ فراغت تعلیم کے بعد اپنے آبائی مدرسہ رحیمیہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ انہوں نے آپ سے حدیث پڑھی تھی۔

شاہ عبدالغنی تفسیر و حدیث میں یکتائے روزگار تھے۔ درویشانہ زندگی کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ ظاہری و باطنی فیوض میں شہرت عام رکھتے تھے اور کتاب و سنت کی تعلیم میں بہت دلچسپی

لیتے تھے۔

علمی کمالات کے علاوہ اخلاق عامہ میں بلند مرتبہ تھے۔ توکل و قناعت جیسے اوصاف سے متصف تھے۔

اولاد میں ایک صاحبزادہ مولانا شاہ اسماعیل شہید چھوڑا۔ جنہوں نے چار دانگ عالم میں شہرت پائی۔

شاہ عبدالغنی نے ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء بھمر ۵ سال دہلی میں وفات پائی۔

شاہ ولی اللہ کی اولاد میں شاہ عبدالعزیز دہلوی سب سے بڑے تھے اور دوسرے نمبر پر شاہ رفیع الدین، تیسرے نمبر پر شاہ عبدالقادر اور چوتھے نمبر پر شاہ عبدالغنی تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں:

”ہم چار بھائیوں کی وفات کی ترتیب یہ ہے:

سب سے پہلے مولوی عبدالغنی جو سب سے چھوٹے تھے، ان کے بعد مولوی عبدالقادر اور ان کے بعد مولوی رفیع الدین جو ان سے بڑے تھے۔ حالانکہ سب سے بڑا میں ہوں اور میری باری تھی۔“



## شاہ اسماعیل شہید دہلویؒ

خلافت راشدہ کے بعد اسلام نے حقیقی اسلامی نمونے کے بہت کم مسلمان پیدا کیے اور مولانا شاہ اسماعیل جیسے راسخ العقیدہ مسلمان تو اس سے بھی کم پیدا ہوئے ہیں اور جب ہم ۱۹ویں صدی کے پہلے حصہ کے مسلمانوں کی صورت حال پر غور کرتے ہیں تو ہمیں حیرانی ہوتی ہے کہ اس قوم میں ایسی بلند و بالا شخصیات نے جنم لیا جو اپنے علم و فضل کے اعتبار سے اتنی اعلیٰ و ارفع تھیں کہ انہوں نے اپنے وقت میں اپنے مذہبی جوش سے کام لے کر عوام کو مسحور کر دیا اور

انہیں جہالت کے گڑھے سے نکال دیا۔ جن میں وہ مدت سے پڑے ہوئے تھے۔

تحریک احیائے اسلام میں جو کارہائے نمایاں خاندان ولی اللہ نے سرانجام دیے، اس کی مثال برصغیر کی اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس خاندان کا ہر فرد اصلاح و تجدید کے اُفتخ پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا۔

مولانا شاہ اسمعیل بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ دہلوی کا شمار ائمہ دین اور بلند پایہ محدثین میں ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے برصغیر میں کتاب و سنت کے احیاء، توحید اور شرک و بدعت اور محدثات و بدعات کو جڑے سے اکھاڑنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا۔ مولانا شاہ اسمعیل شہید دہلوی نے اس کو آگے بڑھانے کا عزم کیا اور وہ اپنی اس سعی و کوشش میں کامیاب و کامران ہوئے۔

### ولادت:

مولانا شاہ اسمعیل ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ بمطابق ۱۲ اپریل ۱۷۷۹ء قصبہ پھلت ضلع مظفرنگر میں پیدا ہوئے تھے۔

مولانا شاہ اسمعیل کی عمر ۶ سال کی تھی کہ آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ۸ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد صرف و نحو اور فقہ و معقول کی کتابیں اپنے والد مولانا شاہ عبدالغنی سے پڑھیں۔ جب آپ کی عمر ۱۰ سال کی ہوئی تو مولانا شاہ عبدالغنی انتقال کر گئے۔ اس کے بعد آپ کی تعلیم و تربیت کا بیڑا آپ کے چچاؤں مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی اور مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہم اللہ اجمعین نے اٹھایا۔ چنانچہ آپ نے تمام علوم اسلامیہ کی تکمیل ان سے کی۔

### تدریس:

مولانا شاہ محمد اسمعیل شہید دہلوی نے جب علوم اسلامیہ کی تکمیل کر لی تو اپنے جد امجد کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ میں تدریس شروع کی۔ مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے آپ ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ مدرسہ رحیمیہ میں مسند تدریس کو زینت بخشی۔

مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی لکھتے ہیں:

”آپ نے اپنے آبائی دارالتعلیم مدرسہ رحیمیہ کی مسند پر متمکن ہونے کے ساتھ ہی قرآن و حدیث کی تدریس شروع فرمادی۔ نصاب میں من جملہ کتب مروجہ علوم و فنون کے ایک جامع النصاب کتاب (کہ اس وقت کے مکاتب میں اس کا وجود نہ تھا) یعنی قرآن مجید گلے میں آویزاں کر کے شہر کے ہر کوچہ و بازار اور مدرسہ رحیمیہ کے ملحقہ مدارس میں درس کا آغاز کیا۔ موسم برسات میں یہ مدرسہ دریائے جمنا پر منتقل ہو جاتا ہے کہ سیدنا اسمعیل دریا میں پیرا کی کی مشق فرما رہے ہیں اور طلباء کو پڑھا رہے ہیں۔ آخر جامع مسجد کی سیڑھیوں پر شاہ اسمعیل شہید کا یہ درس ”درس خارجی“ (جسے آج کل لیکچر کہا جاتا ہے) کی شکل میں ہونے لگا۔ اس کی گونج ادھر بہار، کوہستان ہمالیہ کے اس حصہ سے جا ٹکرائی جو کشمیر اور کابل کے درمیان پھیل رہی ہے۔“

### سپاہیانہ ورزشیں:

مولانا شاہ اسمعیل علوم دیدیہ سے قوائے ذہنیہ کو منور کرنے کے ساتھ ساتھ جسمانی تربیت کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ فن شہ زوری میں کمال حاصل کیا اور تیراکی میں بھی مہارت حاصل کی۔ جسمانی ریاضتوں کا بھی سلسلہ شروع کیا۔ تپتی ہوئی ریت پر گھنٹوں ننگے پاؤں چلتے اور سخت سردی میں رات کے وقت بغیر گرم لباس کے سیر کرتے۔

### حضرت سید احمد شہید سے رابطہ:

۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء حضرت سید احمد شہید رائے بریلی دہلی تشریف لائے۔ حضرت سید احمد شہید بڑے روحانی پیشوا اور شیریں زبان مقرر تھے۔ تمام دینی علوم میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے۔ ایک پرہیزگار شخص کے کردار کے مالک تھے۔ برصغیر میں بدعات و محدثات کو ختم کرنے اور اصلاح عقائد و اعمال کے لیے ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ انہوں نے ساری زندگی جہاد کی تلقین اور کتاب و سنت کی پیروی کی تلقین کی۔ اپنی زندگی بھی اللہ کی

راہ میں قربان کر دی۔

جب حضرت سید احمد شہید دہلی تشریف لائے تو مولانا اسماعیل شہید دہلوی کا ان سے رابطہ ہوا تا نکہ دونوں نے اکٹھے اپنی جانیں اللہ کی راہ میں قربان کر دیں۔

### حضرت سید احمد شہید سے بیعت:

۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰ء میں مولانا شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی بڑمانوی حضرت سید

احمد شہید دہلوی سے بیعت ہوئے۔

ڈاکٹر ہنٹر اپنی کتاب ”ہمارے ہندوستانی مسلمان“ میں لکھتا ہے

”سید احمد کے پہلے دو مرید وہ شخص تھے جو اپنے لائٹانی غمیر جوہروں اور اعلیٰ

قابلیتوں میں اپنے وقت کے فرد اکمل تھے۔ یہ دونوں افراد دہلی کے سب سے

بڑے حکیم و فاضل اجل (حضرت شاہ عبدالعزیز) کے کنبے سے تعلق رکھتے تھے۔“

مولانا عبدالحی حضرت شاہ عبدالعزیز کے داماد تھے اور مولانا شاہ محمد اسماعیل آپ کے

بھتیجے تھے۔

### فریضہ حج:

مولانا شاہ محمد اسماعیل کو تدریس کے لیے بہت کم وقت میسر آیا۔ حضرت سید احمد شہید سے

بیعت کے بعد شوال ۱۲۳۶ھ مطابق جولائی ۱۸۲۱ء کو آپ حضرت سید احمد صاحب کے ہمراہ

فریضہ حج ادا کرنے کے لیے حجاز مقدس روانہ ہوئے۔ اس وقت مولانا شاہ اسماعیل کی عمر ۳۸

سال تھی اور حضرت سید احمد صاحب کے ساتھ تقریباً ۸۰۰ مرد و عورتیں تھیں۔

حجاز میں ۱۴ ماہ قیام کے بعد مولانا شاہ اسماعیل بخیر و عافیت واپس تشریف لائے۔

### دعوت و تبلیغ:

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید نے حجاز سے واپسی کے بعد واپس تشریف لائے اور

کیا۔ لوگوں میں جو شرک و بدعت کی وبا عام ہو چکی تھی۔ بدعات و محدثات کو دور کرنے اور تہذیب کو

سب کی تردید اور ان جاہلانہ رسوم کو ختم کرنے کے لیے شاہ صاحب میدان عمل میں اترے اور آپ نے وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ توحید اور سنت کی طرف لوگوں کو روشناس کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ ڈاکٹر ثریا ڈار صاحبہ لکھتی ہیں:

”دہلی کی جامع مسجد میں جمعۃ الوداع کی نماز کے بعد ہر طبقے اور درجے کے لوگوں کے درمیان بڑی بہادری اور دلیری سے زوردار الفاظ میں اللہ کی توحید بیان کی اور شرک و بدعت کی تردید کی اور یہ آپ کا پہلا وعظ تھا۔“  
مولانا محمد خالد سیف اس ابتدائی خطاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

”جنگل کی آگ کی طرح اس ابتدائی خطاب کا عوام و خواص میں چرچا ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے باقاعدہ ہر جمعۃ المبارک کے دن جامع مسجد دہلی میں خطاب فرمانا شروع کر دیا اور علمائے بدعت کی طرف سے مخالفت کے طوفان بدتمیزی کے برپا کر دیے جانے کے باوصف لوگ تھے کہ کشاں کشاں پہنچنے اور کھنچے چلے آتے اور خطاب کے اختتام تک تو تاثیر کے پیش نظر محویت اور استغراق کا یہ عالم ہوتا گویا کسی ماہر اور مشاق جادوگر نے اپنی کرشمہ سازیوں اور سحر آفرینیوں سے (سامعین کو) ساکت و جامد بنا دیا ہے۔ کیوں نہ ہو جب کہ:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا شاہ اسماعیل کی دعوت و تبلیغ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

”شاہ صاحب نے دہلی میں وعظ کہنا شروع کیا۔ جامع مسجد شاہجہانی سے لے کر فسق و فجور کے مرکروں تک اللہ کا پیغام پہنچایا۔ شریعت کے احکام سنائے۔ اپنی مخصوص شہرہ آفاق جرأت و شجاعت سے شرک و بدعت کا رد کیا (اور) توحید و سنت کی منادی کی۔“

## جہاد کی تبلیغ:

ابتدائے آفرینش سے حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی ہوتی چلی آرہی ہے۔ ضرب کلیم نے فرعونى لشکروں، تیشہ ابراہیم نے نمرودی بت کدوں اور چراغ مصطفویٰ سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاریوں کا ازالہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ علامہ اقبال نے اس حقیقت کی یوں نقاب کشائی کی:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز  
چراغ مصطفویٰ سے شرار بولہبی

مولانا شاہ اسمعیل کے سامنے ایک طرف مسلمانان ہند تھے، جن کی حالت بہت دگرگوں تھی اور مسلمانوں کی حکومت کا چراغ گل ہونے کو تھا۔ سلطنت مغلیہ کے کھنڈرات پر جن مسلمان حکمرانوں نے اپنی حکومتوں کی بنیادیں استوار کی تھیں وہ بھی موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا تھیں۔ سیاسی انحطاط کے علاوہ دینی، اخلاقی، سماجی و تمدنی ہر اعتبار سے مسلمان زوال پذیر تھے۔

مولانا شاہ اسمعیل جب سفر حج سے واپس آئے تو حضرت سید احمد کے فرمان کے مطابق جہاد کے لیے دعوت و تنظیم میں ہمتن مصروف ہو گئے۔ مولانا عبدالحی بڈہانوی بھی سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے۔

مولانا محمد خالد سیف رقمطراز ہیں:

”آپ کی ان مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا جو آپ نے سوئی ہوئی قوم کو جھنجھوڑنے بلکہ خواب خرگوش میں مدہوش قوم کو ہوش میں لانے کے سلسلہ میں انجام دیں۔ اور یہ صرف آپ کی پونے دو سال کی دعوت و تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ قوم کی مردہ رگوں میں خون حیات گردش کرنے لگ گیا۔ وہ خون جو کہ رضائے الہی کے حصول کے لیے میدان کارزار کو لالہ زار بنا کر حیات جاوداں کے لیے بڑا ہی بے قرار ہوتا ہے۔ غرضیکہ انتہائی قلیل عرصہ میں نمایاں صف شکن اور مجاہدین کفن بردوش کی ایک

جہاد تیار رہی جو اللہ کی راہ میں اپنا تن من دھن نثار کرنے کے لیے ہر وقت تیار  
تھی۔ نور و فکر سے صوبہ سرحد کو مرکز بنا کر یہاں سے جہاد کا آغاز کیا گیا۔“

جہاد کے لیے روانگی:

۱۲۳۱ھ مطابق ۱۸۲۵ء میں مولانا شاہ اسماعیل نے اپنے مذہبی رہنما حضرت سید احمد اور  
اپنے رفیق مولانا عبدالحی اور دیگر رفقاء کی معیت میں ۱۲۳۱ھ مطابق ۱۸۲۵ء کو مقدس فریضہ  
جہاد کے ادا کرنے کی نیت سے رائے بریلی سے براستہ سندھ سوائے سرحد روانہ ہوئے۔  
روانگی کے وقت مجاہدین اسلام کی تعداد پانچ سو سے زیادہ نہ تھی۔

سکھوں کے خلاف اعلان جنگ:

۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں آپ پشاور پہنچے اور سکھوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا  
اور مجاہدین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”شہید کی جو موت ہو وہ قوم کی حیات ہے۔“

سکھوں سے آپ نے پہلی جنگ جمادی الاول ۱۲۳۲ھ / دسمبر ۱۸۲۶ء نو شہرہ سے ۸ میل  
دورا کوڑہ کے مقام پر لڑی۔

اس لڑائی میں سکھوں کو شکست ہوئی اور ان کا بہت جانی نقصان ہوا۔ مولانا شاہ اسماعیل  
اس لڑائی میں ہراول دستے کی کمان کر رہے تھے۔ اگرچہ اس لڑائی میں مجاہدین اسلام کی تعداد  
سکھوں کے مقابلہ میں کم تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا۔

شہادت تک سیاہی:

۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں سکھوں کے خلاف اس لڑائی کے بعد مولانا شاہ اسماعیل کی  
جنگی زندگی کا آغاز ہوا۔ وہ ہمیشہ مجاہدین کی قیادت کرتے رہے۔

سفر بالا کوٹ:

۲۹ شعبان ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۶ء کو مولانا شاہ اسماعیل نے بالا کوٹ ضلع ہزارہ کی تحصیل  
مانسہرہ کا جو مشہور قصبہ ہے، سفر کیا۔



## جنگ:

مجاہدین نے بالا کوٹ پہنچ کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سکھوں سے ایک زبردست جنگ ہوئی۔ سکھ فوج مجاہدین سے تعداد میں زیادہ تھی لیکن مجاہدین نے بڑی عزیمت اور استقامت کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کیا۔ مولانا شاہ اسمعیل نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔

مولانا محمد خالد سیف نے ایک سکھ مورخ مہتاب سنگھ کا بیان اپنی کتاب ”تذکرہ شہید“ میں نقل کیا ہے:

”خلیفہ سید احمد اور مولانا اسمعیل بھی جو فوج کے سب سے بڑے سردار تھے، بذات خود حملے میں شریک ہو گئے، وہ..... اللہ اکبر کہتے ہوئے ہوتر کی زمین میں پہنچ گئے، زور زور سے کہہ رہے تھے، دیکھو کافر شکست کھا کر جا رہے ہیں۔ ان پر بڑے بول دو۔“

## شہادت:

مولانا شاہ محمد اسمعیل ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو اپنے پیر و مرشد حضرت سید احمد کے ہمراہ بمقام بالا کوٹ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

بنا کر دند خوش رسے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

## اعترافِ عظمت:

مولانا شاہ محمد اسمعیل شہید دہلوی ایک جید عالم دین، دینی مفکر، قاطع بدعت، بلند پایہ مبلغ اور عظیم مجتہد تھے۔ برصغیر کے ممتاز اہل قلم نے ان کی دینی خدمات اور ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔

ذیل میں چند مشہور صاحب علم و فضل اور ارباب کمال کے ارشادات نقل کیے جاتے ہیں

جو انہوں نے مولانا شاہ محمد اسماعیل دہلوی کے بارے میں تحریر کیے ہیں:

نواب صدیق حسن خاں:

”یعنی اس خاندان (ولی اللہی) کا ہر فرد علم و عمل، عقل و فہم، زور تقریر، فصاحت تحریر، ورع و تقویٰ، دیانت و امانت اور مراتب ولایت میں یگانہ روزگار، فرید دہر، اور وحید عصر تھا۔ ان کی اولاد بھی ان درجات بلند پر فائز تھی۔“

مولوی رحمان علی بریلوی:

”مولانا اسماعیل بن مولانا عبدالغنی (شاہ ولی اللہ کے پوتے) دیانت اور فہم و تفکر میں یگانہ روزگار تھے۔ حلقہ علمائے کبار میں مشاڑ الیہ تھے۔“

علامہ اقبال:

”ہندوستان نے ایک مولوی پیدا کیا اور وہ مولوی شاہ محمد اسماعیل کی ذات تھی۔“

اردو دائرہ المعارف اسلامیہ لاہور:

”شاہ اسماعیل اپنے کمالات کے باعث رب ذوالجلال کا ایک نمونہ تھے۔“

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی:

مولانا اسماعیل اسلام کے ان اولوالعزم، عالی ہمت، ذکی، جری اور غیر معمولی افراد میں سے ہیں جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔“

مولانا محمد حنیف ندوی:

”خاندان ولی اللہی کا ہر فرد اصلاح و تجدید کے اُفق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا ہے۔ علم و بصیرت اور ذوق و اجتهاد سے سرشار یہی وہ گہرانہ ہے جس کے فیوض و برکات سے آج بھی اذہان و قلوب تابندہ و روشن ہیں۔“

ڈاکٹر محمد باقر:

”خلافتِ راشدہ کے بعد اسلام نے حقیقی نمونے کے بہت کم مسلمان پیدا کیے ہیں اور شاہ اسماعیل ایسے راسخ العقیدہ مسلمان تو اس سے بھی کم دیکھنے میں آتے ہیں۔“

مولانا نصر اللہ خان عزیز:

”مولانا شاہ اسماعیل شہید ایثار و عمل کا پیکر مجسم تھے اور اسی چیز نے ان کے اندر وہ تمام جوہر پیدا کر دیے تھے جو ایک عظیم الشان انسان کے لیے ضروری ہیں۔“

مولانا سعید احمد اکبر آبادی:

مولانا شاہ اسماعیل شہید حقیقی معنوں میں خدائی خدمت گار تھے۔ وہ اللہ کی زمین پر اللہ کی بادشاہت قائم کر کے دنیا میں عدل و انصاف، حق و صداقت اور امن کی حکومت کا قیام چاہتے تھے۔ لیکن ان کی یہ اسلامی تحریک بھی مسلمانوں کی غداری کے باعث کامیاب نہ ہو سکی۔“

پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی:

”برصغیر (پاک و ہند) میں خاندان ولی اللہی نے تحریکِ احیائے اسلام، توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت و محدثات کے قلع قمع کرنے میں جو قابل قدر خدمات سرانجام دیں، وہ برصغیر کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی خاندان ولی اللہی کے گل سرسبد تھے۔ ان کی دینی و علمی و جہادی خدمات سے کوئی اہل علم اور صاحب بصیرت آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ شاہ اسماعیل نے آوازِ حق بلند کیا اس کی صدا آج بھی بالاکوٹ سے سنائی دے رہی ہے:

ہر گز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

## تصانیف:

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی ایک بلند مرتبہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی تصانیف سے عوام و خواص استفادہ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ آپ کی تمام تصانیف اپنے موضوع کے اعتبار سے نادر و یگانہ ہیں۔

مولانا مظفر حسین نے ”الحیاء بعد المماتہ“ میں شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ الکل مرحوم و مغفور فرمایا کرتے تھے:

”میں ان دونوں دادا پوتے (شاہ ولی اللہ و شاہ اسماعیل شہید) کا قائل ہوں، جو صرف قرآن و حدیث سے استنباط مسائل کرتے ہیں اور اپنی رائے پر اعتماد رکھتے ہیں۔ زید و عمرو کسی مصنف یا عالم کی پیروی نہیں کرتے۔ ان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضان الہی جوش مار رہا ہے۔“

## فہرست تصانیف:

- (۱) رد الاشراک (عربی)
  - (۲) تقویۃ الایمان (اردو)
  - (۳) تذکیر الاخوان (اردو)
  - (۴) صراط مستقیم (فارسی)
  - (۵) طبقات (عربی)
  - (۶) اصول فقہ (عربی)
  - (۷) یلک روزی (فارسی)
  - (۸) رسالہ در علم منطق (فارسی)
  - (۹) منصب امامت (فارسی)
  - (۱۰) ابضاح الحق الصریح فی احکام المیت و الضریح (فارسی)
- تمتید الجواب

- (۱۲) تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین (عربی)
- (۱۳) حقیقت تصوف (اُردو)
- (۱۴) مثنوی سلک نور (اُردو)
- (۱۵) مثنوی سلک نور (فارسی)
- (۱۶) قصیدہ در مدح حضرت سید احمد شہید (فارسی)
- (۱۷) قصیدہ در مدح آنحضرت ﷺ (فارسی)
- (۱۸) رسالہ بے نمازاں (اُردو)
- (۱۹) الاربعین فی احوال المہدیین (عربی ، اُردو)
- (۲۰) مبحث امکان النظر (فارسی)
- (۲۱) سفر السعادت (فارسی)
- (۲۲) مجموعہ خطب دو از دہ ماہی (فارسی)

### تقویۃ الایمان:

تقویۃ الایمان مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید کی مشہور و معروف تصنیف ہے۔ اس میں اسلام کے بنیادی عقائد کی توضیح اور شرک کی تردید ہے۔ یہ لاجواب کتاب اہل توحید کے لیے نعمت غیر مترقیہ ہے۔ اس کتاب نے برصغیر میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اس کی اہمیت کی دلیل یہ ہے کہ بقول مولانا رشید احمد گنگوہی:

”مولوی اسماعیل صاحب کی حیات میں اس سے دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے، اور ان کے بعد جو نفع ہوا اس کا اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔“

تقویۃ الایمان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک یہ کتاب لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔

### تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین:

یہ مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی کی بے نظیر تصنیف ہے اور اس کا موضوع اثبات رفع

الیدین ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اس کتاب کو دیکھ کر فرمایا:

”اللہ کا شکر ہے کہ یہ گھر محققین علم حدیث سے خالی نہیں ہے۔“

تنویر العینین کے جواب میں مولوی محمد شاہ پاک پتی نے ”تنویر الحق“ کے نام سے کتاب لکھی۔ ”تنویر الحق“ کے جواب میں شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی نے ”معیار الحق“ تصنیف فرمائی اور ”معیار الحق“ کا اثر علمی حلقوں میں بڑا شدید ہوا۔ چنانچہ مولانا ارشادہ حسین رام پوری جو ایک عالی حنفی تھے۔ ”معیار الحق“ کے جواب میں ”انتصار الحق“ کے نام سے کتاب لکھی۔

جب ”انتصار الحق“ شائع ہوئی تو مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا:

”مجھ پر معیار الحق کے سنجیدہ اور روزنی ثبوت کا بڑا اثر ہوا اور صاحب انتصار الحق کا علم ضعف صاف نظر آ گیا۔“

مولانا ارشاد حسین مرحوم نے جب ”انتصار الحق“ شائع کی تو اس کے بارے میں لکھا کہ کوئی غیر مقلد عالم اس کا جواب نہیں دے سکے گا۔ لیکن یہ ان کا خیال خام ثابت ہوا۔ حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے چار تلامذہ نے ”انتصار الحق“ کے نلیحہ نلیحہ جواب لکھے۔

جن کی تفصیل یہ ہے:

① براہین اثناء عشر (از مولانا امیر حسن سہوانی)

② تلخیص الانظار فیما بنی علیہ الانتصار (از مولانا سید احمد حسن دہلوی)

③ البہر الذخار لاذہاق صاحب الانتصار (از مولانا شہود الحق عظیم آبادی)

④ اختیار الحق بجواب انتصار الحق (از مولانا احتشام الدین مراد آبادی)

منصب امامت:

یہ مولانا اسمعیل شہید دہلوی کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ مولانا حکیم سید عبدالحی الحسنی اس

کے بارے میں فرماتے ہیں:

”وہو ممالم یسوق الیہ“ (سابقہ زمانہ میں اس موضوع پر ایسی کوئی کتاب نہیں)



## شاہ محمد عمر بن شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ

مولانا شاہ محمد عمر بن مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ دہلوی جلیل القدر عالم دین تھے۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی فرماتے تھے کہ:

”مولوی محمد عمر نہایت عابد و زاہد آدمی تھے۔ نماز نہایت خشوع و خضوع سے ادا کرتے، رکوع و سجدہ اتنا طویل کرتے جب تک آدمی سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلیٰ ۲۷-۲۸ بار پڑھتا۔ بادشاہ دہلی نے اکثر ان کی ملاقات کی تمنا کی اور اراکین دولت کو پیغام ملاقات دے کر ان کے پاس پہنچا۔ آپ نے جواب میں یہی کہا کہ جس باپ کی نسبت سے بادشاہ میری ملاقات چاہتے ہیں ان کی بزرگی مجھ میں نہیں ہے اور اسی عذر پر کبھی ملاقات نہیں کی۔“

آپ کے اساتذہ میں صرف مولانا شاہ محمد اسحاق کا اسم گرامی معلوم ہو سکا ہے۔ ان کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔

## خاندان ولی اللہی دہلوی:

مولانا سید نواب صدیق حسن خاں مرحوم لکھتے ہیں:

”اور اس خاندان کا ہر فرد اپنے اسلاف اور اعمام کی طرح عالم دین، صاحب مرتبت، حکیم و فقیہ تھا۔ کیوں نہ ہوتا یہ حضرات علم و عمل میں یکتائے زمانہ ہونے

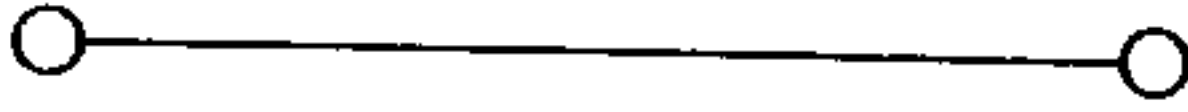
کے ساتھ ساتھ نسب عالی فاروقی کے بھی تو حامل تھے۔“  
 جس طرح اس خاندان کے افراد نے حدیث شریف کے علم کی خدمت کی، اس ملک  
 میں دوسرا کوئی خاندان اس پائے کا نظر نہیں آتا۔





(۲)

خاندان شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ



۱ مولانا سید محمد نذیر حسین دہلویؒ

۲ مولانا سید شریف حسین دہلویؒ

۳ مولانا سید عبدالسلام دہلویؒ



## سید نذیر حسین دہلویؒ

شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی بن سید جواد علی امام حدیث تھے۔ حدیث کی مہارت ان پر ختم تھی۔ ۱۲۵۸ھ میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کے مکہ معظمہ ہجرت کر جانے کے بعد دہلی کی مسند حدیث پر فائز ہوئے۔ اور مکمل ۶۲ سال تک تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا۔

مولوی ابویحییٰ امام نوشہروی لکھتے ہیں کہ:

”شاہ اسمعیل شہید کی اس مسابقت الی الجہاد اور فوز بہ شہادت کے بعد دہلی میں الصدر الحمید مولانا شاہ محمد اسحاق کا فیضان جاری ہو گیا۔ جن سے شیخ الکل السید نذیر حسین محدث دہلوی مستفیض ہو کر دہلی کی مسند حدیث پر متمکن ہوئے۔“

سید محمد نذیر حسین صوبہ بہار کے قصبہ سورج گڑھ ضلع مونگیر میں ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شجرہ نسب ۳۵ ویں پشت پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔ ۱۶ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز کیا۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد سید جواد علی سے پڑھیں۔ اس کے بعد پٹنہ جا کر مولوی شاہ محمد حسین سے ترجمہ قرآن مجید اور مشکوٰۃ پڑھی۔ پٹنہ میں آپ کا قیام ۶ ماہ رہا۔ اس ۶ ماہ کے قیام کے دوران حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ محمد اسمعیل شہید پٹنہ تشریف لائے۔ آپ ان کی زیارت سے مشرف ہوئے اور شاہ شہید دہلوی کا وعظ سننے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

پٹنہ سے میاں صاحب دہلی کے لیے روانہ ہوئے اور راستہ میں غازی پور اور الہ آباد میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ ۱۲۲۳ھ میں آپ دہلی پہنچے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کو انتقال کیے ہوئے چار سال گزر چکے تھے اور اس وقت دہلی میں حضرت شاہ محمد اسحاق نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز کا فیضان جاری تھا۔

حضرت شاہ محمد اسحاق کے درس میں شامل ہونے سے پہلے مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی نے درج ذیل علمائے کرام سے استفادہ کیا:

✽ مولانا عبدالخالق دہلوی

✽ مولانا خونڈ شیر محمد قندھاری

✽ مولانا جلال الدین ہروی

✽ مولانا کرامت علی اسرائیلی

✽ مولانا سید محمد بخش عرف تربیت خاں مہندس

ان حضرات سے استفادہ کے بعد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی کے درس میں شامل ہوئے۔ اور ان سے حدیث کی درج ذیل کتابیں پڑھیں:

صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع صغیر سیوطی، کنز العمال (علی متقی) تین اجزاء، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک اور ہدایہ (فقہ حنفی کی مشہور کتاب) کا بھی درس لیا۔ حضرت شاہ محمد اسحاق نے آپ کو باقاعدہ سند حدیث عطا فرمائی۔

علمائے احناف نے اپنے تقلیدی تعصب کی بنیاد پر یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی حضرت شاہ اسحاق کے باقاعدہ شاگرد نہ تھے۔ آپ نے تبرکاً ان کو سند عطا فرمائی تھی۔ باقاعدہ شاگرد حضرت شاہ عبدالغنی مجددی بن مولانا شاہ ابوسعید مجددی تھے۔ لیکن علمائے اہلحدیث کا موقف یہ رہا ہے کہ مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی حضرت شاہ محمد اسحاق کے باقاعدہ شاگرد تھے اور ۱۳ سال ان کی خدمت میں رہے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہے۔ ۲۳ مستند علمائے کرام و اہل قلم جن میں علمائے احناف (دیوبندی و بریلوی)، اہلحدیث اور محقق و نقاد شامل ہیں انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق کے باقاعدہ شاگرد تھے اور ان کی خدمت میں ۱۳ سال تک رہ کر مستفیض ہوتے رہے، بحوالہ:

الحیاء بعد الہمما، ص: ۳۴

مولانا شیخ محمد تھانوی (م ۱۲۹۶ھ)

- ایضاً، ص: ۴۷
- تذکرہ علمائے ہند، ص: ۱۹۳
- اتحاف العیلاء
- غایۃ المقصود (مقدمہ) ص: ۱۱
- تذکرہ علمائے حال، ص: ۹۲
- نزہتہ الخواطر، ص: ۲۹۸
- مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص: ۵۶
- حاشیہ المسوی فی احادیث المؤمنین مطبع  
السلفیہ مدینہ، ص: ۱۱
- حیات شبلی، ص: ۴۱، ۴۶
- تراجم علمائے حدیث ہند، ص: ۱۲۸
- موج کوثر، ص: ۲۸
- سیرت ثنائی، ص: ۹۷
- دلی اور اصحاب دلی، ص: ۱۱۳۲
- اتحاف النبیہ، ص: ۲۵
- تاریخی مقالات، ص: ۲۵۳
- الفرقان لکھنؤ فروری، مارچ ۱۹۷۷ء
- تاریخ اہل حدیث، ص: ۲۱۶
- سوانح مولانا سید محمد نذیر حسین، ص: ۶
- مولانا نذیر احمد دہلوی احوال و آثار، ص: ۴۶
- تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵، ص: ۳۵۹
- مولانا احمد علی سہارن پوری (م ۱۲۹۸ھ)
- مولوی رحمان علی بریلوی (م ۱۳۲۵ھ)
- نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ)
- مولانا شمس الحق ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ)
- مولانا محمد ادریس نگرانی (م ۱۳۳۰ھ)
- مولانا سید عبدالحی الحسنی (م ۱۳۳۱ھ)
- مولانا عبدالرحمن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ)
- مولانا عبید اللہ سندھی (م ۱۳۶۲ھ)
- مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ)
- مولوی ابوبکی امام خاں نوشہروی (م ۱۹۶۶ء)
- ڈاکٹر شیخ محمد اکرام (م ۱۲۹۶ھ)
- مولانا عبدالجید خادم سوہدروی (م ۱۹۵۹ء)
- مولوی بشیر احمد دہلوی (م ۱۹۲۱ء)
- مولانا عطاء اللہ حنیف (م ۱۳۰۸ھ)
- پروفیسر خلیق احمد نظامی (م ۱۳۱۸ھ)
- مولانا نسیم احمد مروہی
- مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی (م ۱۳۷۵ھ)
- پروفیسر محمد مبارک کراچی
- ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی
- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (م ۱۹۹۹ء)

پروفیسر ڈاکٹر ثریا ڈار  
شاہ عبدالعزیز اور ان کی علمی خدمات ،  
ص: ۱۶۳

مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری  
تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں ،  
ص: ۲۲۵ (م ۱۴۱۷ھ)

۱۲۵۸ھ میں حضرت شاہ محمد اسحاق نے اپنے برادر خورد شاہ محمد یعقوب کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کی تو مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی ان کی مسند تدریس پر فائز ہوئے اور ۱۲۷۰ھ تک جملہ علوم و فنون کی کتابیں بلا استثنا پڑھاتے رہے۔ لیکن بعد میں صرف تفسیر، حدیث اور فقہ پر انحصار رکھا اور ۶۲ سال تک دہلی میں تفسیر و حدیث کا درس دیا۔  
جس منبع علم نے ۶۲ سال تک تدریس فرمائی ہو۔ اس کے تلامذہ کی تعداد ظاہر ہے زیادہ ہوگی، اور ان کا شمار مشکل ہے۔

### لَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ:

حضرت میاں صاحب کے تلامذہ میں بعض ایسے حضرات بھی شامل ہیں جو بعد میں خود مسند حدیث کے مالک بنے اور انہوں نے وہ علمی کارنامے انجام دیے جن کا تذکرہ ان شاء اللہ العزیز رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

حضرت میاں صاحب کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

حافظ ابراہیم آروی، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا محمد بشیر سہوانی، مولانا عبدالوہاب صدوری دہلوی، مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی، مولانا سید عبداللہ غزنوی وابتاہ، سید عبدالجبار غزنوی، سید عبدالواحد غزنوی و مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی، عبدالرحیم غزنوی، سید عبدالاول غزنوی، سید عبدالغفور غزنوی، عبدالرحمن محدث مبارکپوری، مولانا عبدالسلام مبارکپوری، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی، مولانا محمد سعید بنارسی و مولانا ابوالقاسم بنارسی، مولانا سلامت اللہ بے راج پوری، شاہ عین الحق پھواروی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی، مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی و مولانا

عبدالحمید سوہدروی، مولانا ابوالکارم محمد علی، مولانا بدیع الزمان حیدر آبادی، مولانا وحید الزمان حیدر آبادی، مولانا ابوالحسن سیالکوٹی، مولانا سید احمد حسن دہلوی، مولانا نذیر احمد دہلوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالجبار عمر پوری، مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہم اللہ اجمعین۔

حضرت میاں صاحب نے برصغیر (پاک و ہند) میں دین اسلام کی نشرو اشاعت، کتاب و سنت کی ترقی و ترویج، شرک و بدعت کی تردید و توبیح اور باطل افکار و نظریات کی تردید کے لیے جو ذرائع استعمال کیے وہ درج ذیل ہیں:

① درس و تدریس

② دعوت و تبلیغ

③ تصوف و سلوک کی راہوں سے آئی ہوئی بدعات کی تردید اور صحیح اسلامی زہد و عبادت و

روحانیت کا درس

④ تصنیف و تالیف

⑤ باطل افکار و نظریات کی تردید اور دین اسلام اور مسلک حق کی تائید

⑥ تحریک جہاد

مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی نے تصنیف میں تقلید کی تردید میں ایک لاجواب کتاب ”معیار الحق“ لکھی۔

حضرت میاں صاحب نے ۱۰/۱۰/۱۳۲۰ھ مطابق ۱۳/اکتوبر ۱۹۰۲ء دہلی میں انتقال کیا۔

آپ کے پوتے مولوی سید عبدالسلام نے نماز جنازہ پڑھائی اور شیدی پورہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔



## سید شریف حسین دہلویؒ

مولانا سید شریف حسین بن مولانا سید نذیر حسین ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں مولوی عبدالرزاق اور اپنے نانا عبدالخالق دہلوی سے پڑھیں۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حضرت میاں سے حاصل کی۔

سند و اجازہ محی السنۃ مولانا سید نواب صدیق حسن اور علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے بھی حاصل کی۔

ذکاوت کا یہ عالم تھا کہ زمانہ طالب علمی میں اپنی کتابوں پر حواشی لکھتے رہتے اور جب میاں صاحب کے پاس بہت زیادہ فتاویٰ آنے لگے اور تدریسی اوقات میں تاخیر ہونے لگی تو میاں صاحب نے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا۔

حضرت میاں کے ساتھ تدریس بھی فرماتے رہے اور مسجد کے امام بھی تھے۔ ان کے تلامذہ میں مشہور شاگرد مولوی حاجی عبدالغفار آف علی جان ہیں۔

۶ جمادی الثانی ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۸۸۸ء دلی میں حضرت میاں صاحب کی زندگی میں انتقال کیا۔



## سید عبدالسلام بن سید شریف حسین بن سید نذیر حسین دہلویؒ

مولانا سید عبدالسلام دہلوی حضرت میاں صاحب کے پوتے تھے۔ مولوی محمد اسحاق رام پوری سے علوم پڑھنے کے بعد تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل اپنے دادا حضرت میاں صاحب سے کی۔ حافظ قرآن تھے اور طلباء کو بلا ناغہ ترجمہ قرآن مجید پڑھاتے۔ بعض طلباء کو

حدیث کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے۔ علم میراث میں دسترس حاصل تھی۔ خط نستعلیق فارسی و عربی دونوں میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

بندوق چلانے کے بے حد شوقین، مزاج امیرانہ، کم سخن مگر ﴿ خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ ﴾ کی عملی تصویر تھے۔ ۵۵ سال کی عمر میں آسودہ لحد ہوئے۔

آپ کے بعد حضرت میاں صاحب کے خاندان کا کوئی فرد اپنے اسلاف کا جانشین نہ

بن سکا۔

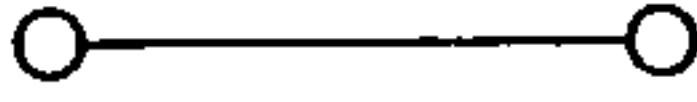
مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم  
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے





(۳)

خاندانِ عمر پور



عبد الرحمن	۲	معین الدین عبدالرحمن	۱
عبداللہ عبدالشکور	۳	عبداللہ عبدالصبور	۳
عبدالجلیل فیصل	۶	حافظ عبدالوکیل	۵
عبدالستار	۸	عبدالجمار	۷
ضیاء الرحمن	۱۰	عبدالغفار حسن	۹
		صہیب حسن	۱۱



## معین الدین عبدالرحمن

موضع عمر پور ضلع مظفرنگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں حاصل کی۔ اس کے بعد علوم اسلامیہ کی تحصیل مولوی غلام علی قصوری امرتسری سے کی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد اپنے قصبہ عمر پور اور بعد میں دوسرے مقامات پر تدریس فرماتے رہے۔ آپ کی تعلیم، تبلیغ اور وعظ و ارشاد سے بے شمار بزرگانِ خدا کو ہدایت نصیب ہوئی۔ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء کو انتقال کیا۔



## عبید الرحمن

مولانا حکیم عبید الرحمن بن مولانا معین الدین عبدالرحمن عمر پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا معین الدین عبدالرحمن اور عم زاد مولانا ضیاء الرحمن سے حاصل کی۔ بعد ازاں حدیث کی تحصیل مولانا عبدالواحد غزنوی، مولانا عبدالرحیم غزنوی بن سید عبداللہ غزنوی اور حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی سے حاصل کی۔ طب کی تعلیم پہلے اپنے والد سے بعد ازاں مولانا عبدالاحد خان پوری سے حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد طب کو ذریعہ معاش بنایا اور اس کے ساتھ درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ اور مدرسہ جامع اعظم (سابق ریاض العلوم) دہلی میں تدریس فرمائی۔ جون ۱۹۳۶ء مطابق ۱۳۵۵ھ میں دہلی سے ماہنامہ ”ریاض توحید“ جاری کیا۔ جو کئی سال تک جاری رہا۔

مولانا عبید الرحمن نے ۱۹۳۶ء میں وفات پائی۔



## عبداللہ عبدالصبور

مولوی عبداللہ عبدالصبور بن مولانا حکیم عبید الرحمن عمر پوری نے دینی علوم کی تعلیم اپنے والد اور جد امجد مولانا معین الدین عبدالرحمن سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ منشی فاضل کے امتحانات بھی پاس کیے۔ فراغت تعلیم کے بعد محکمہ تعلیم کو ذریعہ معاش بنایا اور مسلم علیم ہائی سکول کان پور میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ وعظ و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ان کا سن وفات معلوم نہیں ہو سکا۔



## عبید اللہ عبدالشکور

مولوی عبید اللہ عبدالشکور بن مولانا حکیم عبید الرحمن عمر پوری نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ بعد ازاں مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ اور مدرسہ اسلامیہ میرٹھ میں علوم اسلامیہ میں تحصیل کی۔ بعد ازاں دہلی آئے اور مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ اور مولانا عبدالرحمن شاہ پوری پنجابی سے بھی اکتساب فیض کیا۔ تکمیل تعلیم کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور مدرسہ جامع اعظم دہلی میں تدریس پر مامور ہوئے۔ انتقال کب ہوا، معلوم نہیں۔



## حافظ عبدالوکیل

مولوی عبدالوکیل بن مولانا حکیم عبید الرحمن عمر پوری نے اپنی تعلیم دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے حاصل کی۔ بعد ازاں لکھنؤ یونیورسٹی سے ”فاضل ادب“ الہ آباد یونیورسٹی سے ”فاضل دینیات“ اور پنجاب یونیورسٹی سے فنی عالم اور فنی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ بڑے اچھے واعظ تھے۔ انہیں تقریر کرنے کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ ذریعہ معاش محکمہ تعلیم کو بنایا۔ مسلم ہائی سکول فتح پوری دہلی میں کئی سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں:

- ① پیغمبر اسلام
- ② فلسفہ ارکان اسلام



## عبدالجلیل فیصل ندوی

مولوی عبدالجلیل بن مولانا حکیم عبید الرحمن عمر پوری نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے ”فنی فاضل“، لکھنؤ یونیورسٹی سے ”فاضل ادب“ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ سے بھی فارغ التحصیل ہوئے۔ انگریزی زبان پر بھی مکمل عبور تھا۔ ذریعہ معاش تدریس تھا۔ مختلف دینی مدارس میں تدریس فرماتے رہے اور اس کے ساتھ علم و عمل کے حامل تھے۔ کب اس دنیا سے سفر آخرت اختیار کیا، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔



## عبدالجبار

مولانا عبدالجبار بن منشی بدرالدین عمر پوری جلیل القدر عالم اور عامل کتاب و سنت تھے۔  
 ۱۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے اساتذہ کی فہرست طویل ہے۔  
 آپ نے صرف و نحو، بلاغت اور منطق کے بعض رسائل مولوی غلام علی قصوری امرتسری  
 اور مولوی عبدالعلی امرتسری سے پڑھے اور مولوی ابراہیم شیعہ پانی پتی سے بھی استفادہ کیا۔  
 فقہ اور اصول فقہ کی تحصیل مولانا محمد مظہر تانوتوی اور مولانا احمد علی محدث سہارن پوری  
 سے کی۔ فلسفہ اور ادب کی تعلیم مولانا فیض الحسن سہارن پوری سے حاصل کی۔  
 حدیث و تفسیر کی تحصیل شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔  
 تکمیل تعلیم کے بعد دہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور اپنی ساری زندگی  
 تدریس میں صرف فرمادی۔ ان کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد  
 اسماعیل السلفی ان کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا عبدالجبار عربی کے باکمال شاعر تھے۔  
 مولانا عبدالجبار عمر پوری درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق  
 رکھتے تھے۔ ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- ① ارشاد الانام المرضیۃ الجمعہ فی کل مقام مشتملاً علی رد مافی تنبیہ الانام.
- ② تبصرہ الانام برد مغالطات صیانتہ الانام.
- ③ تذکر الاخوان فی خطبۃ الجمعہ بکل لسان
- ④ کسوٹی
- ⑤ نصیحتہ الاخوان فی حجاب النسوان
- ⑥ ارشاد السائلین فی مسائل الثلاثین
- ⑦ البراہین القاطعہ فی رد الانوار الساطعہ

۸) خفیوں کے سوالات کے محققانہ جوابات

۹) صمصام التوحید فی رد التقلید

۱۰) دیوان الشعر العربی

مولانا عبدالجبار نے ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں انتقال کیا۔

مولانا عبدالجبار عمر پوری نے ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں کلکتہ سے ماہنامہ ”ضیاء السنۃ“ جاری کیا۔ جو اس دور کا ماہوار اور علمی و تحقیقی رسالہ تھا۔ اس رسالہ میں مولانا عبدالجبار نے مولوی عبداللہ چکڑانوی کے باطل نظریہ کا رد کیا کہ دین کے اصول، فروع، کلیات و جزئیات، قرآن مجید میں واضح طور پر موجود ہیں لہذا اسنت کی ضرورت نہیں۔

مولانا عبدالجبار نے دلائل و براہین کے ساتھ کئی اقساط میں اس نظریہ کا ابطال کیا۔

اہل علم طبقہ نے مولانا عمر پوری کے اس مقالہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی بہت تعریف و توصیف کی۔

ضیاء السنۃ ۱۹۰۶ء مطابق ۱۳۲۳ھ تک تقریباً تین سال جاری رہا۔ اس رسالہ کی طباعت و اشاعت اور ترتیب و تہذیب کی نگرانی مولانا ضیاء الرحمن عمر پوری کرتے تھے۔

ضیاء السنۃ میں بڑے علمی تحقیقی مقالات شائع ہوئے۔ جن میں چند ایک مقالات یہ تھے:

۱) خلافت اسلامی

۲) آنحضرت ﷺ کا مبعوث ہونا

۳) ہندوستان میں عربی کے نامور شعراء

۴) فیصلہ آ رہ

۵) عصمت نبوی

۶) معجزات نبوی

۷) عربی زبان کی فوقیت و خصوصیت

۸) حرمت مُتَعَد و غیرہ

ضیاء السنۃ میں ممتاز اہل قلم مضامین لکھتے تھے۔

مثلاً مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرت البخاری، مولانا عبید الرحمن عمر پوری، مولانا ابویحییٰ محمد شاہجہاں پوری، مولانا ضیاء الرحمن عمر پوری اور مولانا ابونعمان اعظم گڑھی وغیرہم۔



## عبدالستار

مولانا عبدالستار بن مولانا عبدالجبار عمر پوری ۱۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا معین الدین عبدالرحمن عمر پوری، مولانا حکیم عبید الرحمن عمر پوری، مولانا محمد بشیر سہوانی اور اپنے والد ماجد مولانا عبدالجبار عمر پوری سے حاصل کی۔

قرآن مجید مدرسہ احمدیہ آرہ میں تین ماہ میں حفظ کیا۔ فراغت تعلیم کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ اختیار کیا۔ آپ بڑے عابد و زاہد اور اخلاص کا نمونہ تھے۔ لیکن عمر نے وفات کی اور ۳۴ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اور آپ کا انتقال اپنے والد مولانا عبدالجبار سے ایک ماہ بعد ہوا۔ دور سائلے بھی لکھے۔ جن کے نام یہ ہیں:

① اثبات الخیر فی رد منکر الاثر۔ (منکرین حدیث کی تردید میں ہے)

② تردید مرزائے قادیان

مولانا عبدالستار عمر پوری نے یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ مطابق ۶ مارچ ۱۹۱۶ء کو انتقال کیا۔

مولانا عبدالغفار حسن ان کی سیرت و کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مولانا عبدالستار مرحوم عمر پوری کو جہاد فی سبیل اللہ کا بہت شوق تھا۔ شہادت کی تمنا ہر وقت دل میں موجزن رہتی تھی۔ اور ہر وقت جذبہ جہاد سے سرشار رہتے تھے۔ خفیہ طور پر

حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کی تحریک مجاہدین کی مالی اعانت بھی فرمایا کرتے تھے۔



## عبدالغفار حسن

مولانا عبدالغفار حسن بن مولانا عبدالستار بن مولانا عبدالجبار عمر پوری ممتاز عالم دین، محقق، مدرس، مفتی، عربی، اردو کے مایہ ناز ادیب، دانشور اور صاحب فکر و تدبیر اور خطیب و مقرر ہیں۔

آپ ۱۰ جون ۱۹۱۳ء مطابق ۱۲ رجب ۱۳۳۱ھ بروز جمعۃ المبارک عمر پور ضلع مظفرنگر میں پیدا ہوئے۔

دینی تعلیم کا آغاز دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے کیا۔ اور اس مدرسہ میں آپ نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ آپ نے جن اساتذہ کرام سے مختلف علوم و فنون میں استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

① شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی

② شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

③ مولانا زید احمد دہلوی

④ مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی

⑤ مولانا محمد بن یوسف سورتی

⑥ مولانا خیر محمد جالندھری (حنفی)

⑦ مولانا سکندر علی ہزاروی (حنفی)

⑧ مولانا محمد شریف اللہ خاں سواتی (حنفی)

آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کے



امتحانات امتیازی نمبروں سے پاس کیے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور تدریس کا آغاز مدرسہ احمدیہ سے کیا۔ کچھ مدت بعد جامعہ رحمانیہ بنارس تشریف لائے اور وہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں آپ نے مالیر کوئٹہ (مشرقی پنجاب) کے ایک مدرسہ میں بھی ۶ سال تک تدریس فرمائی۔

قیام پاکستان پر پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں آ کر آپ نے دو سال تک دارالحدیث رحمانیہ کراچی، ایک سال جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور دو سال تک مدرسہ دارالقرآن فیصل آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد آپ کو حکومت سعودی عرب نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کی دعوت دی۔ جسے آپ نے منظور فرمایا۔ آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ۷ سال تک حدیث کی تدریس فرمائی۔ اس کے بعد آپ دارالافتاء سعودیہ سے وابستہ ہو گئے۔ اور اس سلسلہ میں مختلف ممالک کے سفر کیے۔ کینیا میں آپ کا قیام کچھ مدت رہا۔ وہاں آپ نے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اس میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد حکومت سعودیہ نے آپ کا تقرر بحیثیت مبعوث کیا۔ تو آپ لندن تشریف لے گئے اور لندن میں آپ نے ”قرآن سوسائٹی“ کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ جب آپ پاکستان تشریف لائے تو مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم کے مدرسہ تعلیمات اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے۔ اور اس مدرسہ میں بھی آپ نے کئی سال تفسیر و حدیث کا درس دیا۔

مولانا عبدالغفار حسن ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی سے وابستہ ہوئے اور رکن مجلس شوریٰ رہے۔ جماعت سے آپ کا تعلق ۱۹۵۷ء تک رہا۔ ان کی جماعت اسلامی سے علیحدگی کا سبب مولانا مودودی مرحوم کا ایک مضمون ”حکمت عملی“ تھا۔ جو دسمبر ۱۹۵۶ء کے ترجمان القرآن میں شائع ہوا۔

مولانا عبدالغفار حسن عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کے قادر الکلام مقرر ہیں۔ تمام

علوم اسلامیہ میں ان کو مہارت حاصل ہے۔ خاص کر تفسیر، حدیث، اصول حدیث اور فقہ و اصول فقہ میں ان کو ید طولیٰ حاصل ہے۔

آپ کی ساری زندگی درس و تدریس میں گزری۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

علامہ احسان الہی ظہیر، مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی، مولانا حافظ مسعود عالم استاد جامعہ سلفیہ فیصل آباد، مولانا محمد بشیر سیالکوٹی، مولانا محمد عبداللہ فیصل آبادی اور آپ کے صاحبزادگان صہیب حسن، سہیل حسن، راغب حسن اور ضییب حسن۔ مولانا عبدالغفار حسن تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ آپ کے چھوٹے چھوٹے کئی رسائل شائع ہو چکے ہیں۔ تاہم آپ کی تصانیف یہ ہیں:

- |   |                   |   |             |
|---|-------------------|---|-------------|
| ۱ | قصص القرآن (عربی) | ۲ | انتخاب حدیث |
| ۳ | عظمت حدیث         | ۴ | معیار خاتون |
| ۵ | حقیقت دعا         | ۶ | دین میں غلو |

مولانا عبدالغفار حسن کے صاحبزادگان بھی دینی علوم سے بہرہ ور ہیں۔ دین اسلام کی اشاعت اور کتاب و سنت کی ترقی و ترویج میں سرگرم عمل ہیں۔

۱ صہیب حسن۔ ایم اے عربی، ایم فل انگلینڈ، مولوی فاضل اور فاضل مدینہ یونیورسٹی، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ آج کل لندن میں اشاعت اسلام میں مصروف عمل ہیں۔

۲ ڈاکٹر سہیل حسن، فاضل مدینہ یونیورسٹی۔ آج کل ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے وابستہ ہیں اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

۳ راغب حسن، فاضل مدینہ یونیورسٹی۔ استاد جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد۔

۴ ضییب حسن، فاضل مدینہ یونیورسٹی۔



## ضیاء الرحمن

مولانا ضیاء الرحمن بن منشی بدرالدین عمر پوری علمائے فحول میں سے تھے۔ علوم دینیہ کی تحصیل مولانا معین الدین عبدالرحمن عمر پوری سے حاصل کی۔ بڑے کثیر المطالعہ تھے۔ اس لیے حدیث اور اس کے متعلقات پر آپ کی نظر وسیع تھی۔

مولانا ضیاء الرحمن زہد و ورع، تقویٰ و طہارت اور علم و عمل میں نمونہ سلف تھے۔ ان کی ساری زندگی کلکتہ میں گزری۔ آپ رسالہ ”ضیاء السنتہ“ کے نگران رہے جو کئی سال تک قرآن و حدیث کی خدمت میں پیش پیش رہا۔

آپ نے کئی ایک کتابیں لکھیں لیکن صرف ایک کتاب کا نام مل سکا ہے۔ کتاب تعلیم الصلوٰۃ جو ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔  
مولانا ضیاء الرحمن کا سن وفات معلوم نہیں ہو سکا۔



## صہیب حسن

مولانا صہیب حسن بن مولانا عبدالغفار حسن عمر پوری ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد عالم عربی، فاضل عربی، ایف اے، بی اے، ایم اے عربی کے امتحانات امتیازی نمبروں میں پاس کیے۔ چار سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں گزارے۔ اور ۱۹۶۶ء میں وہاں سے سند فراغت حاصل کی۔ بعد ازاں آپ نے برمنگھم یونیورسٹی (انگلستان) سے علم حدیث اور فن جرح و تعدیل کے عنوان سے ایک مستقل مقالہ انگریزی میں تحریر کر کے ایم اے کی سند حاصل کی۔

مولانا صہیب حسن عمر پوری نے جن اساتذہ سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا ان کے

نام یہ ہیں:

- ① مولانا عبدالغفار حسن (والد محترم)
- ② مولانا عبداللہ ویرو والوی (امر تسری)
- ③ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ ساہیوال
- ④ فضیلۃ الشیخ محمد امین شنقیطی (مدینہ منورہ)
- ⑤ حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی
- ⑥ فضیلۃ الشیخ علامہ ناصر الدین البانی
- ⑦ فضیلۃ الشیخ علامہ حماد الانصاری (مدینہ منورہ)
- ⑧ ساحتہ الشیخ علامہ عبدالعزیز بن باز مفتی اعظم المملکتہ السعودیہ العربیہ
- ⑨ فضیلۃ الشیخ علامہ محمد عمر

فراغت تعلیم کے بعد حکومت سعودیہ نے نیروبی (افریقہ) میں دعوت و تدریس کے سلسلہ میں بھیجا۔ وہاں آپ نے ۹ سال گزارے۔ اس کے بعد حکومت سعودیہ نے آپ کو لندن بھیج دیا۔ جہاں آپ آج تک دعوت دین کا کام تسلسل اور ذمہ داری سے کر رہے ہیں۔ مولانا صہیب حسن تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ آج تک ان کی درج ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

① اثبات ختم نبوت (تردید قادیانیت) (انگریزی)

Truth About Ahmadiyyat (A. Refutaion of Qadiyaniat.)

② قرآنی قصص کی سلسلہ و ارشاعت (انگریزی)

(THE STUDY OF AL-QURAN (CORRESPONDENCE COURSE)

③ محدثین کا معیار جرح و تعدیل (انگریزی)

AMONG MUSLIM. WITH REFERENDE TO SUNAN/BN

## MAJA , CIRTICISM OF HADITH.

- ۴ اسلام اور اشتراکیت مؤلفہ مولانا مسعود عالم ندوی کا عربی میں ترجمہ
- ۵ مسلمانوں کے قرآن مجید پر حقوق۔ مؤلفہ ڈاکٹر اسرار احمد کا عربی ترجمہ
- ۶ عقیدہ طحاویہ کے متن اور تقدیر پر ایک عربی کتابچے کا انگریزی ترجمہ مع مختصر حواشی

1- THE MUSLIM CREED

2- FAITH IN PREDESTINATION

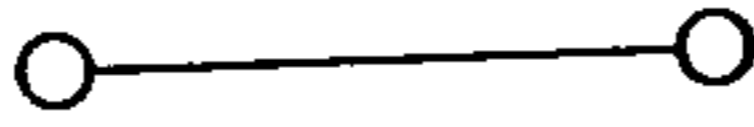
اس کے علاوہ ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم کے اردو، انگریزی ایڈیشن میں ان کے مضامین اردو، انگریزی اور عربی وغیرہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔



(۴)

## علمائے بنارس

(خاندان مولانا سید جلال الدین بناری)



- ۱ سید جلال الدین احمد جعفری ہاشمی
- ۲ سید سعید الدین احمد جعفری
- ۳ سید مجید الدین احمد جعفری
- ۴ سید حمید الدین احمد جعفری
- ۵ سید شہید الدین احمد جعفری
- ۶ سید نذیر الدین احمد جعفری
- ۷ سید بشیر الدین احمد جعفری



## سید جلال الدین احمد جعفری

مولانا سید جلال الدین احمد جعفری ہاشمی بن مولوی سید عبدالاعلیٰ ۱۲۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد اور مولوی احمد اللہ بناری سے کی۔ دہلی میں مولوی اسماعیل سے استفادہ کیا اور حدیث کی تکمیل مولانا شیخ عبدالحق محدث بناری سے کی۔ عمل بالحدیث اور اتباع سنت کا جذبہ انہی کی صحبت میں مستحکم ہوا۔

مولوی خرم علی سے فاتحہ خلف الامام پر آپ کا مشہور مناظرہ ہے۔

آپ بڑے ذہین تھے اور حافظہ قوی تھا۔ رمضان میں صبح ایک پارہ حفظ کرتے اور رات کو بالالتزام تراویح میں سنا دیتے۔

مدت تک بنارس کالج میں مدرس رہے۔ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔ بڑے جامع الکمالات اور صاحب کرامات تھے۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں:

- ① فاتحہ الصواب فی قرأتہ فاتحہ خلف الامام (فارسی)
- ② زبدة اللباب فی قراءة فاتحہ خلف الامام (اردو)
- ③ القول المنصور
- ④ فرہنگ اخوان الصفا
- ⑤ زبدة القوانین (عربی)
- ⑥ شرح کافیہ (عربی)
- ⑦ قواعد اردو

مولانا سید جلال الدین احمد نے ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۳ء میں ۵۸ سال کی عمر میں

انتقال کیا۔

## سید سعید الدین احمد جعفری ہاشمی

مولانا سعید الدین احمد بن مولانا سید جلال الدین احمد ۱۲۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم اپنے والد اور شیخ عبدالحق محدث بناری سے حاصل کی۔ فراغتِ تعلیم کے بعد سیٹاپور کے سکول میں مدرس ہوئے۔ پھر لکھنؤ کے سکول میں مدرس رہے، بعد میں بنارس کالج میں تبادلہ ہو گیا۔

آپ بڑے ذہین اور طباع تھے۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ طب یونانی میں بھی مہارت تھی اور عربی ادب کے بے مثل ادیب تھے۔ تدریس کے بعد جو وقت ملتا، وہ مطالعہ میں گزارتے۔ تلاوت قرآن مجید اور کتب احادیث کا مطالعہ بہت زیادہ کرتے تھے۔

آپ بہت بڑے قبیح سنت تھے۔ ان کا ہر عمل سنت نبوی کا نمونہ ہوتا تھا۔ بنارس کی شاہی مسجد میں آمین بالجہر کی پابندی تھی۔ آپ اس مسجد میں رفع انیدین اور آمین بالجہر کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے اور اس سلسلہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

تصنیف میں ان کی دو کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

① لغات القرآن

② منہاج الفردوس

۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء بنارس میں انتقال کیا۔





## سید مجید الدین احمد جعفری ہاشمی

مولانا سید مجید الدین احمد جعفری ہاشمی ۱۲۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم اپنے بھائیوں سے حاصل کی۔ فارسی کی تعلیم مولوی محمد بخش سے حاصل کی۔ فراغت کے بعد سکول کی ملازمت اختیار کی۔ اپنے والد مولانا سید جلال الدین احمد کی طرح بڑے قبیح سنت تھے۔ اور احیائے سنت میں پیش پیش رہتے تھے۔ بڑے پر آشوب دور میں رفع الیدین اور آمین بالجہر شروع کی۔ جس پر آخری دم تک قائم رہے۔ بڑے عبادت گزار اور درویش منش انسان تھے۔ دنیا سے ہمیشہ بے تعلق رہے۔ ۳۳ سال کی عمر میں سرسام کی بیماری سے ۲۰ جمادی الاول ۱۲۹۸ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۸۷۸ء بنارس میں انتقال کیا۔



## سید حمید الدین احمد جعفری ہاشمی

مولانا سید حمید الدین احمد بن مولانا سید جلال الدین احمد ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد مولانا سید جلال الدین احمد، دادا مولوی شاہ عبدالاعلیٰ اور شیخ عبدالحق محدث بنارس سے تحصیل علوم دیدیہ کی۔ سب سے زیادہ استفادہ آپ نے محدث بنارس سے کیا۔ طب کی تعلیم حکیم نعمت علی سے حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد پٹنہ میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہد پر مامور ہوئے۔ بعد میں مولانا سید جلال الدین کے انتقال کے بعد بنارس کالج میں مدرس ہو گئے۔ مولانا سید حمید الدین احمد بڑے قبیح سنت تھے۔ احیائے سنت میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ نماز ہمیشہ رفع الیدین اور آمین بالجہر سے ادا فرماتے۔ بہت عبادت گزار تھے۔ تہجد کی نماز زندگی بھر نہیں چھوڑی۔

بدعات اور محدثات سے سخت متنفر تھے۔

آپ کا مکان ہمیشہ علمائے اہلحدیث کا ملجا و ماویٰ رہا۔ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا حافظ ابراہیم آروی اور مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی رحمہم اللہ جمعین جب کبھی بنارس تشریف لاتے تو آپ کے مکان پر ہی فروکش ہوتے۔

مولانا سید حمید الدین نے ۵۸ سال کی عمر میں ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں بنارس میں

وفات پائی۔



## سید شہید الدین احمد جعفری ہاشمی

مولانا سید شہید الدین احمد بن مولانا سید جلال الدین احمد ۱۲۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی فارسی اور عربی کی تعلیم مولوی عبدالرب جون پوری اور مولوی محمد بخش بناری سے حاصل کی۔ بعد ازاں مولانا حمید الدین احمد اور مولانا شیخ عبدالحق محدث بناری سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔ فراغتِ تعلیم کے بعد ریواں ہائی سکول میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ آپ تعمیر مساجد اور رفاہی کاموں میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ ریواں ہائی سکول میں آپ ۶ سال تک رہے۔ اس کے بعد بنارس کالج میں مدرس ہو گئے اور ۲۴ سال تک اس کالج میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد تھیا سو فیکل کالج بنارس میں تدریس پر مامور ہوئے اور ۵ سال تک اس کالج میں تدریس کی۔

مولانا سید شہید الدین بہت عمدہ منصف بھی تھے۔

آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

- ۱) واعظ نماز      ۲) ترغیب تہجد      ۳) نکاح بیوگان      ۴) عمدہ لغات القرآن

صاحب تراجم علمائے حدیث نے ان کی کچھ اور تصانیف کے نام لکھے ہیں:  
مثلاً تحفۃ الحفاظ، معلم اللسانین (عربی و فارسی)، شہید اللغات، حنفی وہابی کی پہچان،  
تذکرہ تانیث اردو وغیرہ۔

آپ نے ۲۳ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹/۱۰/۱۹۱۸ء بنارس میں انتقال کیا۔



## سید نذیر الدین احمد جعفری ہاشمی

مولانا سید نذیر الدین بن مولانا سید حمید الدین بن مولانا سید جلال الدین ۶ جمادی  
الثانی ۱۲۸۴ھ بنارس میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ”مظہر الحق“ تھا۔ مولانا قاضی محمد مچھلی شہری  
، مولانا شیخ عبدالحق بناری، مولانا حافظ عبد اللہ محدث، مولوی سید عبد اللہ بلگرامی، مولانا محمد  
سعید بناری، حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی اور علامہ حسین بن محسن انصاری  
الیہانی سے آپ نے مختلف علوم و فنون میں استفادہ کیا۔ انگریزی زبان پر بھی انہیں مکمل عبور  
تھا۔ بعد فراغت مختلف سرکاری محکموں میں ملازم رہے اور آخر عربی مدارس کو مزین فرمایا۔  
مدرسہ شاہجہانی بھوپال، مدرسہ سلفیہ، رور بھنگہ اور بنارس میں درس و تدریس فرمائی۔  
تصانیف میں ان کی درج ذیل کتابیں ہیں:

- |   |                           |   |               |
|---|---------------------------|---|---------------|
| ① | ترجمہ و شرح شفا قاضی عیاض | ② | کرامات اولیاء |
| ③ | تحفہ اخبار                | ④ | تذکرہ الاعلیٰ |

آپ نے ۱۲/۱۲/۱۳۵۳ھ مطابق ۳۱/۳/۱۹۳۴ء کو بنارس میں انتقال کیا۔



## سید بشیر الدین احمد جعفری ہاشمی

مولانا سید بشیر الدین بن سید شہید الدین بن سید جلال الدین علمائے فحول میں سے تھے۔ ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ مولوی رحمان علی قاضی ریاست ریواں سے تعلیم کا آغاز کیا۔ دینی تعلیم مولانا محمد سعید محدث بنارس سے حاصل کی۔ ذریعہ معاش کے لیے محکمہ تعلیم کو پسند کیا۔ بلرام پورا عظیم گڑھ کے ہائی سکولوں میں ہیڈ مدرس رہے۔ بعد ازاں مشن کالج گورکھ پور میں پروفیسر ہو گئے۔

گورکھ پور میں آپ کو ثقل سماعت کا عارضہ شدید لاحق ہوا۔ جس کی وجہ سے سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور بنارس آ گئے۔

بنارس کے مدرسہ سعیدیہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اور بعد ازاں الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ علوم شرقیہ میں تدریس فرمائی۔ کئی سال سکولوں اور کالجوں کے شعبہ امتحانات کے ممتحن بھی رہے۔

آپ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

- ① تفریق الاسلام
- ② بشیر اللغات (عربی، فارسی، اردو، انگریزی)
- ③ نگارستان



(۵)

## علمائے بنارس

(خاندان مولانا محمد سعید بناری)



محمد سعید بناری	۱	عبدالرحمن	۲
ابوالقاسم سیف بناری	۳	ابومسعود قمر بناری	۴
قاری احمد سعید بناری	۵	عبدالآخر بناری	۶



## محمد سعید بنارسى

مولانا محمد سعید کنجاہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ سکھ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا سابقہ نام سردار مول سنگھ تھا۔ والد کا نام کھڑک سنگھ جو گوجرانوالہ میں پوسٹ ماسٹر تھے۔

مولانا شیخ عبید اللہ نو مسلم صاحب تحفۃ الہند کی تحریک پر اسلام قبول کیا اور دارالعلوم دیوبند جا کر داخل ہو گئے۔ وہاں آپ نے صرف و نحو، فقہ، منطق، فلسفہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی کا سفر اختیار کیا۔ حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین سے تفسیر و حدیث کی تحصیل کی۔ اس کے بعد مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بقیہ کتب درس پڑھیں۔ اس کے بعد آپ حجاز تشریف لے گئے۔ حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی اور شیخ معمر عباس بن عبدالرحمن تلمیذ قاضی شوکانی سے بھی حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔

حجاز سے واپسی کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مولانا حافظ ابراہیم آروی کے مدرسہ احمدیہ آرہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ مدرسہ احمدیہ آرہ میں آپ کا قیام زیادہ نہ رہا۔ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کی تحریک پر بنارس تشریف لے گئے۔ اور وہاں آپ نے مدرسہ سعید یہ کے نام سے ایک درسگاہ کی بنیاد رکھی اور درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔

بنارس کے قیام میں علمائے احناف نے آپ کو بہت زچ کیا۔ آپ سے مناظرے و مباحثے بھی کیے۔ مصائب و آلام سے دوچار کیا، لیکن آپ کے پائے ثبات استقلال میں لغزش نہ آئی۔ آپ نے بڑے تحمل و صبر سے ان کا مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قدم پر کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا۔

مولانا محمد سعید بہت بڑے مناظر بھی تھے۔ علمائے احناف سے آپ کے کئی تحریری و تقریری مناظر ہوئے۔

ایک تقلیدی عالم مولوی عبدالرحمن پانی پتی نے ایک رسالہ بنام ”کشف الحجاب“ لکھا جس میں حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین دہلوی اور محی السنۃ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں پر طعن و تشنیع کی گئی تھی۔ مولانا محمد سعید بنارس نے اس کے جواب میں ”ہدایۃ المرتاب“ لکھی جس میں پانی پتی کے تمام اعتراضات کا دلائل سے جواب دیا۔

نواب صاحب نے اس جواب کو اس قدر پسند فرمایا کہ پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ اشاعت و تبلیغ کی غرض سے ایک مطبع ”بنام سعید المطابع“ قائم کیا۔ اس مطبع نے توحید و سنت کی حمایت اور شرک و بدعت کی تردید میں لاکھوں ورق شائع کیے۔

مولانا محمد سعید بنارس نے ۱۸/رمضان ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۷/نومبر ۱۹۰۴ء بنارس میں انتقال کیا۔

مولانا محمد سعید بنارس صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

- (۱) کشف المغطا عن ازالته الخفاء، (۲) طریق النجاہ لاهل الصلاح فی جواب طریق الفلاح، (۳) کسر العری باقامتہ الجمعۃ فی القری، (۴) برہان الجلی فی رد والدلیل القوی، (۵) تعلیم المبتدی فی تحقیق القراءة للمقتدی، (۶) لقطع جبل بالتامین بالرد علی القول المتین، (۷) السکین تقطع جبل المتین، (۸) سیف الموحدين علی عنق ردا السکین، (۹) الرد لرد الرد مع ابداء العرة لمولف القرۃ، (۱۰) الاخبار لجواب الاشتہار، (۱۱) کشف المستور عن لرد مرزا پور، (۱۲) ازالہ الثین عن جلاء العین، (۱۳) رد التردید الی اهل برد مع قرۃ العین برد ما وقع فی ضیاء العین، (۱۴) اکرام اهل الایمان، (۱۵) ثبوت تحریری اثاوه مقدمہ التقليد، (۱۶) فتاویٰ سعیدیہ، (۱۷) دفع العظیم عن حدیث رسول اکرم، (۱۸) خلاصہ المعتقد والمنقذ،

(۱۹) الفوائد التحقیقہ من الدرر التفریظہ (۲۰) عمارة المساجد بھدم اساس  
جامع الشواہد، (۲۱) توثیق الحد السدید جوابا علی رسالہ التحقیق المزیذ،  
(۲۲) رد الجواب علی وجہ المرتاب، (۲۳) کیفیت مناظرہ مرشد آباد، (۲۴) کیفیت  
مناظرہ جونا گڑھ، (۲۵) جواب الجواب سوالات خمسہ، (۲۶) اعلام اہل  
الانصاف عما صدر عن مؤلف تحفت الاحناف، (۲۷) ہدایہ المرتاب برد فی  
کشف الحجاب، (۲۸) اقبال الحی رد عبدالحی، (۲۹) کشف الارتیاب عن  
اجوبتہ المرتاب، (۳۰) السعی المقبول برد اجابۃ المسؤل، (۳۱) سیف  
الابرار علی رأس الاشرار فی جواب فتح الاخیار، (۳۲) توبہ نامہ، (۳۳) کیف  
مقدمات مسجد بڑتے بنارس، (۳۴) ترجمہ فیصلہ مولانا مبارک حسین مصنف بنارس۔



## عبدالرحمن

مولانا عبدالرحمن بن مولانا محمد سعید بناری ۶ شعبان ۱۳۱۷ھ کو بنارس میں پیدا  
ہوئے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا سید عبدالکبیر بہاری، مولانا حکیم عبدالمجید بناری، مولانا  
سید جلال الدین احمد جعفری ہاشمی اور اپنے والد ماجد مولانا محمد سعید بناری سے حاصل کی۔  
فراغت کے بعد متاہلانہ زندگی میں ایسے اُلجھے کہ درس و تدریس کی طرف توجہ نہ دے  
سکے۔ اور ۳۶ برس کی عمر میں ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۲/ مارچ ۱۹۲۵ء کو سفر آخرت  
اختیار کیا۔





## محمد ابوالقاسم سیف

مولانا ابوالقاسم سیف بناری بن مولانا محمد سعید بناری علمائے فحول میں تھے۔ جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم دین، مناظر، مدرس، خطیب، مصنف، صحافی اور ممتاز سیاستدان تھے۔ ایک زمانہ تھا کہ برصغیر میں تین علمائے اہلحدیث کا طوطی بولتا تھا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا ابوالقاسم سیف بناری۔ مولانا ابوالقاسم حکیم شوال ۱۳۰۷ھ کو محلہ دارانگر میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ”فضل قادر“ تھا۔

۷ سال کی عمر میں قرآن مجید سے تعلیم کا آغاز ہوا اور اس کے بعد بالالتزام حفظ کیا۔ مولانا ابوالقاسم بناری نے جن اساتذہ کرام سے جملہ علوم اسلامیہ میں تحصیل کی ان کے نام یہ ہیں:

مولانا سید عبدالکبیر بہاری، مولانا سید نذیر الدین احمد جعفری ہاشمی، مولانا حکیم عبدالجمید بناری، مولانا محمد سعید محدث بناری، مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی، مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی، شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، اور علامہ شیخ حسین بن محسن انصاری الیمانی۔

مولانا ابوالقاسم ۱۶ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے اور اس کے بعد اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ سعید یہ بنارس میں تدریس پر مامور ہوئے۔ آپ نے ساری زندگی تدریس فرمائی اور ۴۰ مرتبہ سے زیادہ صحیح بخاری و مسلم کا درس دیا۔

درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے ساتھ کتاب و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید و توثیح کے سلسلہ میں اک ماہنامہ رسالہ بنام ”السعید“ جاری کیا۔ مگر یہ رسالہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔

مولانا ابوالقاسم سیف بناری ایک کامیاب مناظر اور مبلغ تھے۔ عیسائیوں، آریہ سماج،

قادیانوں، شیعوں، اہل بدعت اور منکرین حدیث سے کئی مناظرے کیے۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کو منظم و فعال بنانے میں ان کی خدمات نمایاں ہیں۔ آپ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے بلا تخریج سفیر اور واعظ تھے۔

۱۹۳۲ء میں مولانا عبدالجید سوہدروی نے سوہدرہ میں تین روزہ اہلحدیث کانفرنس کا انعقاد کیا، تو اس میں آپ سوہدرہ تشریف لائے تھے۔ مولانا ابوالقاسم بناری حدیث کے معاملہ میں معمولی سی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ حدیث نبوی ﷺ سے آپ کو بہت زیادہ محبت تھی۔ پٹنہ کے ایک عالی مقلد مولوی عمر کریم نے حدیث صحیح بخاری اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر بے جا قسم کے اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا اور چند ایک رسائل اور اشتہار شائع کیے۔ مولانا ابوالقاسم نے ان سب رسائل اور اشتہارات کا جواب دیا۔

مولانا ابوالقاسم بناری نے ۲۵ نومبر ۱۹۴۹ء مطابق ۴ صفر ۱۳۶۹ھ کو انتقال کیا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

”مولانا ابوالقاسم نے اپنے دور میں بڑی شہرت پائی۔ تقریر و تحریر میں ان کا مقام بہت اونچا تھا۔ تدریس و تصنیف میں بھی انہوں نے بڑا نام پایا۔ بہت سے حضرات نے ان سے تحصیل علم کی اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا باعث بنے۔ سیاست میں بھی ان کا دائرہ وسیع تھا۔ آزادی وطن کے لیے بار بار جیل میں گئے اور سزائیں جھیلیں۔ عالی دماغ، بلند ذہن اور اونچے فکر و خیال کے عالم تھے۔ زبان کے پیٹھے، دل کے صاف اور عمل و کردار میں اپنی مثال آپ تھے۔“

مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم نے مولانا ابوالقاسم بناری کے انتقال پر حسب ذیل تعزیتی شذرہ لکھا۔ شذرہ کا عنوان تھا:

آہ! مولانا ابوالقاسم سیف بناری:

جوبادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی  
قیس کی موت تنہا آدمی کی موت نہیں۔ اس کے مرنے سے تو پوری قوم کی عمارت گر

پڑی۔

شکوہ اللہ سے ہے، لوگوں سے نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ زمین کی آبادیاں جوں کی توں قائم ہیں اور دوست ہیں چلے جا رہے ہیں۔

دوستو! موت کے سوا اور کوئی مصیبت ہوتی تو اس کا گلہ اور چارہ سازی بھی ہوتی۔ موت پر کیا گلہ؟

علمی حلقوں میں بالعموم اور جماعت اہل حدیث میں بالخصوص یہ خبر بڑے حزن و ملال سے سنی جائے گی۔ کہ حضرت العلام ابوالقاسم صاحب سیف بناری ۲۲ صفر ۱۳۶۹ھ کو جمعہ کے روز ۱۲ بجے فالج کے شدید حملہ سے چل بسے۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

مرحوم یگانہ روزگار عالم شیوا بیان مقرر اور نکتہ سنج مناظر تھے۔ حدیث و فقہ کی جزئیات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ اسلامی تاریخ جن سے علمائے عربی کو بہت کم لگاؤ ہوتا ہے۔ مولانا کا خاص موضوع تھا۔ اور پھر اسلامی تاریخ کا وہ حصہ جس کا تعلق محدثین کے سیر و سوانح سے ہے وہ تو گویا انہیں از بر تھا۔ وقت کی تمام علمی و سیاسی تحریکوں میں نمایاں حصہ لیا، ابتداء ہی سے جمعیت علمائے ہند کے ساتھ رہے اور کئی بار جیل بھی گئے۔

علمی کمالات کے ساتھ ساتھ نہایت محبوب شخصیت رکھتے تھے۔ جس دوست سے ایک مرتبہ ملے اسے ہمیشہ کے لیے گرویدہ بنا لیا۔ آخری بار مرحوم سے مؤائمہ (اعظم گڑھ) میں ملاقات ہوئی۔ کتنا اخلاص، کتنی اپنائیت اور کس درجہ تواضع کے مناظر دیکھنے میں آئے۔ اللہ! اب یہ مواقع کہاں ملیں گے۔

نظر یہ اہل حدیث سے تو مرحوم کو عشق تھا۔ جب تک زندہ رہے اس کی اشاعت و تبلیغ میں کوشاں رہے۔

مرحوم ”غنیمت کنجاہی“ کے تاریخی گاؤں کنجاہ (گجرات، پاکستان) کے ایک غیر مسلم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت سے اور صلاح و

تقویٰ کی بہت بڑی مقدار سے نوازا۔ اور ان پر اللہ تعالیٰ کا دو گونہ فضل تھا۔ یعنی عقیدہ و عمل کی صحت کے ساتھ علم و فضل کی برکتیں بھی ارزانی ہوئیں۔

ان کی رحلت سے جو جگہ خالی ہوئی ہو وہ آسانی سے پُر نہ ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کی بارش برسائے۔

### تصانیف:

مولانا ابوالقاسم سیف بناری ایک کامیاب مصنف بھی تھے۔ آپ صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- (۱) جمع القرآن والحديث، (۲) اللؤلؤ والمرجان فی تکلم المرآة
- بآیات القرآن، (۳) قضیه الحدیث فی حجية الحدیث، (۴) لؤلؤ الشرع فی حدیث ام زرع، (۵) حصول المرام (عربی، اردو)، (۶) اربعین محمدی،
- (۷) حسن الصناعة فی صلوة التراویح بالجماعة، (۸) تحریر الطرفين فی صلوة التراویح و تکبیر العیدین، (۹) هداية السائل الی احادیث وائل،
- (۱۰) نافع الاحناف، (۱۱) احسن المسائل، (۱۲) روز مرہ مسائل ضروریہ،
- (۱۳) کسوٹی معیار اسلام، (۱۴) سوالات از علمائے دین، (۱۵) السعید (ٹریکٹ نمبر ۱)،
- (۱۶) بارہ سوالات کے جوابات، (۱۷) حکم الحاکم فی کنیته ابی القاسم،
- (۱۸) الافکار علی الاذکار، (۱۹) حل مشکلات بخاری مسمی بہ الکوثر الجاری فی جواب الجرح علی البخاری (۳ جلد)، (۲۰) لامر المبرم لابطال المحکم (۲۱) ماء حمیم للمولوی عمر کریم، (۲۲) صراط مستقیم لهدایة عمر کریم، (۲۳) الریح العقیم لحسم بناء عمر کریم، (۲۴) الخزی العظیم للمولوی عمر کریم، (۲۵) العرجون القديم فی افشاء عمر کریم، (۲۶) الجرح علی ابی حنیفہ، (۲۷) السیر الحیثیت الی براءة اهل الحدیث،
- (۲۸) دفع بهتان العظیم، (۲۹) ترجمہ کتاب الرد علی ابی حنیفہ،

(۳۰) قشف الشرفی رد کشف السر، (۳۱) شرعی باز پرس در فتوی جواز عرس، (۳۲) الصول السدید علی مصنف القول السدید، (۳۳) البتدید لما فی الہتدید، (۳۴) رمی الجمرتین علی شاک کلمہ الشہادتین (۲ جلد)، (۳۵) جمع الرسالتین فی النہی عن قرأۃ الفاتحۃ علی القبور والضممتین برفع الیدین مع الکریمتین، (۳۶) ایضاح المنہج لمؤلف اقامتہ الحج، (۳۷) صعود المنجیق علی صاحب الحق الحقیق، (۳۸) البرزخ فی روالا نموذج، (۳۹) علاج درماندہ در کیفیت مباحثہ ثاندہ، (۴۰) ذکر اہل الذکر، (۴۱) التنقید فی رد التقليد، (۴۲) تحفته الصبور علی الغفور، (۴۳) تبصرہ، (۴۴) جمع المسائل والعقائد، (۴۵) تنقید المعیار، (۴۶) اجتلاب المنفقہ لمن يطالع احوال الائمہ الاربعہ، (۴۷) تذکرۃ السعید، (۴۸) سفر بیت اللہ، (۴۹) زبان عرب، (۵۰) الاصباح فی رد الايضاح (عربی)، (۵۱) عمدۃ التحریر فی جواب المنیر وصاحب التفسیر (عربی)، (۵۲) لیکچر، (۵۳) اظہار حقیقت، (۵۴) مرزائیت، (۵۵) قضاء ربانی بردعا القادیانی (فیصلہ)، (۵۶) جواب دعوت، (۵۷) مولوی غلام احمد قادیانی کے بعض سوالات پر ایک نظر، (۵۸) معیار نبوت، (۵۹) نور اسلام جواب ظہور اسلام، (۶۰) دفع ادھام از ظہور امام، (۶۱) سوء الطریق، (۶۲) ایضاح الطریق لصاحب التحقیق، (۶۳) تعلیم الاسلام، (۶۴) الجوانز



## ابومسعود قمر

مولانا ابومسعود قمر بناری مولانا محمد سعید بناری کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ اپنی کنیت اور تخلص سے اتنے مشہور ہوئے کہ ان کے نام محمود سے شاید ہی کوئی واقف ہو، بقول حسرت:

عشق نے جب سے کہا حسرت مجھے  
کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو بنارس میں پیدا ہوئے۔ مولانا ابومسعود قمر بناری نے جملہ علوم اسلامیہ کی تعلیم مولانا سید عبدالکبیر مرحوم بہاری، مولانا حکیم عبدالحمید بناری، مولانا سید نذیر الدین احمد جعفری، مولانا عبدالرحمن دہلوی (شاہ پوری)، مولانا ابوالقاسم بناری اور مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی سے حاصل کی اور حدیث کی سند و اجازت مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری اور علامہ شیخ حسین بن محسن انصاری سے لی۔ آپ نے الہ آباد یونیورسٹی سے ”ملا فاضل“ اور پنجاب یونیورسٹی سے ”مولوی فاضل“ کے امتحانات امتیازی نمبروں میں پاس کیے۔

شعرو سخن کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے اور اسی سلسلہ میں مولانا عبدالرؤف عشرت لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

تکمیل تعلیم کے بعد چند سی ضلع مراد آباد کالج میں پروفیسر اسلامیات مقرر ہوئے اور اپنی ساری زندگی اسی کالج میں بسر کر دی۔ کالج کی تدریس کے ساتھ دین اسلام کی اشاعت اور مسلک اہل حدیث کی اشاعت و تائید و حمایت میں بھی سرگرم عمل رہے۔ اہلحدیث کانفرنسوں میں پابندی سے شریک ہوتے تھے۔

مولانا قمر بناری اپنے مسلک (اہلحدیث) میں بہت زیادہ متشدد تھے۔ سیاسی اعتبار سے کانگریس سے وابستہ رہے اور تحریک آزادی وطن میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ کئی بار

اسیر زندان بھی ہوئے۔ ان کی دینی و ملی اور سیاسی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے چندوسی ہی میں ۱۹۷۱ء میں وفات پائی۔



## قاری احمد سعید

مولانا احمد سعید بن مولانا محمد سعید بناری ۹ شعبان ۱۳۰۹ھ بنارس میں پیدا ہوئے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا سید عبدالکبیر بہاری، مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی، مولانا عبدالرحمن شاہ پوری، مولانا عبدالمنان بقاغازی پوری اور اپنے والد مولانا محمد سعید بناری سے حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے کلکتہ کے ایک دینی مدرسہ میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد بمبئی چلے گئے اور وہاں بھی ایک دینی مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ اس کے بعد مدین پورہ بنارس کے مدرسہ میں آگئے اور اپنی ساری زندگی اسی مدرسہ میں گزار دی۔

مولانا قاری احمد سعید بناری نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ وعظ و تبلیغ کی طرف بھی توجہ کی۔ بنارس اور اس کے گرد و نواح میں مسلک اہلحدیث کی اشاعت اور توحید و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید و توبیح میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔

مولانا قاری احمد سعید بناری کی ساری زندگی درس و تدریس اور دعوت و ارشاد اور وعظ و تبلیغ میں گزری۔ اس لیے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ تاہم ایک کتاب ”تعلیم القرآن“ کے نام سے مرتب فرمائی۔

آپ نے دسمبر ۱۹۷۲ء میں بنارس میں انتقال کیا۔



## عبدالآخر

مولانا عبدالآخر بن مولانا محمد سعید بناری ۱۷ محرم ۱۳۲۱ھ بنارس میں پیدا ہوئے۔  
 مولانا سید عبدالکبیر بہاری، مولانا عبدالجید بناری، مولانا سید نذیر الدین احمد جعفری اور  
 مولانا ابوالقاسم بناری سے جملہ علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔ مدرسہ فیض عام منو (اعظم  
 گڑھ) میں بھی رہے۔ تکمیل کے بعد دانا پور (بہار) کے ایک مدرسہ میں تدریس پر مامور  
 ہوئے۔ بعد میں اپنے آبائی مدرسہ سعیدیہ بنارس میں تدریس فرماتے رہے۔ ۱۹۷۴ء میں  
 وفات پائی۔





(۶)

## لکھوی خاندان

حافظ محمد لکھوی	۲	حافظ بارک اللہ لکھوی	۱
محمد علی مدنی لکھوی	۳	محمی الدین عبدالرحمن لکھوی	۳
معین الدین لکھوی	۶	محمی الدین لکھوی	۵
عطاء اللہ لکھوی	۸	عبدالقادر لکھوی	۷
حبیب الرحمن لکھوی	۱۰	عبدالرحمن لکھوی	۹
عزیز الرحمن لکھوی	۱۲	شفیق الرحمن لکھوی	۱۱
		حفیظ الرحمن لکھوی	۱۳



## حافظ بارک اللہ لکھوی

حافظ بارک اللہ بن حافظ احمد بن حافظ محمد امین ۱۱۵۶ھ مطابق ۱۷۴۳ء موضع لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی ابتداء حفظ قرآن مجید سے ہوئی۔ چنانچہ حفظ قرآن مجید اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد حافظ احمد صاحب سے پڑھیں۔

تصوف کی سند اسماعیل لاہوری اور بعد ازاں مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی سے حاصل کی اور ان کی بیعت ہوئے۔ یہ سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ تھے۔

حافظ بارک اللہ تقویٰ و طہارت زہد و ورع، امانت و دیانت کا پیکر تھے۔ اکل طیب کا خاص خیال رکھتے تھے۔

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا پختی سے کار بند تھے۔ اور اکل طیب کو عبادت سے مقدم خیال فرماتے۔ بہت بڑے عبادت گزار، خلوت پسند، کم سخن اور درویش صفت انسان تھے۔ للہیت، خدا خونی جیسے اوصاف حمیدہ سے متصف تھے۔ صاحب کمالات و کرامات تھے۔ حق گوئی اور بے باکی میں بلند مرتبہ تھے۔ اہل اقتدار سے ملنے سے ہمیشہ گریز فرماتے تھے۔

۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۹ء میں حافظ بارک اللہ لکھوی، نواب جمال الدین خاں سے ناراض ہو کر موضع حاصل پور متصل ہیڈ سلیمانکی رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ اس زمانہ میں تحریک مجاہدین زور و شور سے جاری تھی۔ حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی بالا کوٹ کے علاقہ میں جہاد کی تیاریوں میں مصروف تھے اور بعض کارکنان خفیہ طور پر مسلمانوں کے لیے چندہ جمع کرنے میں مصروف تھے۔

مولانا غلام رسول مہر مرحوم لکھتے ہیں:

”چنانچہ اسی اثناء میں سید جعفر علی نقوی (م ۱۲۸۸ھ) ریاست ممدوٹ کے نواب

صاحب کے پاس پہنچے تو نواب جمال الدین خاں اس زمانہ میں رئیس تھا۔ اس کے بھائی شمس الدین کی معرفت درخواست کی گئی کہ دریائے ستلج سے پار اترنے کا بندوبست کیا جائے۔ تیسرے روز نواب سے ملاقات ہوئی تو اس نے صاف جواب دے دیا اور بولا کہ اسی طرح میں سکھوں کی سرکار میں بدنام ہو جاؤں گا۔ ناچار سید جعفر علی نے ممدوٹ سے بہاول پور کا قصد کیا۔ راستے میں بارک اللہ نام کے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جو اس ممدوٹ سے ناراض ہو کر ریاست بہاولپور کے حدود میں جا بیٹھا تھا۔“

مولانا مہراپنی دوسری تصنیف سرگزشت مجاہدین میں اس طرح لکھتے ہیں کہ:  
 ”سید جعفر علی نقوی ۱۲۳۵ھ میں مجاہدین کا ایک قافلہ لے کر سید صاحب کی خدمت میں سرحد کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ریاست بہاولپور سے گزرتے ہوئے حافظ بارک اللہ سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ یہ حافظ صاحب کی جلاوطنی کا زمانہ تھا۔“

نواب جمال الدین خاں کی والدہ نے نواب صاحب سے کہا کہ حافظ بارک اللہ ولی اللہ ہیں تم نے ان کو ناراض کر کے کوئی اچھا نہیں کیا۔ تم ان کو واپس اپنی ریاست میں لے آؤ۔ چنانچہ نواب صاحب حافظ بارک اللہ صاحب کو واپس لکھو کے لے آئے اور معافی کا خواستگار ہوا۔ اور بطور نذرانہ لکھو کے کا رقبہ حافظ صاحب کو پیش کیا۔ حافظ صاحب نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ”ہمیں ایسی زمین کی ضرورت نہیں کہ جس کا لگان حکومت کو ادا کرنا پڑے۔ چنانچہ نواب صاحب نے وہ زمین جو پہلے حافظ بارک اللہ کے والد حافظ احمد صاحب کو عطا ہوئی تھی اور جس کا لگان معاف تھا، حافظ بارک اللہ کو واپس کر دی۔ یہ زمین تقسیم ملک کے وقت تک حافظ بارک اللہ کے پاس تھی۔“

حافظ بارک اللہ آخری عمر میں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو گئے۔ آپ نے ۱۱۰ برس کی عمر میں ۱۲۶۶ھ میں انتقال کیا۔

## حافظ محمد لکھوی

مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی ۱۲۲۱ھ لکھو کے ضلع فیروز میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے کیا۔ علوم مروجہ میں صرف و نحو، منطق، معانی، فقہ، اصول فقہ، تجوید و قرأت وغیرہ اپنے والد حافظ بارک اللہ سے پڑھے۔ اس کے بعد لدھیانہ جا کر مولوی محمد بن عبدالقادر سے استفادہ کیا۔

حدیث کی تحصیل پہلے مولانا احمد علی سہارن پوری سے کی۔ بعد میں مولانا شاہ عبدالغنی مجددی سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے بعد حافظ صاحب مولانا سید عبداللہ غزنوی اور مولانا غلام رسول قلندری کے ہمراہ شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث کی تکمیل کی۔

دہلی سے تکمیل تعلیم کے بعد واپس اپنے وطن لکھو کے آئے اور مدرسہ محمدیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی، اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ساری زندگی اس مدرسہ میں قرآن و حدیث کی تدریس فرمائی۔

حافظ لکھوی ایک عظیم مدرس اور معلم تھے۔ تمام علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ میں ان کی نظر وسیع تھی۔ ایک دینی مدرس اور معلم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب کمالات و کرامات تھے اور پنجابی کے شاعر بھی تھے۔ آپ کی تمام تصانیف پنجابی نظم میں ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر پنجابی نظم میں بنام ”تفسیر محمدی“ لکھی۔ اس کے علاوہ احوال الآخرت، زینت الاسلام اور انواع محمدی، پنجابی نظم میں آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ حافظ صاحب نے حواشی سنن ابی داؤد (عربی) اور تعلیقات علی مشکوٰۃ المصابیح (عربی) بھی آپ کی تصانیف ہیں۔

حافظ صاحب کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھوی، مولانا عبدالقادر لکھوی، مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی، مولانا رحیم بخش لاہوری، مولانا محمد سلیم لکھوی (برادر خورد)، مولانا عبدالوہاب صدیقی دہلوی۔

حافظ صاحب نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ شرک و بدعت کی تردید و توثیح اور کتاب و سنت کی اشاعت میں آپ نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ آپ کی تدریسی و تبلیغی خدمات کا اعتراف آپ کے استاد شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی نے بھی کیا ہے۔

۱۳۱۹ھ میں مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے ملاقات کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ حضرت میاں صاحب کی بینائی کچھ کمزور ہو چکی تھی، حافظ عبدالمنان صاحب حضرت میاں صاحب کے سامنے السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گئے اور میاں صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے پہچانا ہے۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا: ہاں پہچان لیا ہے۔ تم عبدالمنان وزیر آبادی ہو۔ اس کے بعد میاں صاحب نے حافظ عبدالمنان سے فرمایا:

”عبدالجببار غزنوی، حافظ محمد لکھوی اور تم نے پنجاب میں توحید و سنت کی اشاعت کر کے میرے دل کو ٹھنڈک پہنچائی ہے۔ اور مجھے اللہ کی جانب سے پوری امید ہو گئی ہے کہ وہ مجھے نجات دے گا۔“

حافظ محمد لکھوی بڑے صالح، عبادت گزار، درویش، خلیق، ملنسار اور زاہد و عابد تھے۔ مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی آپ کے معاصر تھے۔ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

((وَالْعَالِمُ الْكَامِلُ الصَّالِحُ مُحَمَّدُ بْنُ بَارَكٍ اللَّهُ لَكَهْوِي الْفُنْجَابِي))

”یعنی عالم کامل، صالح بن صالح محمد بن بارک اللہ لکھوی پنجابی۔“

حافظ محمد لکھوی نے ۹۰ سال کی عمر میں ۱۳ صفر ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۷ اگست ۱۸۹۳ء

لکھو کے ضلع فیروز پور میں انتقال کیا۔ ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط﴾

## محی الدین عبدالرحمن لکھوی

مولانا محی الدین بن حافظ محمد لکھوی ایک عالم باعمل، متبع سنت، ملہم اور صوفی تھے۔ مولانا سید عبداللہ غزنوی سے فیوض برکات حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں پیدل غزنی حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے ان کا نام محی الدین سے بدل کر عبدالرحمن رکھ دیا۔ اور اس کے بعد وہ محی الدین عبدالرحمن کے نام سے مشہور ہوئے۔

مولانا محی الدین عبدالرحمن ۱۲۵۲ھ میں لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ ۸ سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا۔ ۱۳ سال کی عمر میں کادنا کتابیں پڑھ لیں اور ۷ سال کی عمر میں دہلی تشریف لے گئے اور مولانا بشیر الدین قنوجی اور منتقی صدر الدین دہلوی سے اکتساب فیض کیا۔

دہلی میں فراغت تعلیم کے بعد واپس لکھو کے آ کر اپنے والد بزرگوار کے قائم کردہ مدرسہ محمدیہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اسی اثناء میں علم آخرت اور سلوک کا شوق پیدا ہوا۔ تین سال کی ریاضت کے بعد اپنے خادم کے ہمراہ بسوئے غزنی مولانا سید عبداللہ غزنوی سے ملاقات اور ان سے اکتساب فیض کے لیے پیدل روانہ ہوئے۔ غزنی میں مولانا سید عبداللہ غزنوی سے ملاقات ہوئی تو آپ کے خادم نے مولانا عبداللہ غزنوی کی خدمت میں عرض کی:

”پدرایں در پنجاب چراغ است“

مولانا عبداللہ غزنوی نے فرمایا:

”ایں ان شاء اللہ آفتاب خواهد شد“

مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھوی بڑے خدا رسیدہ، عابد، ذاکر، شب زندہ دار، کم سخن، راست باز اور مجاہد انسان تھے۔ تصنع و تکلف سے بالکل مبرا تھے۔ بڑے متبع سنت تھے۔ اکثر خاموش رہتے مگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر ضرور بولتے۔ ساری زندگی کسی کی غیبت نہیں

کی۔ آسب زدہ مریض آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فوراً شفا یاب ہو جاتے۔ تصنیف میں اردو اور پنجابی نظم میں سات آٹھ رسالے لکھے۔ امام نووی کی اربعین نووی کا ترجمہ پنجابی نظم میں کیا۔ اور ”مسلم الثبوت“ پر حواشی بھی لکھے۔

۱۵ شعبان ۱۳۱۲ھ کو ارادہ حج سے بیت اللہ پہنچے۔ عمرہ ادا کیا۔ اور مدینہ کے سفر پر روانہ ہوئے، راستہ میں مرض ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ کو مدینہ میں انتقال کیا اور بقیع الغرقہ میں دفن ہوئے۔



## محمد علی مدنی لکھوی

مولانا محمد علی لکھوی مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھوی کے صاحبزادے تھے۔ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں سکول میں داخل ہوئے۔ اور وہاں صرف تین جماعتیں پڑھیں۔ اس کے بعد انہیں دینی تعلیم حاصل کرنے لگے اور آپ اپنے آبائی مدرسہ محمدیہ میں داخل ہوئے۔ مولانا عبدالقادر لکھوی سے صرف و نحو اور دیگر علوم کی بعض کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ غزنویہ امرتسر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے مولانا سید عبدالجبار غزنوی اور بعض دوسرے اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا۔ مدرسہ غزنویہ امرتسر سے آپ وزیر آباد تشریف لائے اور استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی سے درس حدیث لیا اور سند حاصل کی۔ مولانا عبدالواحد غزنوی کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے فیض حاصل کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد اپنے آبائی مدرسہ میں تعلیم پر مامور ہوئے اور کافی عرصہ آپ نے اس مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء میں پہلی بار حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں دس ماہ قیام

رہا۔ پھر مسلسل آنا جانا رہا۔ کبھی دو سال بعد کبھی تین سال بعد، بالآخر آپ نے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور سعودی عرب حکومت نے آپ کو مسجد نبوی میں طلباء کو حدیث پڑھانے پر مامور فرمایا۔ آپ نے نئے انداز سے حدیث کی تدریس کا آغاز کیا۔ جو وہاں کے طلباء کے لیے ایک نیا انداز تھا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

”مولانا محمد علی لکھوی نے مسجد نبوی میں حدیث کی تدریس کا آغاز کیا۔ اس نواح کے طلباء کے لیے وہ بالکل نیا انداز تھا۔ طلباء کے حلقوں میں اس انداز کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی اور سعودی، مصری، سوڈانی، الجزائر، شامی، انڈونیشائی اور افریقی طلباء نے ان سے خوب استفادہ کیا۔ اور وہ حدیث کے نکات سمجھنے کے جدید اسلوب سے آشنا ہوئے۔ ان کے حلقہ درس میں برصغیر پاک و ہند کے طلباء بھی شامل تھے۔ ان سب طلباء کو وہ حدیث کے علاوہ قرآن مجید کا درس بھی دیتے تھے۔ مسجد نبوی میں قرآن و حدیث کے اس درس سے ہزاروں طلباء مستفید ہوئے۔ اور ان کے شاگردوں کے حلقے نے بے حد وسعت اختیار کی۔ اور بہت سے عرب اور غیر عرب ممالک میں ان کے علمی و تدریسی اثر و رسوخ کے پرچم لہرائے۔“

مولانا محمد علی لکھوی نے تقریباً ۴۵ سال مسجد نبوی میں قرآن و حدیث کا درس دیا۔ آپ سے مختلف اسلامی ملکوں کے طلباء نے استفادہ کیا۔ یہ عظیم الشان سعادت ہے۔ جو مولانا محمد علی لکھوی کے حصے میں آئی۔ مسجد نبوی میں ہزاروں طلباء نے آپ سے اکتساب فیض کیا اور انہوں نے مختلف ممالک اور علاقوں میں دین اسلام اور کتاب و سنت کی اشاعت کی۔ یہ مولانا محمد علی لکھوی کا صدقہ جاریہ ہے۔ جس کا اجر انہیں بارگاہ ایزدی سے ہمیشہ ملتا رہے گا۔

مولانا محمد علی لکھوی اعلیٰ اخلاق و ستودہ صفات کے مالک تھے۔ ان کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ ان کے آباؤ اجداد میں بیشتر اصحاب، صاحب کمالات و کرامات تھے۔

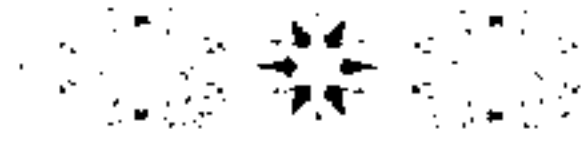


مولانا محمد اسحاق بھٹی ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”گفتگو میں وہ مشکل اور دقیق الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ آسان اور عام فہم اسلوب میں بات کرتے تھے جسے ہر شخص آسانی سے سمجھ لیتا تھا۔ مخاطب سے اس کی ذہنی سطح کے مطابق بات کرتے تھے۔ ان کی شخصیت اور علم و فضل کا لوگوں پر بڑا رعب تھا۔ طلباء ان سے کچھ پوچھ لینے اور ان سے بات کرنے کی اپنے میں جرأت نہ پاتے تھے۔“

۱۹۲۰ء میں انجمن اہلحدیث پنجاب کی تشکیل ہوئی اور ان کے پہلے صدر مولانا عبدالقادر قصوری اور ناظم اعلیٰ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری منتخب ہوئے۔ اور اس کے ساتھ ایک مجلس عاملہ بھی بنائی گئی۔ مجلس عاملہ کے ارکان میں مولانا محمد علی لکھوی بھی شامل تھے۔

مولانا محمد علی مدنی نے ۱۹ دسمبر ۱۹۷۳ء کو مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔ قمری تاریخ ۲۲/ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ تھی۔ قمری حساب سے ان کی عمر ۸۶ سال اور عیسوی حساب سے ۸۳ سال تھی۔



## محی الدین لکھوی

مولانا محی الدین لکھوی مولانا محمد علی مدنی لکھوی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ جو ۱۹۱۴ء کو لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں میں پاس کیا۔ دینی تعلیم اپنے آبائی مدرسہ مرکز الاسلام محمدیہ لکھو کے میں مولانا عطاء اللہ لکھوی سے حاصل کی۔ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے بھی سلسلہ تلمذ رہا۔ آپ ابتداء ہی سے عبادت گزار، درویش منش اور صوفی تھے۔ ان کا شمار اپنے دور کے اولیائے کرام میں ہوتا تھا۔ بہت بڑے راست باز اور صاف گو تھے۔ ان کے وعظ میں بڑا اثر تھا۔ لوگ ان کا وعظ بڑے شوق اور ذوق سے سنتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان میں بڑی تاثیر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی

دعا بھی قبول فرماتا تھا۔ بڑے جامع الکمالات تھے۔ ساری زندگی دنیا سے کنارہ کش رہے۔ ۱۹۵۱ء میں لوگوں نے انہیں مغربی پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کا ممبر منتخب کرادیا۔ اس کے لیے نہ تو آپ کسی شخص کے پاس ووٹ لینے گئے اور نہ ہی الیکشن پر کوئی کیمنپ لگایا۔ لوگوں نے خود ہی اس کا انتظام کیا اور آپ بھاری اکثریت سے ممبر منتخب ہو گئے۔

شورش کاشمیری مرحوم نے اس وقت چٹان میں لکھا کہ ”مولانا محی الدین لکھوی جیسے انسان اگر ممبر منتخب ہو جائیں تو اس ملک کی یکسر تقدیر بدل سکتی ہے۔ ان ہی کی طرح کے لوگوں کو حکومت میں آنا چاہیے۔ مگر ہم کیا کریں کہ ان جیسے نیک سیرت، درویش منش اور صاحب کردار لوگ ہم کہاں سے لائیں۔“

مولانا محی الدین لکھوی نے غالباً اسمبلی کے ایک دو اجلاس ہی میں شرکت کی اور ماحول کو اپنے خلاف مزاج اور ناشائستہ پا کر مستعفی ہو گئے۔

مولانا محی الدین بہت موثر، دل نشیں اور دل پذیر و عظم فرماتے تھے۔ تبلیغ دین اور اذکار مسنونہ میں زیادہ تر مصروف رہتے تھے۔ مولانا اردو اور پنجابی میں شعر بھی کہتے تھے اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت سے حسان تخلص کرتے تھے۔

مولانا لکھوی نے دو شادیاں کیں جن سے نو (۹) بیٹیاں اور سات (۷) بیٹے ہوئے۔ بڑے بیٹے حافظ محمد لکھوی عالم باعمل تھے۔ جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں حدیث کے استاد تھے۔ مولانا محی الدین کی زندگی میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ بقیہ تمام بیٹے تعلیم و تدریس سے منسلک ہیں۔ چھٹے میں سے پانچ نے علوم اسلامیہ اور عربی میں ایم اے کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ چھٹے بھی جامعہ محمدیہ اوکاڑہ سے فارغ التحصیل ہیں۔ ان میں سے حافظ محمد احمد لکھوی، گورنمنٹ ہائی سکول دیپالپور میں استاد ہیں۔ محمد حامد لکھوی بھی اسی ادارے میں تدریسی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں۔ محمد حمود لکھوی، گورنمنٹ کالج اوکاڑہ میں استاد ہیں۔ ڈاکٹر محمد حماد لکھوی شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب میں استاد ہیں۔ محمد حمید لکھوی، گورنمنٹ پبلک ہائی

سکول دیپالپور میں پڑھاتے ہیں جب کہ محمد زید لکھوی ڈسٹرکٹ پبلک سکول اوکاڑہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا محی الدین لکھوی کی تمام اولاد کو نیکی، علم اور شرف کی دولت عطا کی ہے اور یہ سب اپنے اسلاف کی مسند ارشاد پر فائز ہیں۔

مولانا محی الدین لکھوی نے ۲۸ فروری ۱۹۹۸ء کو انتقال کیا۔



## معین الدین لکھوی

مولانا معین الدین لکھوی مولانا محمد علی لکھوی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۳۶ھ موضع لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو سکول میں داخل کر دیے گئے اور گورنمنٹ ہائی سکول فیروز پور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ دینی تعلیم کا آغاز مدرسہ محمدیہ لکھو کے سے کیا۔ پہلے اپنے والد گرامی مولانا محمد علی لکھوی سے اور پھر اپنے ماموں عطاء اللہ لکھوی سے پڑھا۔

۱۹۴۲ء میں مولانا احمد علی لاہوری کے دورہ تفسیر میں شریک ہوئے اور ان سے تفسیر قرآن میں امتیازی سند حاصل کی۔ ۱۹۴۳ء میں امام العصر مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دورہ حدیث مکمل کیا۔

تکمیل تعلیم کے بعد اپنی آبائی درسگاہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ مولانا معین الدین لکھوی کی دینی اور سیاسی خدمات لائق اعتنا ہیں۔ تحریک پاکستان میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ ۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک میں حصہ لیا اور اسیر زنداں ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں آپ اوکاڑہ کی میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اور ۱۹۵۸ء میں دوبارہ ممبر چنے گئے۔ ۱۹۸۵ء، ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۷ء میں تین بار قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۸۰ء میں مرحوم جنرل ضیاء الحق نے انہیں مجلس شوریٰ کا ممبر نامزد کیا۔

جماعت اہلحدیث منظم اور فعال بنانے میں بھی ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں متفقہ طور پر جمعیتہ اہل حدیث کے امیر منتخب ہوئے اور تقریباً ۱۴-۱۵ سال وہ اس منصب پر فائز رہے۔ اس اثناء میں انہوں نے بڑی خدمات انجام دیں۔ متحدہ مرکزی جمعیتہ کے رہنما کی حیثیت سے بھی ان کے جماعتی کارنامے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

مولانا معین الدین لکھوی ایک کامیاب مدرس اور معلم ہیں۔ تقریباً ۴۵ سال تک تدریس فرماتے رہے اور آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔

مولانا عبداللہ امجد چھتوی اور مولانا عبدالخلیم شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ اوکاڑہ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

مولانا معین الدین لکھوی شخصیت و کردار کے اعتبار سے انتہائی باوقار سنجیدہ، سلیقہ شعار، تجربہ کار سیاستدان، شریف النفس، کریم الطبع، منکسر المزاج اور عالم باعمل ہیں۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی ان کے خاص دوستوں میں سے ہیں۔ وہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مولانا معین الدین لکھوی علمی اور روحانی اعتبار سے بڑے خاندان کے فرد ہیں۔ عالم دین اور علاقے میں صاحب اثر و رسوخ، عالم شباب تدین و تقویٰ کے اوصاف سے بہرہ ور، لیکن ان خصائص کے باوصف نہایت خوش مزاج اور طبع اوصاف کے مالک ہیں۔“

مولانا معین الدین لکھوی تصنیف و تالیف کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔

اب تک ان کے درج ذیل رسائل شائع ہو چکے ہیں:

① پنجاب کا عظیم مصلح (مولانا حافظ محمد لکھوی کے حالات)، ② قانون دیت، ③ قانون شہادت۔

بچپن ہی سے افتاء و تحقیق کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ اپنے فتاویٰ کا مجموعہ بھی مرتب کیا ہے۔

مولانا معین الدین لکھوی بڑے بااخلاق ہیں۔ راقم کی جب بھی ملاقات ہوئی، بڑی محبت اور خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ ہر ملاقات پر راقم سے یہ ضرور فرماتے ہیں کہ میں بڑا مصروف رہتا ہوں۔ مگر آپ کے مضمون ضرور پڑھتا ہوں علمائے کرام کا تعارف کرانے میں آپ بہت اچھا سلیقہ اختیار کرتے ہیں۔ جماعت اہلحدیث کے اکابرین کا تعارف کراتے ہیں۔ اور ان کی علمی و دینی خدمات سے لوگوں کو روشناس کراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

مولانا معین الدین ۱۹۴۷ء سے جامعہ محمدیہ اوکاڑہ کے ناظم چلے آ رہے ہیں۔ بقول مولانا محمد اسحاق بھٹی ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مولانا معین الدین کی شادی مولانا محمد بن ابراہیم جونا گڑھی مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ان کے تین صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں ہیں:

صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

① بارک اللہ انجم ایم اے، ② ڈاکٹر زعیم الدین عابد ایم بی بی ایس، ③ ڈاکٹر عظیم الدین زاہد ایم بی بی ایس۔



## عبدالقادر لکھوی

مولانا عبدالقادر بن مولوی حکیم محمد شریف بن حافظ بارک اللہ ۱۸۳۴ء مطابق ۱۲۴۹ھ لکھو کے ضلع فیروز مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ حکیم محمد شریف اپنے والد اور بھائی حافظ محمد لکھوی کی طرح مخلص، متقی، متدین، صاحب ذکر و فکر، صاحب ریاضت و عبادت، عابد، زاہد اور شب زندہ دار انسان تھے۔

مولانا عبدالقادر لکھوی نے تعلیم کا آغاز اپنے تایا حافظ محمد لکھوی سے کیا اور علوم آلیہ و

عالیہ کی تکمیل فرمائی۔ اس کے بعد مدرسہ غزنویہ امرتسر میں داخل ہوئے اور مولانا سید عبدالجبار غزنوی سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں اکتساب فیض کیا۔

امرتسر سے فارغ ہو کر آپ استاد پنجاب شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے حدیث کی سند حاصل کی۔

وزیر آباد سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد واپس وطن لکھو کے پہنچے اور اپنے آبائی مدرسہ محمدیہ میں تدریس کا آغاز کیا۔ اور اپنی ساری زندگی قرآن و حدیث کی تدریس میں بسر کر دی۔ آپ کی تدریسی زندگی ۵۰ سال کو محیط ہے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ دعوت و ارشاد سے بھی غافل نہ رہے۔ ان کا حلقہ تلامذہ بہت وسیع تھا۔ وہ دین کے کام میں اپنے بزرگوں کے دست راست رہے۔ آپ جامعہ محمدیہ کے تیسرے صدر مدرس تھے۔ اول مولانا حافظ محمد لکھوی تھے اور دوسرے مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھوی تھے۔

مولانا عبدالقادر لکھوی بڑے نامور مدرس تھے۔ علم و فضل کے اعتبار سے ایک خاص مقام کے حامل تھے۔ اور علمائے کرام کے نزدیک ان کا درجہ و مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپ کی ساری زندگی درس و تدریس میں بسر ہوئی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا سید عبدالاول غزنوی، مولانا عبدالغفور غزنوی اور مولانا عبدالوہاب دہلوی مولانا عبدالقادر لکھوی نے ۱۹۲۳ء مطابق ۱۳۴۲ھ میں انتقال کیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط



## عطاء اللہ لکھوی

مولانا عطاء اللہ بن عبدالقادر بن محمد شریف بن حافظ بارک اللہ ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۲ء

میں پیدا ہوئے۔

تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے کیا۔ آپ کے پہلے استاد قاری عبدالعزیز تھے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل اپنے والد مولانا عبدالقادر لکھوی سے کی۔ اس کے بعد مدرسہ نعمانیہ لاہور میں داخل ہوئے اور وہاں مولانا غلام احمد سے استفادہ کیا۔ رام پور اور سہارن پور کا بھی سفر کیا اور ان مقامات پر علمائے کرام سے مستفیض ہوئے۔

حدیث کی تحصیل حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی سے کی اور ۱۹۰۵ء میں آپ علوم اسلامیہ کی تکمیل سے فارغ ہوئے۔

تکمیل تعلیم کے بعد ۱۹۰۵ء میں اپنے آبائی مدرسہ محمدیہ لکھو کے میں تدریس کا آغاز فرمایا اور اپنی زندگی کے آخری ایام تک آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کا عہد تدریس جامعہ محمدیہ کاسنہری دور ہے۔ بے شمار علمائے کرام نے آپ سے استفادہ کیا۔ اور لوگ دُور دُور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ آپ کا حلقہ تلمذ بہت وسیع ہے۔ ۴۴ سال تک آپ نے مدرسہ محمدیہ لکھو کے میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا محی الدین لکھوی، مولانا معین الدین لکھوی، مولانا سید مولا بخش کوموی، مولانا حافظ محمد اسحاق حسینی، مولانا حکیم عبدالعزیز حسینی، مولانا عبدالقادر عارف حصاری، حافظ عبدالرشید گوہڑوی، مولانا حافظ عبداللہ بڈھیما لوی، میاں محمد باقر جھوک دادو اور مولانا محمد اسحاق گوہڑوی۔

مولانا عطاء اللہ لکھوی بڑے تبحر عالم متواضع اور اپنے عزم و ارادہ میں نہایت مستقل تھے۔

مولانا قاضی محمد اسلم فیروز پوری مرحوم لکھتے ہیں:

”مولانا عطاء اللہ لکھوی، غزنوی اور دہلوی علماء کے شاگرد تھے۔ درس و تدریس میں بڑا نام پایا۔ اپنے دور میں صرف و نحو کے امام مانے جاتے تھے۔ نہایت سادہ، وجیہہ اور شب زندہ دار انسان تھے۔ حسن اخلاق اور خندہ پیشانی سے پیش آنا ان کا لازمہ حیات تھا۔ شیریں گفتگو، ہلکے پھلکے لطائف، حسن اخلاق، حسن تبسم نے ان کی شخصیت کو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب بنا دیا تھا۔ استاد پنجاب کے لقب سے ملقب تھے۔“

مولانا معین الدین لکھوی لکھتے ہیں کہ:

”مولانا عطاء اللہ لکھوی نے ۴۴ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ بڑے بڑے قابل اہل علم آپ کے شاگردوں میں ہیں۔ اسی وجہ سے آپ استاد پنجاب کے لقب سے مشہور ہیں۔ جامعہ محمدیہ کا وجود اور بقا سب سے زیادہ آپ کی کوششوں کی مرہون منت ہے۔“

مولانا عطاء اللہ لکھوی نے ۲۶ نومبر ۱۹۵۲ء کو انتقال کیا۔

## عبدالرحمن لکھوی

مولانا عبدالرحمن لکھوی مولانا عطاء اللہ لکھوی کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد بزرگوار سے علوم اسلامیہ میں تحصیل کی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر، منطق و فلسفہ پر عبور و استحضر حاصل ہے۔ گوجرانوالہ، ساہیوال، رینالہ خورد، ملتان اور دیگر مقامات پر علم و آگہی کے فیوض و برکات پھیلاتے رہے۔ بڑے ملنسار، خوش اخلاق، زاہد و عابد ہیں۔



## حبیب الرحمن لکھوی

مولانا حبیب الرحمن بن مولانا عطاء اللہ لکھوی ۱۹۱۵ء میں لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ سکول کی تعلیم ڈل تھی۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل اپنے والد مولانا عطاء اللہ لکھوی سے کی۔ فراغت تعلیم کے بعد مدرسہ محمدیہ لکھو کے میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اور قیام پاکستان تک وہاں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد چک نمبر ۱۸/ ایل متصل رینالہ خورد رہائش اختیار کی۔ پہلے دارالعلوم ڈھلیانہ میں تدریس فرماتے رہے۔ اپنے والد محترم مولانا عطاء اللہ لکھوی کے انتقال کے بعد جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں ۵ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۱ء مدرسہ محمدیہ رینالہ خورد میں تدریس پر مامور ہوئے اور ۱۳ سال تک مسلسل اسی مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا حبیب الرحمن ایک صالح عالم تھے۔ طبیعت انتہائی سادہ، متواضع و منکسر المزاج اور بااخلاق تھے۔ تفسیر، حدیث اور صرف و نحو میں بہت زیادہ استحضار تھا۔

آپ نے ۵۸ سال کی عمر میں ضیق النفس کے مرض سے ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۷۳ء انتقال کیا۔



## شفیق الرحمن لکھوی

مولانا شفیق الرحمن لکھوی مولانا عطاء اللہ لکھوی کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ دینی علوم میں اپنے والد کے شاگرد ہیں۔ حافظ صاحب نہایت سادہ، مخلص اور عظیم اسلاف کے وارث ہیں۔ آپ جامعہ ابی ہریرہ رینالہ خورد کے مہتمم ہیں۔ تقریباً ۳۰-۳۵ سال سے اس

دینی درسگاہ کی خدمت کر رہے ہیں۔

حافظ شفیق الرحمن کی مسائل دینی پر بڑی گہری نظر ہے۔ ہر سال رمضان میں مدرسہ کی امداد کے سلسلہ میں سوہدرہ آتے ہیں۔ ان کا درس قرآن سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان کے درس قرآن سے ان کے علمی تبحر اور خاص کر حدیث نبوی میں ان کے اشتعال کا پتہ چلتا ہے۔ بڑے ہی سادہ اور خاموش طبع انسان ہیں۔



## عزیز الرحمن لکھوی

مولانا عزیز الرحمن لکھوی مولانا عطاء اللہ لکھوی کے چوتھے صاحبزادے تھے۔ ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ میں لکھو کے ضلع فیروز میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز لکھو کے ضلع فیروز پور سے کیا اور اپنے والد مولانا عطاء اللہ لکھوی سے بعض کتابیں پڑھیں۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے اور دینی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دی اور اس سلسلہ میں مختلف اوقات میں جامعہ محمدیہ اوکاڑہ، دارالحدیث محمدیہ ملتان، دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں زیر تعلیم رہے۔ آپ نے جن اساتذہ کرام سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

حضرت مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل السلفی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا شریف اللہ خاں سواتی، مولانا محمد عبدہ اور مولانا حافظ محمد اسحاق حسینی۔

تکمیل تعلیم کے بعد جامعہ محمدیہ رینالہ خورد میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اور اس کے ساتھ جامع مسجد الحمدیث رینالہ خورد کے خطیب بھی تھے۔

مولانا پروفیسر عبدالرحمن لدھیانوی اور مولانا حفیظ الرحمن لکھوی آپ کے خاص

شاگردوں میں ہیں۔ ان کی دینی و ملی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اور ۲ ماہ تک سنٹرل جیل ساہیوال میں محبوس رہے۔ مولانا حافظ عزیز الرحمن لکھوی کم سخن، مخلص، دیانتدار، متقی، شب زندہ دار انسان تھے۔ انہوں نے اپنے ماحول میں تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ دعوت و ارشاد کا کام کیا۔ ان کی تعلیمی و تبلیغی مساعی کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت سے نوازا۔

مولانا حافظ عزیز الرحمن لکھوی نے ۲۲ ستمبر ۱۹۹۱ء کو انتقال کیا۔



## حفیظ الرحمن لکھوی

مولانا حفیظ الرحمن لکھوی بن حبیب الرحمن بن عطاء اللہ بن عبدالقادر لکھوی ۱۰ جولائی ۱۹۳۳ء لکھو کے ضلع فیروز پور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم منشی فاضل اور بی اے ہے۔ مختلف دینی مدارس سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں ان کے والد مولانا حبیب الرحمن اور تایا مولانا عبدالرحمن لکھوی کے علاوہ مولانا ابوالبرکات احمد مدرسی اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ جامعین شامل ہیں۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے بھی سند حاصل کر چکے ہیں۔

تکمیل کے بعد مختلف دینی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں بھی تدریس فرمائی۔ آج کل جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لاہور کے ناظم ہیں۔ ان کی تقریر بڑی موثر اور دلنشین ہوتی ہے۔ تین چار کتابیں بھی ان کے قلم سے نکل چکی ہیں۔ بڑے بااخلاق اور ملنسار ہیں۔



(۷)

## خاندانِ غزنویہ (امر تسر)

محمد بن عبداللہ غزنوی	۲	سید عبداللہ غزنوی	۱
سید عبدالواحد غزنوی	۳	سید عبدالجبار غزنوی	۳
سید عبدالاول غزنوی	۶	سید عبدالرحیم غزنوی	۵
سید محمد داؤد غزنوی	۸	سید عبدالغفور غزنوی	۷
حافظ محمد زکریا غزنوی	۱۰	سید اسمعیل غزنوی	۹
		سید ابوبکر غزنوی	۱۱



## سید عبداللہ غزنوی

مولانا سید عبداللہ غزنوی بن محمد بن محمد شریف ۱۲۳۰ھ میں ”قلعہ بہادر خیل“ غزنی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ سے حاصل کی جو ایک صالحہ خاتون تھیں۔ جب آپ میں کچھ شعور پیدا ہوا تو علامہ شیخ حبیب اللہ قندھاری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ شیخ حبیب اللہ قندھاری مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی سے مستفیض تھے۔ مولانا سید عبداللہ غزنوی حضرت علامہ قندھاری کی خدمت میں پیدل سفر کر کے جاتے تھے۔ حضرت علامہ قندھاری فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص دینی مسائل کی تحقیق کے سلسلہ میں دور دراز کا سفر کر کے آتا ہے اور مسائل کی بڑی تحقیق کرتا ہے۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی لکھتے ہیں کہ:

”حضرت عبداللہ غزنوی جب دوبارہ تشریف لے گئے تو آپ کے حالات سے متعجب ہو کر شیخ حبیب اللہ قندھاری نے علماء قندھاری کی بھری مجلس میں کہا: ”مسائل دینیہ چنانکہ اس شخص می فہم من خود نمی فہم“ (دینی مسائل کو جس طرح یہ شخص سمجھتا ہے میں خود نہیں سمجھتا)“

علامہ حبیب اللہ قندھاری حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی عظمتوں کے نہ صرف قائل تھے، بلکہ ہر وقت ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ چنانچہ سید عبداللہ غزنوی کے سفر میں مولانا غلام رسول قلعوی اور حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی شریک تھے۔ ان تینوں حضرات نے میاں صاحب سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں استفادہ کیا۔ جب آپ کی تعلیم مکمل ہونے کے قریب تھی کہ دہلی میں ہنگامہ آزادی برپا ہو گیا۔ انگریزوں نے اس کو غدر کا نام دیا اور تاریخ میں اس کو ۱۸۵۷ء کا غدر لکھا جاتا ہے۔

دہلی سے واپسی کے بعد آپ نے افغانستان میں توحید اور اتباع سنت کی طرف لوگوں کو

دعوت دی۔ اور بدعات اور مشرکانہ رسوم کے خلاف آواز اٹھائی تو عوام و خواص اور علمائے سوء آپ کے خلاف ہو گئے۔ چنانچہ آپ کی شکایت امیر کابل دوست محمد خاں سے کی گئی۔ امیر دوست محمد خاں نے آپ کو بلایا، اور آپ کے مخالف علماء سوء بھی وہاں پہنچ گئے۔ امیر دوست محمد خاں نے کہا کہ ان سے مناظرہ کیا جائے۔ لیکن علمائے سوء نے آپ سے مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم مناظرہ میں شکست کھا جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے امیر دوست محمد خاں سے آپ کے خلاف جھوٹے الزامات عائد کیے اور بالآخر امیر دوست محمد خاں نے آپ کی جلا وطنی کا حکم صادر کر دیا۔ کافی عرصہ آپ ملک سے باہر رہے۔ اس کے بعد آپ دوبارہ واپس وطن تشریف لے گئے تو تھوڑے ہی عرصہ بعد امیر دوست محمد خاں نے ہرات میں انتقال کیا اور شیر علی خاں ملک کا امیر ہوا۔ علمائے سوء نے امیر شیر علی خاں کو بھی آپ کے خلاف اکسایا تو اس نے بھی آپ کی جلا وطنی کا حکم دے دیا۔ آپ حیران تھے کہ اب میں کہاں جاؤں۔ چنانچہ آپ ایک غار میں چھپ گئے، انہی دنوں آپ کو الہام ہوا:

﴿ فَقَطِّعْ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾

”پس جن لوگوں نے ظلم ڈھایا تھا، ان کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ اور تعریف اللہ

تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ جو تمام جہانوں کے پروردگار ہے۔“

اسی زمانے میں شیر علی خاں کا تختہ الٹ دیا گیا اور ذلیل و نامراد ہوا۔ اور ہرات میں جا کر پناہ لی اور اس کے بعد محمد افضل خاں امارت کے منصب پر فائز ہوا۔ اس کو بھی علمائے سوء نے آپ کے خلاف اکسایا۔ اس نے سردار محمد عمر خاں جو اس وقت مقرر کا گورنر تھا، آپ کو گرفتار کرنے کا حکم بھیجا۔ سردار محمد عمر خاں کے مسلح آدمی آپ کو گرفتار کر کے سردار محمد عمر خاں کے پاس لے گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے صاحبزادگان عالی مقام مولانا عبداللہ بن عبداللہ، مولانا محمد بن عبداللہ اور مولانا عبدالجبار رحمہم اللہ جمعین بھی ان کے ساتھ گرفتار ہوئے۔ سردار محمد عمر خاں آپ کا نورانی چہرہ دیکھ کر نرم پڑ گیا اور بڑے ادب کے ساتھ آپ کی خدمت میں عرض کی:

”آپ کیوں اس راستے کو نہیں چھوڑ دیتے؟ جو کچھ وقت کے مولوی کرتے ہیں،

آپ بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائیں۔“

آپ نے جواب میں فرمایا:

”مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں کتاب و سنت کو جاری کروں۔“

علمائے سوء آپ سے مناظرہ و مباحثہ سے گھبراتے تھے۔ انہوں نے مخالفت برائے مخالفت کے اصول کے پیش نظر سب نے متفق ہو کر آپ کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ لیکن ملا مشکلی جو قدرے انصاف پسند تھا، اس نے قتل کے فتویٰ پر دستخط نہ کیے۔ چنانچہ قتل کا فتویٰ واپس لے لیا گیا اور درّے مارنے کا فتویٰ دے دیا۔ چنانچہ آپ کو درّے مارے گئے، گدھے پر سوار کر کے شہر میں پھرایا گیا، داڑھی مونڈھ دی گئی اور آپ کے چہرے کو سیاہی سے سیاہ کیا گیا اور اس کے بعد قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ حضرت سید عبداللہ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ:

”شہید کو قتل سے اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی

ہے۔“

(ترمذی)

آپ نے فرمایا: ”جب مجھے کابل میں درّے مارے گئے اور مجھے اتنی بھی خبر نہ تھی کہ

مجھے مار رہا یا کسی اور کو۔“

جیل سے رہا ہوئے تو علمائے سوء نے پھر بھی آپ کو آرام سے وہاں ٹکنے نہ دیا اور ظالم حکام نے بالآخر آپ کو جلا وطن کر دیا۔ آپ غزنی سے پشاور تشریف لے آئے، پشاور میں تھوڑا عرصہ قیام کرنے کے بعد آپ امرتسر (مشرقی پنجاب) آ گئے اور یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

مولانا عبداللہ غزنوی کی ساری زندگی ابتلاء و آزمائش میں گزری۔ جس پر آپ ہمیشہ شاکر رہے۔ جب ذرا سکون ملا تو آپ نے درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ اور آپ نے ایک دینی درسگاہ ”مدرسہ غزنویہ“ کے نام سے قائم کی۔ جس میں آپ نے درس

و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ سے بے شمار حضرات نے اکتساب فیض کیا۔ وعظ و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا، لوگوں کو اتباع سنت کی ترغیب دیتے اور اس کے ساتھ شرک و بدعت اور محدثات سے بچنے کی نصیحت بھی کرتے۔ اس کے علاوہ آپ نے توحید، اتباع سنت اور عقائد صحیحہ پر بے شمار رسائل چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کرواتے رہے۔

مولانا سید عبداللہ غزنوی نے ۱۵ ربیع الاول ۱۲۹۸ھ کو امرتسر میں انتقال کیا۔

مولانا سید عبداللہ غزنوی کا شمار اہل اللہ میں ہوتا تھا۔ علمائے اسلام نے ان کے علم و فضل کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔

مولانا سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں:

”حضرت عبداللہ بن محمد بن محمد شریف غزنوی شیخ تھے۔ امام تھے، عالم تھے، زاہد تھے، مجاہد تھے، رضائے الہی کے حصول میں کوشاں تھے۔ اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان، اپنا گھر بار، اپنا وطن سب کچھ لٹا دینے والے تھے۔ علمائے سوء کے خلاف ان کے معرکے مشہور ہیں۔“

مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

”وہ ہر وقت اور ہر حالت میں خدائے بزرگ و برتر کے ذکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کا گوشت، ان کی ہڈیاں، ان کے پٹھے اور ان کا ہر ہر موئے بدن اللہ کی طرف متوجہ تھا۔ آپ اللہ عزوجل کے ذکر میں فنا ہو گئے تھے۔“

مولانا سید عبدالجبار غزنوی فرماتے ہیں:

”وہ مرد کامل اور یکتائے روزگار تھے۔ اللہ کی طرف سے الہام اور خطاب سے نوازے جاتے تھے اور انہیں اس کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔“

محمی السنہ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

”آسمان اگر ہزار بار بھی گردش کرے مشکل ہے کہ اب ایسی جامع کمالات ہستی معرض وجود میں آئے۔ وہ محدث بھی تھے اور اللہ سے انہیں ہم کلامی کا شرف بھی



حاصل تھا۔“

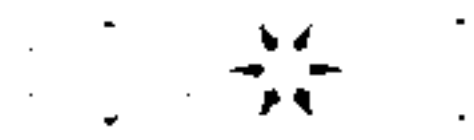
اولاد:

آپ کے ۱۲ صاحبزادے اور ۱۵ صاحبزادیاں تھیں۔

صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

مولانا عبداللہ، مولانا محمد، مولانا احمد، مولانا عبدالجبار، مولانا عبدالواحد، مولانا عبدالرحیم، مولانا عبدالستار، مولانا عبدالقیوم، مولانا عبدالقدوس، مولانا عبدالرحمن، مولانا عبدالحی۔

اللہ تعالیٰ کا ان پر کرم تھا۔ سب محدث تھے، اور علم دین اور فقر کی دولت سے مالا مال تھے۔



## محمد بن عبداللہ غزنوی

مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی حضرت شیخ عبداللہ غزنوی کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ تمام مشقتوں اور پریشانیوں میں اپنے والد کے ساتھ برابر کے شریک رہے۔ ان کی ولادت غزنی کے مقام صاحبزادہ میں ہوئی۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ غزنوی سے کی اور حدیث و تفسیر کی تعلیم حضرت میاں صاحب دہلوی سے حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد امرتسر میں سکونت اختیار کی اور درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں مصروف ہوئے۔

مولانا محمد بن عبداللہ کو بھی راہِ خدا میں مصائب و آلام سے دوچار کیا گیا۔ آپ کو صرف سنت رسول کی تائید و حمایت میں دہشت زدہ کیا گیا۔ علم و فضل کے اعتبار سے جامع الکمالات تھے۔

مولانا سید عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں:

”آپ کے فضل و تقویٰ، دینداری اور شرافت پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ اس کا

انکار وہی کرے گا جس کے دل میں ان کے بارے میں کچھ ہو۔“

تصنیف میں ”تفسیر جامع البیان“ کا عربی میں حاشیہ لکھا جو مولانا عبد اللہ غزنوی کے

ایماں سے میاں فیروز الدین (ساکن جموں) نے چھپوایا اور کتاب مفت تقسیم ہوئی۔

آپ نے شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب ”المسوی من احادیث المفوطا (عربی)“

دہلی سے ۱۲۹۳ھ میں طبع کرا کر شائع کی۔ یہ المسوی کی سب سے پہلی طباعت تھی۔

مولانا محمد بن عبد اللہ غزنوی نے اپنے والد ماجد حضرت عبد اللہ غزنوی کی زندگی میں

۱۲۹۶ھ میں وفات پائی۔

ان کے بارے میں علامہ اقبال اپنے مکتوب ۱۹ دسمبر ۱۹۲۲ء بنام منشی محمد الدین فوق

لکھتے ہیں:

”مولوی عبد اللہ غزنوی حدیث کا درس دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل

کیے جانے کی خبر ملی۔ آپ نے ایک منٹ تامل کیا۔ پھر طلباء کو مخاطب کر کے کہا:

”ما برضائے اور اضی ہستیم، بیا سید کہ کار خود بکنیم“ (یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی رضا پر

راضی ہیں ہمیں اپنا کام جاری رکھنا چاہیے) یہ کہہ کر درس میں مشغول ہو گئے۔“

## عبد الجبار غزنوی

مولانا سید عبد الجبار غزنوی اپنے وقت کے ولی کامل، راسخ فی العلم، بہت بڑے محدث

مستجاب الدعوات، اور یکتائے زمانہ شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ۱۲۶۸ھ میں غزنی کے

مقام ”صاحبزادہ“ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا۔ اپنے والد مولانا عبد اللہ غزنوی

اور اپنے برادران مولانا محمد بن عبداللہ اور مولانا احمد بن عبداللہ سے استفادہ کیا۔ حدیث کی تحصیل شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔ آپ بھی اپنے والد کے ساتھ مصائب و آلام سے دوچار ہوئے۔ ۲۰ سال کی عمر میں آپ نے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد امرتسر میں قرآن و حدیث کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا عبداللہ غزنوی نے اپنی درسگاہ کا نام ”مدرسہ غزنویہ“ رکھا تھا۔ آپ نے یہ نام بدل کر ”تقویۃ الاسلام“ رکھ دیا۔

مولانا سید عبدالجبار غزنوی کی ساری زندگی درس و تدریس، دعوت و ارشاد اور وعظ و تبلیغ میں بسر ہوئی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا سید اسماعیل غزنوی، مولانا فیض اللہ بھوجیانی، مولانا سید احمد علی غزنوی، مولانا عبدالقادر لکھوی، مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی۔ مولانا سید عبدالجبار غزنوی علم و فضل کے اعتبار سے جامع الکلمات تھے۔ مولانا عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں کہ:

”میں نے بارہا امرتسر میں آپ کی زیارت کی۔ آپ کو سلف صالحین کے طریقہ پر پایا۔ آپ جب فتویٰ دیتے تو کسی خاص مذہب کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دلیل کی بنیاد پر فتویٰ دیتے تھے۔ ائمہ مجتہدین کے سلسلہ میں بدگمانی نہیں کرتے تھے۔ جب بھی ان کا ذکر کرتے اچھے انداز میں کرتے تھے۔“

مولوی ابویحییٰ امام خاں نوشہروی لکھتے ہیں:

”مولوی عبدالجبار حدیث اور تفسیر میں بے بدل تھے۔ اپنے ظاہری، باطنی صلاح و تقویٰ کی وجہ سے (خود نہیں) دوسروں نے آپ کو امام صاحب سے خطاب کیا۔ اور بجا طور پر کیا۔“

مولانا سید عبدالجبار غزنوی مطالعہ بہت زیادہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی

حافظ کی نعمت سے نوازا تھا۔ عبادت و ریاضت بھی بہت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا تھا۔ اللہ کی یاد میں فنا ہو چکے تھے۔ جب کھانا کھاتے تو ہر لقمے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے تھے۔ ہر وقت اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھا۔ وہ بہت بڑے زاہد و عابد تھے۔  
امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی تصانیف کے بہت شیدائی تھے۔ آپ نے  
۲۵ رمضان ۱۳۳۱ء جمعہ الوداع کے روز امرتسر میں انتقال کیا۔



## عبدالواحد غزنویؒ

مولانا عبدالواحد غزنوی بن مولانا سید عبداللہ غزنوی نیکی، خلوص، لٹہیت، ذکر و فکر، عبادت و ریاضت، دعوت و ارشاد، تزکیہ نفس، طہارت نفس اور اصلاح باطن میں اپنے والد سید عبداللہ غزنوی کا عکس ثانی تھے۔

مولانا عبدالواحد غزنوی نے دینی تعلیم اپنے برادران مولانا محمد، مولانا احمد اور مولانا عبدالجبار غزنوی سے حاصل کی اور اپنے والد سے روحانی فیض حاصل کیا۔ حدیث کی تحصیل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ امرتسر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ بعد میں مولانا سید عبدالجبار غزنوی نے آپ کو مسجد چیدیا نوالی لاہور بھیج دیا تاکہ لاہور کے مسلمانوں کو توحید و سنت کی دعوت دے سکیں اور شرک و بدعت سے اجتناب کی تلقین کریں۔

مولانا عبدالواحد غزنوی بڑے عبادت گزار تھے۔ نماز میں خشوع و خضوع بہت زیادہ ہوتا تھا۔ مستجاب الدعوات تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا تھا۔ ان کے درس قرآن اور خطبہ جمعہ میں لوگ کثرت سے آتے تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری جو خود ایک بہت بڑے عالم اور جامع الکمالات تھے روزانہ ان کے درس قرآن میں شریک ہوتے تھے اور ان کے فیوض و

برکات سے مستفیض ہوتے تھے۔

مولانا عبدالواحد غزنوی کے سلطان عبدالعزیز مرحوم والئی سعودی عرب کے والد سلطان عبدالرحمن سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ آپ جب بسلسلہ تجارت اپنے بھائی مولانا عبدالرحیم غزنوی کے ساتھ کویت تشریف لے گئے تو ان دنوں سلطان عبدالرحمن کویت میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہوں نے مولانا عبدالواحد غزنوی اور مولانا عبدالرحیم غزنوی سے درخواست کی کہ آپ ہمارے ہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کریں۔ چنانچہ مولانا عبدالواحد اور مولانا عبدالرحیم نے ۵ سال تک سعودی خاندان کو علم دین پڑھایا۔

۱۹۲۶ء میں سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمن نے حجاز فتح کیا اور مکہ معظمہ میں موتمر عالم اسلامی کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ اس میں ہندوستان کی تین جماعتوں مجلس خلافت، جمعیتہ علمائے ہند اور آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کو شرکت کی دعوت دی گئی۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی طرف سے درج ذیل چار علمائے کرام نے شرکت کی:

① مولانا ثناء اللہ امرتسری (سربراہ وفد)

② حافظ حمید اللہ (دہلی)

③ مولانا عبدالواحد غزنوی (لاہور)

④ مولانا سید اسماعیل غزنوی (امرتسر)

مولانا سید عبدالواحد غزنوی نے ۱۹۳۰ء میں امرتسر میں انتقال کیا۔

## عبدالرحیم غزنوی

مولانا عبدالرحیم غزنوی بن مولانا عبداللہ غزنوی علمائے فحول میں سے تھے۔ غزنی میں پیدا ہوئے۔ اپنے برادران مولانا محمد، مولانا احمد اور مولانا عبدالجبار غزنوی سے تعلیم حاصل کی

اور اپنے والد حضرت عبداللہ غزنوی سے بھی اکتساب فیض کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد اپنے آبائی مدرسہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ دہلی کے مدارس میں کچھ عرصہ تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا عبدالرحیم اپنے بھائی مولانا عبدالواحد غزنوی کے ساتھ بسلسلہ تجارت کویت گئے۔ وہاں ان دنوں سلطان عبدالعزیز مرحوم والئی سعودی عرب کے والد سلطان عبدالرحمن جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ انہوں نے دونوں بھائیوں کے علمی مقام اور مرتبہ کو دیکھتے ہوئے ان کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ہمارے پاس درس و تدریس کا سلسلہ شروع کریں۔ چنانچہ ان دونوں بھائیوں نے ۵ سال تک سلطان عبدالرحمن کے خاندان کو علم دین پڑھایا۔

مولانا عبدالرحیم غزنوی جب ہندوستان واپس آئے تو اس وقت کے امیر بہاول پور نے ان کو دعوت دے کر اپنے ہاں بلایا اور منڈی صادق گنج کی شاہی مسجد کا خطیب مقرر کیا۔ آپ نے اس علاقہ میں تادیر توحید و سنت کی دعوت دی اور شرک و بدعت اور محدثات کی تردید کی۔

مولانا عبدالرحیم غزنوی نے ۱۳۴۲ھ میں انتقال کیا۔



## سید عبدالاول غزنوی

مولانا سید عبدالاول بن مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی علمائے فحول میں سے تھے۔ مولانا عبدالقادر لکھوی، مولانا محمد بن عبداللہ اور مولانا سید عبدالجبار غزنوی سے جملہ علوم فونون میں تعلیم حاصل کی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل شیخ الكل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلی سے کی۔

تخصیص حدیث کے بعد اپنی ساری زندگی درس و تدریس میں بسر کر دی اور اس کے ساتھ دعوت و ارشاد اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ مولانا سید عبدالاول غزنوی کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔

مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا حافظ عبداللہ روپڑی آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

مولانا عبدالاول غزنوی تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔  
آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- ① نصرۃ والباری فی ترجمہ صحیح البخاری (۶ جلد)
  - ② انعام المنعم بترجمہ الصحیح المسلم
  - ③ الرحمتہ المہدایۃ الی من برید ترجمہ المشکوٰۃ (۴ جلد)
  - ④ ترجمہ ”ریاض الصالحین“ امام نووی
- مولانا سید عبدالاول غزنوی نے ۱۳۱۳ھ میں وفات پائی۔



## عبدالغفور غزنوی

مولانا عبدالغفور غزنوی بن مولانا محمد غزنوی، مولانا سید عبدالاول غزنوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ دینی تعلیم اپنے پھالد مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی اور مولانا عبدالجبار غزنوی سے حاصل کی۔ حدیث کی تحقیر میں مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں برسوں تدریس فرماتے رہے۔

۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم تقویۃ الاسلام سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنا ایک علیحدہ مدرسہ

بنام ”مدرسہ سلفیہ غزنویہ“ جاری کیا۔

مولانا عبدالغفور غزنوی کے تلامذہ کی فہرست بھی طویل ہے۔

مولانا حافظ محمد گوندلوی اور مولانا محمد اسماعیل السلفی ان کے مشہور تلامذہ میں سے تھے۔ مولوی سید رفیع الدین بخاری سوہدروی جو ایک دیوبندی عالم تھے اور مولانا مفتی محمد حسن امرتسری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور راقم آثم کے ان سے اچھے تعلقات تھے۔ مجھ سے بارہا فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حدیث کی تحصیل مولانا عبدالغفور سے کی اور ان سے جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور صحیح مسلم کا درس لیا۔

مولوی سید رفیع الدین مرحوم یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

”مولانا عبدالغفور غزنوی بڑی محنت سے پڑھایا کرتے تھے اور طلباء کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے تھے۔ جب تدریس سے فارغ ہوتے تو مطالعہ شروع کر دیتے۔ امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی تصانیف کے شیدائی تھے اور زیادہ ان دونوں ائمہ کرام کی کتابیں مطالعہ کرتے تھے۔“

مولانا عبدالغفور غزنوی تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔

ان کی تصانیف درج ذیل ہیں:

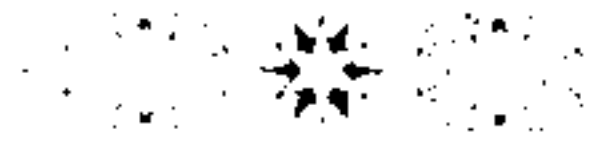
- ① حواشی قرآن مجید معروف بہ جمائل غزنویہ
- ② مشکوٰۃ الانوار تسہیل مشارق الانوار
- ③ ترجمہ ”ریاض الصالحین“ امام نووی
- ④ ترجمہ ”بلوغ المرام“ ابن حجر
- ⑤ الحزب الاعظم

مولانا عبدالغفور غزنوی نے ”انوار الاسلام“ کے نام سے ایک مطبع قائم کیا تھا جس میں قرآن مجید اور کتب حدیث کے بعض تراجم شائع کیے۔ اس سے مسلک اہل حدیث کو بہت فروغ حاصل ہوا۔



مولانا عبدالغفور غزنوی نے ۱۹۳۵ء میں انتقال کیا اور ان کے انتقال کے بعد مدرسہ سلفیہ غزنویہ اپنے منبع یعنی مدرسہ تقویۃ الاسلام امرتسر میں مدغم ہو گیا۔ بمصداق:

﴿ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ ﴾



## سید محمد داؤد غزنوی

مولانا سید داؤد غزنوی برصغیر (پاک و ہند) کے ممتاز عالم دین، شعلہ نوا خطیب، علوم اسلامیہ کے تبحر عالم، انشاء پرداز، صحافی اور جلیل القدر سیاستدان تھے۔ مولانا داؤد غزنوی کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ آپ کے دادا عارف باللہ، مولانا السید عبداللہ غزنوی کا شمار اولیائے کرام میں ہوتا ہے۔ جو غزنی سے ہجرت کر کے امرتسر (مشرقی پنجاب) میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کے علم و فضل اور زہد و ورع کا اعتراف علمائے اسلام نے کیا ہے۔

مولانا حکیم سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں:

”حضرت عبداللہ بن محمد بن محمد شریف الغزنوی شیخ تھے۔ امام تھے، عالم تھے، زاہد تھے، مجاہد تھے، رضائے الہی کے حصول میں کوشاں تھے، اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان، اپنا ملک، اپنا وطن سب کچھ لٹا دینے والے تھے۔ علمائے سوء کے خلاف ان کے معرکے مشہور ہیں۔“

(نزہۃ الخواطر: ۳۰۲/۷)

مولانا عبداللہ غزنوی ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۱ء میں غزنی میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۷۹ء میں امرتسر (مشرقی پنجاب) میں وفات پائی۔

مولانا سید داؤد غزنوی کے والد حضرت امام مولانا سید عبدالجبار غزنوی بھی علمائے ربانی میں سے تھے۔ ان کی ساری زندگی امرتسر میں قرآن و حدیث کی تدریس میں بسر ہوئی۔ دنیا اور اہل دنیا سے الگ تھلگ رہتے تھے اور اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے اور محکمۃ اللہ

کی طرف بلانے میں مشغول رہتے۔ امامت کے مرتبہ پر فائز تھے۔ ۱۲۶۸ھ میں غزنی میں پیدا ہوئے اور رمضان ۱۳۳۱ھ میں امرتسر میں انتقال کیا۔ (نزہۃ الخواطر:

(۲۱۹/۸)

مولانا سید داؤد غزنویؒ ۱۸۹۵ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم امام مولانا سید عبدالجبار غزنویؒ، مولانا سید عبدالاول غزنوی اور مولانا گل محمد سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو دہلی بھیج دیا گیا جہاں آپ نے حدیث کی تحصیل استاد الا ساتھ حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری سے کی اور علوم نقلیہ کی تحصیل مولانا سیف الرحمن کابلی سے کی۔ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ حضرت مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ حضرت میاں صاحب فرمایا کرتے تھے:

”میرے درس میں دو (۲) عبداللہ آئے ہیں۔ ایک عبداللہ غزنوی اور دوسرے

عبداللہ غازی پوری۔“

مولانا عبدالحی الحسنی نے لکھا ہے کہ:

”مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری سربر آوردہ فقیہ تھے اور اس قدر تبحر علمی کے باوجود اور درس و تدریس میں اس قدر مشغول ہونے کے باوصف و نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔“ (نزہۃ الخواطر: ۲۸۷/۸)

دہلی سے فراغت تعلیم کے بعد مولانا سید داؤد غزنوی واپس امرتسر آ گئے اور بڑی مستعدی اور ذوق و شوق کے ساتھ اپنی آبائی درسگاہ یعنی مدرسہ غزنویہ میں تفسیر اور حدیث کی تدریس کا کام سرانجام دینے لگے اور ایک عرصہ تک کتاب و سنت کے چشمہ صافی سے نشہ کا مان علم کی دین پیاس بجھاتے رہے۔ اس زمانے میں دعوت و تبلیغ کے ساتھ تحریک آزادی وطن کے لیے بھی سرگرم عمل ہوئے اور سیاسی میدان میں قدم رکھا۔

یہ دور ۱۹۱۹ء کا تھا۔ ۱۹۱۹ء کا سال انگریزی دور کا دور استبداد تھا۔ ملک میں مارشل لا نافذ تھا۔ مولانا سید داؤد غزنوی نے انگریزی حکومت کے خلاف آواز اٹھائی اور حکومت کے خلاف تقریروں کا سلسلہ شروع کیا۔ مولانا غزنوی ایک شعلہ نوا خطیب تھے، وہ حکومت کے

خلاف تقریر کرتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ آگ کے انگارے برسا رہے ہیں۔

۱۹۲۱ء میں جمعیتہ العلماء ہند کی تشکیل ہوئی تو اس کی تاسیس میں اہم کردار ادا کیا۔ ابتدا میں مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ پھر مدتوں نائب صدر رہے۔ ۱۹۲۱ء میں حکومت کے خلاف ایک تقریر کی پاداش میں تین سال کے لیے اسیر زنداں ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں رہا ہوئے اور ایک سال بعد ۱۹۲۵ء میں دوبارہ جیل بھیج دیے گئے۔ ۱۹۲۶ء میں رہا ہوئے اور ۱۹۲۷ء میں تیسری بار حوالہ زنداں ہوئے۔

۱۹۲۹ء میں مجلس احرار قائم ہوئی تو اس میں شمولیت اختیار کی۔ اور اس کے پہلے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ دو ڈھائی سال تک مجلس احرار کے سیکرٹری رہے۔ ۱۹۳۲ء میں تحریک کشمیر میں گرفتار ہوئے۔

۱۹۳۲ء میں کانگریس سے استعفادے کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور شمولیت کے بعد مولانا غزنوی نے ہندوستان کے تقریباً سب بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور مسلمانوں کے سامنے ہندو اور انگریز دونوں کے عزائم بے نقاب کیے اور ان کے خلاف آگ لگا دی۔ مسلم لیگ میں مولانا داؤد غزنوی کی شمولیت سے جماعت کو بہت زیادہ قوت حاصل ہوئی۔

مولانا سید داؤد غزنوی جہاں ایک بلند مرتبہ عالم دین اور خطیب تھے وہاں آپ ایک کامیاب صحافی بھی تھے۔ یکم اپریل ۱۹۲۷ء کو آپ نے امرتسر سے ہفتہ وار اخبار ”توحید“ جاری کیا۔ توحید ایک بلند پایہ دینی، علمی اور تحقیقی اخبار تھا۔ اس میں برصغیر کے ممتاز اور مقتدر علمائے کرام کے مضامین چھپتے تھے جن میں چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مولانا محی الدین احمد قصوری، مولانا عبدالواحد غزنوی، مولانا محمد علی قصوری اور مولانا سید سلیمان ندوی رحمہم اللہ اجمعین وغیرہم۔

۱۹۳۷ء میں جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے کے لیے جماعت اہلحدیث کی از سر نو تنظیم کی اور مغربی پاکستان جمعیتہ اہلحدیث کے نام سے جماعت کی تشکیل کی اور اس سلسلہ

میں مولانا محمد اسماعیل السلفی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، مولانا عبدالمجید سوہدروی اور دوسرے مقتدر علمائے کرام کا تعاون حاصل کیا۔ چنانچہ مولانا غزنوی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے پہلے صدر اور مولانا محمد اسماعیل السلفی جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔

حکومت پاکستان نے آئین کی تشکیل کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمی بورڈ مولانا سید سلیمان ندوی کی سربراہی میں بنایا۔ ممبران کی تعداد ۳۱ تھی۔ اور یہ سب کے سب ملک کے مقتدر علماء تھے۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی بھی ان ۳۱ علماء میں شامل تھے۔ ۱۹۶۲ء میں مدینہ یونیورسٹی قائم ہوئی تو مولانا سید داؤد غزنوی کو اس کی مشاورتی کونسل کا رکن نامزد کیا گیا۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے علم و فضل اور ان کے تبحر علمی کا برصغیر کے ممتاز اکابرین نے اعتراف کیا۔

مولانا ظفر علی خان نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا:

قائم ہے ان سے ملت بیضا کی آبرو اسلام کا وقار ہیں داؤد غزنوی رجعت پسند دیکھ کر ان کو یہ کہنے لگے آیا ہے سومات میں محمود غزنوی ۱۹۶۲ء کے شروع ہی سے مولانا سید داؤد غزنوی مسلسل بیمار چلے آ رہے تھے۔ اختلاج قلب کی تکلیف تھی۔ علاج معالجہ ہوتا رہا، کبھی طبیعت سنبھل جاتی اور کبھی تکلیف بڑھ جاتی۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۶۳ء کو صبح طبیعت ٹھیک تھی کہ اچانک ساڑھے نو بجے دل کا شدید دورہ پڑا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ دوسرے دن صبح ساڑھے نو بجے جنازہ اٹھایا گیا۔ جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ مولانا محمد اسماعیل السلفی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان میانی صاحب میں سپرد خاک کیے گئے۔ بقول غالب

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی

اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

## سید اسماعیل غزنوی

مولانا سید اسماعیل غزنوی بن مولانا عبدالواحد غزنوی امرتسر میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم مدرسہ غزنویہ امرتسر میں حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا عبدالواحد غزنوی اور مولانا سید عبدالاول غزنوی شامل ہیں۔

مولانا سید اسماعیل غزنوی بڑے فعال اور سرگرم عالم تھے۔ ان کی دینی و ملی اور سیاسی خدمات قابل قدر ہیں۔ آپ نے حاجیوں کی خدمت میں نمایاں حصہ لیا۔ آپ سلطان بن سعود مرحوم کی طرف سے ہندوستان میں امور حج کے نگران تھے اور آپ کا مرتبہ ایک وزیر کے برابر تھا۔ تحریک آزادی میں ان کی نمایاں خدمات ہیں۔

۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود مرحوم نے موتمر عالم اسلامی کا اجلاس مکہ مکرمہ میں طلب فرمایا تھا۔ علماء میں سے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ کانفرنس کا وفد مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کی سربراہی میں مکہ مکرمہ گیا تھا۔ اس وفد کے ایک رکن مولانا سید اسماعیل غزنوی بھی تھے۔

مولانا سید اسماعیل غزنوی تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

- ۱) استقلال حج، ۲) تحفہ وہابیہ، ۳) جلالتہ الملک ابن سعود، ۴) استقلال حجاز، ۵) اصلاحات حجاز۔

مولانا سید اسماعیل غزنوی نے مغربی پاکستان جمعیتہ اہلحدیث کانفرنس منعقدہ ۲۴ اپریل ۱۹۵۵ء کی صدارت فرمائی تھی۔ جس میں آپ نے خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ راقم اس کانفرنس میں موجود تھا۔ خطبہ صدارت میں جب علمائے اہلحدیث کی دینی و ملی اور علمی و سیاسی

خدمات کا تذکرہ آیا، تو اس میں مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کا نام شامل نہیں تھا۔ تو پنڈال میں شور مچ گیا اور ہر طرف سے آوازیں آنا شروع ہو گئیں کہ یہ کیا اندھیر ہے کہ مولانا ثناء اللہ کا نام نہیں لیا گیا، حالانکہ ان کی خدمات کا برصغیر میں کوئی عالم خواہ وہ کسی مسلک کا ہے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ لوگوں کے احتجاج پر مولانا ثناء اللہ امرتسری کا نام شامل کیا گیا۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کا نام اس لیے شامل نہ کیا گیا کہ ان کی عربی تفسیر ”تفسیر القرآن بکلام الرحمن“ پر علمائے غزنویہ نے کچھ اعتراضات کیے تھے اور یہ ایک نزاع چل گیا اور آخر سلطان ابن سعود مرحوم نے اس نزاع کو ختم کرایا۔ میرے خیال میں مولانا سید اسماعیل غزنوی نے دیدہ دانستہ مولانا امرتسری کا نام لیا نہیں لیا تھا۔  
مولانا سید اسماعیل غزنوی نے ۱۹۶۰ء میں لاہور میں انتقال کیا۔



## حافظ محمد زکریا غزنوی

مولانا حافظ محمد زکریا غزنوی، مولانا عبدالرحیم غزنوی کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا عبدالرحیم غزنوی سے حاصل کی بعد ازاں مدرسہ غزنویہ امرتسر میں مولانا سید عبدالاول غزنوی اور مولانا عبدالجبار غزنوی سے بھی استفادہ کیا۔  
مولانا حافظ محمد زکریا غزنوی بڑے صاحب فضل و کمال عالم دین تھے۔ ان کی دینی و ملی خدمات قابل قدر ہیں۔ جماعت اہل حدیث کو منظم اور فعال بنانے میں ان کی بہت نمایاں خدمات ہیں:

مولانا عبدالعظیم انصاری لکھتے ہیں کہ:

”حافظ محمد زکریا غزنوی اپنے والد گرامی حضرت مولانا عبدالرحیم غزنوی کی

وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ صادق گنج کی جامع مسجد کی خطابت بھی آپ کے سپرد تھی۔ آپ نے ایک دینی مدرسہ بھی جاری کیا۔ جس میں قرآن و حدیث اور درس نظامی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ خود بھی بساطِ تعلیم پر فائز رہے۔ آپ نامور عالم دین تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ رفیع المرتبت بزرگ ”عبادت گزار“ متدین اور صاحبِ وکمال تھے۔“

مولانا حافظ محمد زکریا غزنوی کا نکاح مولانا فیض اللہ بھوجیانی کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔ آپ نے ۳۰ دسمبر ۱۹۸۰ء کو منڈی صادق گنج میں انتقال کیا۔



## سید ابو بکر غزنوی

مولانا سید ابو بکر غزنوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے دوسرے صاحبزادے تھے اور مولانا سید عبدالاول غزنوی کے نواسے تھے۔ ۱۹۲۷ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم ایم اے (عربی)، ایم اے (اسلامیات) اور ایل ایل بی تھی۔

دینی تعلیم اپنے والد مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد شریف اللہ خاں سواتی، اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے حاصل کی۔ فراغتِ تعلیم کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں اسلامیات کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں شعبہ دینیات کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور وہاں سے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے وائس چانسلر ہو گئے۔

پروفیسر سید ابو بکر غزنوی جید عالم دین تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ عربی ادب کا انہیں خاص ذوق تھا۔ بہت عبادت گزار اور بہت زیادہ ذکر و اذکار کرتے تھے۔ بڑے خوش

اخلاق و فلسفہ اور پیکرِ حلم و علم تھے۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی امیر جمعیتہ اہلحدیث تھے۔ ان کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث مولانا محمد اسمعیل السفلی کو امیر جمعیت بنایا گیا۔ مولانا سلفی مرحوم پہلے ناظم اعلیٰ تھے۔ چنانچہ ان کے امیر منتخب ہونے پر سید ابو بکر غزنوی کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ لیکن آپ زیادہ دیر جمعیتہ اہلحدیث کے ساتھ وابستہ نہ رہ سکے۔

سید ابو بکر غزنوی انگریزی اور اردو کے بڑے اچھے مقرر تھے۔ حکیم محمد سعید شہید نے لاہور میں ایک بین الاقوامی سیرت کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اس کے ایک اجلاس میں امام کعبہ عبداللہ بن سبیل، جسٹس حمود الرحمن اور سید ابو بکر غزنوی کی تقریریں تھیں۔ راقم اس اجلاس میں موجود تھا۔ امام کعبہ کی تقریر عربی میں ہوئی۔ بعد میں اس کا اردو ترجمہ ہوا۔ جسٹس حمود الرحمن اور سید ابو بکر غزنوی کی تقریریں انگریزی میں ہوئیں۔ میں نے دیکھا کہ سید صاحب روانی سے انگریزی میں تقریر کر رہے تھے کہ گویا انگریزی ان کی مادری زبان ہے۔ میرے ساتھ حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی مرحوم بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت حکیم صاحب مرحوم نے فرمایا کہ:

”میں نے انگریزی زبان میں پنڈت جواہر لعل نہرو، قائد اعظم محمد علی جناح، ڈاکٹر ضیاء الدین اور سر راہی مسعود کی تقریریں سنی ہیں۔ وہ اس طرح روانی سے تقریریں نہیں کرتے تھے کہ جس طرح سید صاحب تقریر کر رہے ہیں۔“

تقریر کے بعد حکیم صاحب اور راقم سید صاحب سے ملے۔ بڑی خندہ پیشانی اور محبت سے ملے۔ حکیم صاحب نے فرمایا:

”آپ نے تو حد کر دی ہے کہ انگریزی میں اتنی روانی سے میں نے اس سے پہلے کسی کی تقریر نہیں سنی۔“

سید صاحب نے فرمایا: حکیم صاحب یہ آپ کا حسن ظن ہے میں نے سید صاحب سے جمعیتہ اہلحدیث کی نظامت سے علیحدگی کے بارے میں سوال کیا تو سید ابو بکر غزنوی نے فرمایا:



”عراقی صاحب جمعیتہ والے بڑے لوگ ہیں، میں ان کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ میرے اور ان کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ میں دوزخی کا قائل نہیں ہوں، صاف گو ہوں اور میں معمولی سی فروگزاشت کو پسند نہیں کرتا۔ اس لیے میرا ان کے ساتھ چلنا محال تھا اور میں علیحدہ ہو گیا اور میرا یہ فیصلہ اہل ہے۔ اس میں رتی بھر بھی لچک نہیں۔ جمعیتہ والے جانیں اور ان کا کام۔ میرا ان سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔“

سید ابو بکر غزنوی مولانا سید داؤد غزنوی کے انتقال کے بعد دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور کے مہتمم مقرر ہوئے اور اس کے ساتھ خطبہ جمعہ دینا بھی آپ کے فرائض میں شامل تھا۔ سید ابو بکر غزنوی ایک اچھے مقرر اور خطیب تھے، بہت عمدہ منصف بھی تھے۔ آپ کی

تصانیف درج ذیل ہیں:

- ① حقیقت ذکر الہی
- ② اسلام اور آداب معاشرت
- ③ اسلام میں گردش دولت
- ④ عصر حاضر میں استاد اور شاگرد کا رشتہ
- ⑤ اسلامی ریاست کے چند ناگزیر تقاضے
- ⑥ کتابت حدیث عہد نبوی میں
- ⑦ خطبات جہاد
- ⑧ واقعہ کربلا
- ⑨ اس دنیا میں اللہ کا قانون جزا و سزا
- ⑩ قرآن مجید کے صوری اور معنوی محاسن (ایک اجمالی جائزہ)
- ⑪ محمدی انقلاب کے چند خدو خال

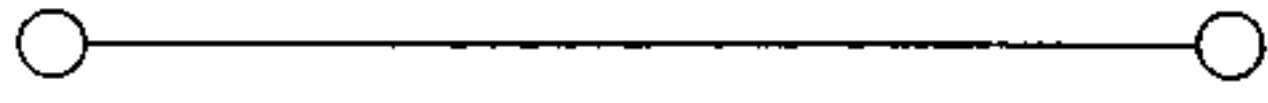
سیدی واپی (مولانا سید داؤد غزنوی کے حالات زندگی اور ان کی علمی و سیاسی خدمات کا تذکرہ)

مولانا سید ابو بکر غزنوی نے ۱۶ اپریل ۱۹۷۶ء کو لندن میں ایک حادثے میں انتقال کیا۔ چار دن بعد ۲۰ اپریل ان کی نعش لاہور پہنچی اور انہیں میاں صاحب قبرستان میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔



(۸)

## خاندان مولانا فیض اللہ بھوجیانی



۱	فیض اللہ	۲	عبدالرحمن
۳	عبدالرحیم	۴	حافظ بشیر احمد
۵	عبدالرشید	۶	محمد یحییٰ



## مولانا فیض اللہ بھوجیانی

مولانا فیض اللہ بن جمال الدین خاں بن خلیل احمد خاں افغان خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں۔

ابتدائی تعلیم قرآن مجید اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتب اپنے والد سے پڑھیں۔ اس کے بعد مزید تحصیل علم کے لیے مدرسہ غزنویہ امرتسر میں پہنچے۔ جہاں آپ نے مولانا عبداللہ بن عبداللہ غزنوی اور مولانا عبدالجبار غزنوی سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی اور مولانا عبدالرحیم غزنوی سے بھی استفادہ کیا۔

حدیث کی سند و اجازت شیخ الكل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی اور علامہ شیخ حسین بن محسن انصاری استاد مجی السنتہ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں قنوجی رئیس بھوپال سے حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے بھوجیاں میں ایک مدرسہ بنام ”فیض الاسلام“ کی بنیاد رکھی۔ اور اس میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اس مدرسہ میں آپ آخر عمر تک تدریس فرماتے رہے۔

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا فیض اللہ علم و فضل کے اعتبار سے ایک جید عالم دین تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع تھی۔ مسائل کی تحقیق و تدقیق میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ان کی ساری زندگی درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں بسر ہوئی۔ اس لیے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ مولانا عطاء اللہ مرحوم کے بیان کے مطابق ایک دور مسائل لکھے تھے۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بیان کرتے تھے کہ مولانا فیض اللہ بعض مسائل میں منفرد تھے۔ مثلاً آپ کا موقف یہ بھی تھا کہ رمضان المبارک میں دن کے آخری حصے میں یعنی نماز عصر سے نماز مغرب تک مسواک نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے روزے دار کے منہ کی وہ بوزائل

ہو جاتی ہے جو حدیث کی رو سے اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔  
تحریک مجاہدین جو حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی نے شروع کی  
تھی، اس تحریک سے بھی مولانا فیض اللہ خفیہ طور پر وابستہ تھے۔ اور خفیہ طور پر چندہ جمع کر کے  
مجاہدین کو بھیجتے تھے۔

مولانا عبدالعظیم انصاری لکھتے ہیں کہ:

”ایک دفعہ پولیس نے چھاپہ مار کر آپ کو گرفتار کر لیا۔ مکان کی تالاشی بھی لی لیکن  
کوئی چیز برآمد نہ ہو سکی۔ آپ کے ساتھ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کو بھی گرفتار کیا  
گیا۔ اور یہ دونوں بزرگ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ حکومت  
ان کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہ کر سکی۔ اس لیے انہیں رہا کر دیا گیا۔“

مولانا فیض اللہ اخلاق ستودہ اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ بڑے فیور تھے۔ امر  
بالمعروف و نہی عن المنکر میں بڑے سخت تھے۔

مولانا عبدالعظیم انصاری لکھتے ہیں کہ:

”مولانا فیض اللہ کے علمی مرتبہ، خاندانی وجاہت اور غزنوی خاندان سے  
تعلقات کی بنا پر عوام آپ کے بے حد گرویدہ اور عقیدت مند تھے۔ آپ انتہائی  
غیور و جسور تھے۔ خلاف اسلام کوئی کام ہوتا نظر آتا تو فوراً سختی سے روکتے۔ کسی  
شخص کی جرأت نہ تھی کہ آپ کے سامنے گستاخی سے پیش آئے۔ مستورات شرم و  
حیا اور خوف کی وجہ سے آپ کا سامنا نہیں کرتی تھیں۔ جب آپ رات سے  
گزرتے یا کسی گلی میں چلتے تو کوئی عورت اپنے مکان سے باہر نکلنے کی جرأت نہ  
کرتی۔ گاؤں کے لوگ اپنے تنازعات و مناقشات میں آپ کو ثالث اور حکم تسلیم  
کرتے اور آپ کے فیصلے پر سر تسلیم خم کرتے۔“

مولانا فیض اللہ جامع الکمالات و صاحب کرامات تھے۔ علمائے غزنویہ کے فیض یافتہ  
تھے۔ زہد و تقویٰ کے پیکر تھے، توحید و سنت کے علمبردار تھے، بڑے قبیح سنت تھے۔ مولانا فیض

اللہ نے ۱۹۲۵ء میں انتقال کیا۔ اور ان کی نماز جنازہ مولانا عبدالواحد غزنوی نے پڑھائی۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۱﴾



## عبدالرحمن

مولانا عبدالرحمن بن مولانا فیض اللہ ۹۹-۱۸۹۸ء میں بھوجیاں ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز اپنے والد مولانا فیض اللہ خاں سے کیا۔ اس کے بعد منڈی صادق گنج جا کر مولانا عبدالرحیم غزنوی بن مولانا سید عبداللہ غزنوی سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد واپس بھوجیاں آئے اور اپنے آبائی مدرسہ فیض الاسلام میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور زندگی کے آخری دن تک اس مدرسہ میں تدریس فرماتے رہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا عبدالعظیم انصاری، حافظ بشیر احمد بھوجیانی، مولانا محمد داؤد ارشد میاں جنوں۔

مولانا عبدالرحمن زبد و ورع، تقویٰ و طہارت، امانت و دیانت میں اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ اخلاق ستودہ اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ تواضع و انکساری کے پیکر تھے۔ بلند اخلاق، اعلیٰ اوصاف، نیک کردار اور للہیت کے باعث اپنے گاؤں میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی ان کا ادب و احترام کرتے تھے۔ حج کی سعادت بھی بہرہ ور ہو چکے تھے۔ بقول مولانا عبدالعظیم انصاری، آپ ایک صاحب حال بزرگ اور عارف باللہ تھے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ پنجاب میں ہندو مسلم فسادات

شروع ہو چکے تھے۔ آپ اپنے گاؤں سے نکلنے کی تیاری کر رہے تھے کہ ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء کو

سکھوں نے آپ کو شہید کر دیا۔

بنا کردند و خوش رست بخاک و خون غلطیدان

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را



## محمد عبداللہ

مولانا محمد عبداللہ بن مولانا فیض اللہ خاں ۱۹۰۲ء میں بھوجیاں ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا فیض اللہ خاں سے حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ محمدیہ لکھنؤ کے ضلع فیروز پور جا کر مولانا سوطاء اللہ لکھنوی سے استفادہ کیا۔ لکھنؤ کے میں استفادہ کے بعد آپ مولانا عبدالرحیم غزنوی کی خدمت میں منڈی صادق گنج حاضر ہوئے۔ اور ان سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں اکتساب فیض کیا۔ منڈی صادق گنج سے آپ مولانا خیر محمد جالندھری جو حنفی مسلک تھے ان سے جالندھر جا کر فقہ و اصول فقہ میں استفادہ کیا۔ جالندھر سے آپ امرتسر تشریف لے گئے اور مدرسہ غزنویہ میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے مولانا ابواسحاق نیک محمد سے تفسیر اور حدیث کی تحصیل کی۔

علم طب کی تحصیل طبیہ کالج لکھنؤ سے کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد واپس بھوجیاں آئے اور اپنے آبائی مدرسہ ”فیض الاسلام“ میں تدریس شروع کی۔ آپ مدرسہ میں تمام علوم تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث وغیرہ پڑھاتے تھے۔ ۱۹۳۳ء میں مولانا محمد اسماعیل السلفی کی تحریک پر جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں تشریف لائے اور دو سال تک جامعہ محمدیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد پھر واپس تشریف لے گئے۔ اور اپنے آبائی مدرسہ ”فیض الاسلام“ میں تدریس فرمانے لگے۔

۱۹۳۶ء میں آپ کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالرحیم کی شادی پر مولانا سید محمد داؤد

غزنوی بھوجیاں تشریف لائے۔ مولانا غزنوی مرحوم نے آپ کو مدرسہ غزنویہ امرتسر میں بطور استاد آنے کی دعوت دی۔ جو آپ نے منظور کر لی۔ چنانچہ آپ امرتسر تشریف لے گئے اور کافی عرصہ مدرسہ غزنویہ میں تدریس فرماتے رہے۔

مولانا محمد عبداللہ خوش خصال، نیک سیرت اور بلند اخلاق کے حامل تھے۔ نہایت متحمل مزاج، بردبار، متواضع اور حلیم الطبع تھے۔ مکارم اخلاق سے متصف، جو دوسخا اور انکساری کا پیکر تھے۔ نہایت ذہین، معاملہ فہم، صاحب فکر و بصیرت، صاحب فراست، عالی دماغ اور ذہانت و فطانت کا مرقع تھے۔

مولانا محمد عبداللہ نے اپنی ساری زندگی کتاب و سنت کی ترویج اور اشاعت میں گزار دی۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کی زندگی کا شعار تھا۔

کتاب و سنت اور مسلک حقہ اہل حدیث کے خلاف معمولی سی بات سننے کو بھی تیار نہ تھے۔ اگر کوئی شخص اہل حدیث کے خلاف طعن و تشنیع کرتا تو فوراً دفاع کے لیے تیار ہو جاتے۔

مولانا عبداللہ اپنی ہر دلعزیزی، علم و دانش، خاندانی شرافت، پسندیدہ اطوار اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل ہونے کے باعث مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نگاہ میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے اور مسلم و غیر مسلم ان کو اپنے تنازعات میں حکم تسلیم کرتے اور ان کے فیصلے پر سہ تسلیم خم کر دیتے تھے۔

مولانا محمد عبداللہ علم و فضل کے اعتبار سے علوم آلیہ و عالیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب و لغت، تاریخ و سیر، اسماء الرجال، فلسفہ و حکمت اور منطق میں ”دائرة المعارف“ تھے۔

مولانا عبداللہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں اپنے گھر بھوجیاں میں سکھوں کے ہاتھوں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ خدا جانے سکھوں نے ان کے لاشہ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

مقدور ہوں تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم  
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے



تلامذہ:

مولانا محمد عبداللہ کی ساری زندگی درس و تدریس میں گزری۔ اس لیے ان کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ گوجرانوالہ، مولانا محمد اسحاق چیمہ، مولانا حافظ محمد ابراہیم کبیر پوری، مولانا محمد عبداللہ فیصل آبادی، مولانا عتیق اللہ بن میاں محمد باقر، مولانا محمد داؤد ارشد میاں چنوں، مولانا حافظ اسماعیل ذبیح، مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی، مولانا عبداللہ الحق صدیقی، مولانا عبدالعظیم انصاری، مولانا محمد یوسف راجووال، مولانا سیف الرحمن الفلاح، مولانا حافظ بشیر احمد بھوجیانی، مولانا محمد یحییٰ میر محمدی، مولانا ابو بکر صدیق سلفی، مولانا ابو السلام محمد صدیق سرگودھا وغیرہم۔



## عبدالرحیم

مولانا عبدالرحیم بن مولانا فیض اللہ خاں بھوجیانی ۱۹۱۸ء میں بھوجیاں ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم نڈل تھی۔ دینی تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا۔ اور اپنے برادران مولانا عبدالرحمن اور مولانا محمد عبداللہ سے قرآن مجید ترجمہ کے ساتھ، صرف و نحو اور بلوغ المرام اور مشکوٰۃ اور دیگر کتب درسیہ پڑھیں۔ بعد ازاں جامعہ محمدیہ لکھو کے میں مولانا عطاء اللہ لکھوی سے دیگر علوم میں استفادہ کیا۔ جامعہ محمدیہ میں آپ دو سال زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۳۷ء میں مدرسہ غزنویہ امرتسر میں داخل ہوئے اور مولانا ابواسحاق نیک محمد اور مولانا محمد حسین ہزاروی سے حدیث کی بعض کتابیں اور علوم متداولہ فقہ و اصول وغیرہ میں تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ غزنویہ میں آپ دو سال تک پڑھتے رہے۔ اس کے بعد آپ دارالحدیث رحمانیہ چلے گئے۔

وہاں آپ نے مولانا احمد اللہ محدث پر تاب گڑھی اور مولانا نذیر احمد رحمانی سے اور دیگر اساتذہ سے تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ میں اکتساب فیض کیا۔ دارالحدیث رحمانیہ میں بھی آپ کا قیام دو سال رہا۔

۱۹۳۸ء میں فارغ ہو کر واپس بھوجیاں آئے اور اپنے آبائی مدرسہ فیض الاسلام میں ۲ سال تک تدریس فرماتے رہے۔ ۱۹۴۱ء میں مدرسہ غزنویہ امرتسر چلے گئے اور ۱۹۴۷ء تک امرتسر میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا عبدالرحیم علم و فضل کے اعتبار سے ایک جید عالم دین تھے۔ ایک علمی گھرانے سے ان کا تعلق تھا۔ بڑے شفیق اور مہربان استاد تھے۔ طلباء سے ان کا سلوک ہمیشہ بہمردانہ اور مشفقانہ رہا۔ بڑے بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ بڑے منکسر المزاج، متواضع، متین، سنجیدہ اور شیریں گفتار تھے۔

مولانا عبدالرحیم کے تلامذہ میں چند مشہور یہ ہیں:

مولانا حافظ بشیر احمد بھوجیانی، مولانا حافظ محمد یحییٰ میر محمدی، مولانا محمد یوسف راجووال اور مولانا محمد عبداللہ فیصل آبادی، مولانا محمد رفیق مدن پوری وغیرہم۔  
مولانا عبدالرحیم ۲۷ رمضان المبارک مطابق اگست ۱۹۴۷ء سکھوں کے ہاتھوں اپنے کاؤں بھوجیاں میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

تقبل اللہ مساعیہم و اعلیٰ اللہ درجاتہم



## حافظ بشیر احمد بھوجیانی

حافظ بشیر احمد بن مولانا عبدالرحمن نے دینی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اور میاں چنوں میں محمد اؤدار شد مرحوم کے جاری کردہ مدرسہ فیض الاسلام کے منتظم اور منصرم ہیں۔

## عبدالرشید

مولوی عبدالرشید بن مولانا محمد بن عبداللہ بن مولانا فیض اللہ خاں ۱۹۲۹ء میں بھوجیاں میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم کا آغاز اپنے آبائی مدرسہ فیض الاسلام بھوجیاں سے کیا۔ اس کے بعد مدرسہ تقویۃ الاسلام غزنویہ امرتسر، جامعہ محمدیہ لکھو کے، دارالحدیث رحمانیہ دہلی اور جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں زیر تعلیم رہے۔

آپ نے مختلف اوقات میں جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

مولانا ابواسحاق نیک محمد، مولانا محمد حسین ہزاروی، مولانا محمد عبداللہ (آپ کے والد محترم)، مولانا عبدالرحیم رحمانی بھوجیانی، مولانا عبدالرحمن لکھوی، مولانا محمد اسماعیل السلفی، مولانا محمد عبداللہ گوجرانوالہ اور مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری۔

طب کی تعلیم حکیم عبدالرحمن اور حکیم محمد ایوب آف بھینی جٹاں سے حاصل کی۔ مولوی عبدالرشید نہایت متواضع، منسار اور اخلاق کریمانہ کے حامل ہیں۔ سکونت کوٹ رادھا کشن میں ہے۔



## قاری محمد یحییٰ بھوجیانی

قاری محمد یحییٰ بھوجیانی بن مولانا محمد عبداللہ ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز قیوم پاکستان کے بعد ہوا۔ قراءت کے لیے قاری فضل کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قرآن مجید مولانا حافظ محمد یحییٰ میر محمدی کی زیر نگرانی حفظ کیا۔ دینی تعلیم کا آغاز مدرسہ تقویۃ الاسلام لاہور سے کیا۔ یہاں آپ نے مولانا حافظ عبدالرشید گوبڑی اور مولانا عبدالرشید نو مسلم سے

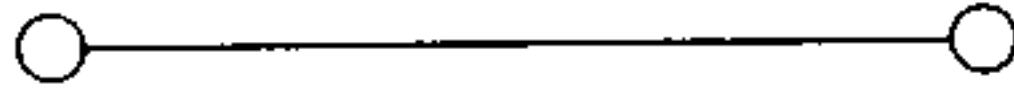
استفادہ کیا۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں داخل ہوئے اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث کوندلوی اور مولانا ابوالبرکات احمد سے درس نظامی کی تکمیل کی۔  
تکمیل کے بعد اسی مدرسہ میں تدریس پر مامور ہوئے اور اپنی ساری زندگی تدریس ہی میں صرف کر دی۔

قاری محمد یحییٰ بڑے ملنسار، خوش اخلاق اور منکسر المزاج تھے۔ بڑے اخلاق اور محبت سے ملتے تھے۔ سوہدرہ کئی بار تشریف لائے۔ ان کی دینی و ملی اور رفاہی خدمات قابل قدر ہیں۔ مجاہدین افغانستان (نورستان) کی بہت زیادہ اعانت کرتے تھے۔  
آپ نے ۳ نومبر ۱۹۹۷ء کو گوجرانوالہ میں انتقال کیا۔



(۹)

## علوی خاندان سوہدرہ



- |   |                   |    |                  |
|---|-------------------|----|------------------|
| ۱ | حافظ غلام حسین    | ۲  | مولوی محبوب عالم |
| ۲ | غلام نبی الربانی  | ۳  | حافظ عبدالحکیم   |
| ۵ | عبدالحمید         | ۶  | عبدالمجید خادم   |
| ۷ | حافظ محمد یوسف    | ۸  | حافظ عبد الوحید  |
| ۹ | محمد ادریس فاروقی | ۱۰ | حافظ محمد نعمان  |



## سوہدرہ تاریخ کے آئینے میں

سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ کا ایک قدیم اور تاریخی قصہ ہے، اور اپنی علمی، مذہبی اور تاریخی روایات کے لحاظ سے ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ سوہدرہ کی موجودہ شہرت کا سبب خاندان علوی ہے۔ جو برصغیر (پاک و ہند) میں اہلحدیث جماعت میں ممتاز مقام کا حامل ہے۔ اس خاندان کا علمی فیضان راس کمار کی سے لے کر پشاور تک پھیلا ہوا ہے۔

تاریخ کی قدیم کتابوں میں سوہدرہ کا ذکر ملتا ہے۔ مشہور مؤرخ محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ فرشتہ اور مغل فرمانروا شاہ جہانگیر نے اپنی توذک میں سوہدرہ کا ذکر کیا ہے۔ اکبر ملک نے اپنی کتاب ”دیس پنجاب“ میں بھی سوہدرہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

سوہدرہ سلطان محمود غزنوی کے غلام ملک ایاز نے آباد کیا تھا اور سوہدرہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ملک ایاز نے اس کے سو دروازے بنائے جس کی وجہ سے اس کا نام سو درہ رکھا گیا۔ اور پھر سو درہ سے سوہدرہ ہو گیا۔



## حافظ غلام حسین

خاندان علوی کے بانی حافظ غلام حسین موضع پانڈے ضلع گجرات سے ہجرت کر کے سوہدرہ میں آباد ہوئے تھے۔ حافظ غلام حسین کے والد کا نام بڈھا خان تھا۔ حافظ غلام حسین کا شجرہ نسب ۲۶ ویں پشت پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ حافظ غلام حسین بڑے دیندار، نیک خصلت اور صاحب کمال انسان تھے۔ ان کی تاریخ وفات کا علم نہیں

ہو۔ کا۔

## محبوب عالم

مولوی محبوب عالم حافظ غلام حسین کے صاحبزادے تھے۔ ان کے صاحب علم ہونے کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے صاحبزادے مولانا غلام نبی الربانی نے ان سے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ مولوی محبوب عالم کو عربی اور فارسی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ بڑے اچھے واعظ تھے۔ ان کی تاریخ وفات کا بھی علم نہیں ہو سکا۔



## غلام نبی الربانی

مولانا غلام نبی الربانی بن مولوی محبوب عالم ۲۳ رمضان المبارک ۱۲۶۵ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۸۴۷ء کو سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔

آپ نے ابتدائی کتابیں اپنے والد مولوی محبوب عالم سے پڑھیں۔ اس کے بعد وزیر آباد، جلاپور اور سیالکوٹ میں علی الترتیب مولانا قادر بخش فقیہہ وزیر آبادی، مولانا عبدالباقی جلال پوری اور مولانا غلام مرتضیٰ سیالکوٹی سے علوم معقول و منقول میں استفادہ کیا۔

حدیث کی تحصیل صاحب تفسیر محمدی حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی سے کی۔ اس کے بعد مولانا سید عبداللہ غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کی صحبت میں رہ کر ان کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوئے۔ بعد ازاں شیخ الكل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے بھی حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد واپس وطن آ کر وعظ و تبلیغ اور درس و تدریس میں مصروف ہوئے اور سوہدرہ میں کتاب و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں ان کی خدمات قدر

کے قابل ہیں۔ ان کے وعظ و تبلیغ سے سوہدرہ میں توحید و سنت کی اشاعت ہوئی اور شرک و بدعت کا قلع قمع ہوا۔ ان کی بدولت سوہدرہ کی سگے زئی برادری اور سوہدرہ کے نواحی قریہ تلو اڑھ کے لوگوں نے مسلک اہلحدیث اختیار کیا۔

مولانا غلام نبی الربانی مرجع خلافت اور عالم باعمل تھے۔ آپ کا شمار اہل اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ صاحب کمالات و کرامات تھے۔  
صاحب نزہتہ الخواطر فرماتے ہیں:

”آپ بڑے متضرع، متوکل اور باہمت تھے۔ اللہ سے بہت زیادہ مدد طلب کرتے تھے۔ آپ کسی مخصوص مذہب کا التزام نہیں کرتے تھے بلکہ جس بات پر ٹھوس دلیل مل جاتی اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ آپ کو اس سلسلے میں بڑی بڑی اذیتیں بھی احناف کی طرف سے اٹھانی پڑیں۔ ان لوگوں نے ان کے خلاف ایسا محاذ قائم کیا تھا جس سے بڑا کوئی محاذ کیا بنائے گا۔ ان کو بدعتی قرار دیا گیا، مناظرہ کیا اور ہٹ دھرمیاں بھی کیں۔ لیکن وہ ثابت قدم رہے، انہوں نے نہ تو مدابنت برتی اور نہ کسی چیز کی پرواہ کی۔“

درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ آپ کا مشغلہ تھا۔ تدریس باقاعدہ نہ تھی۔ البتہ جو صاحب جو کتاب لائے سو بسم اللہ، امامت اور خطبہ جمعہ، مطالعہ کتب، ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن مجید میں زیادہ تر وقت صرف ہوتا تھا۔

تلامذہ یہ ہیں:

مولوی نظام الدین کٹھوروی، مولوی امام خاں نوشہروی، مولوی ہدایت اللہ سوہدروی، مولوی مراد علی کٹھوروی، حافظ محمد حیات سوہدروی، مولوی عبدالعزیز خونی چک ضلع گجرات۔

تصانیف میں پنجابی نظم میں درج ذیل رسائل لکھے:

① تحفة الوالدین لحصول سعادة الدارين

② تحفة المعجزات فی تاکید الصلوة



③ تحفة العجلاء المعروف نصيحة النساء

اولاد میں حافظ عبدالحکیم اور مولوی عبدالحمید ہیں۔ ان دونوں کو خود اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا۔

﴿ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴾

مولانا غلام نبی الربانی نے ۴/۳/۱۳۲۸ھ مطابق ۳/۳/۱۹۳۰ء سوہدرہ میں انتقال کیا۔



## حافظ عبدالحکیم

مولوی حافظ عبدالحکیم بن مولانا غلام نبی الربانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔ علوم مروجہ کی تعلیم والد محترم سے حاصل کی۔ حدیث کی تحصیل مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی سے کی۔

احیائے سنت میں اپنے والد کے دست و بازو تھے۔ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں وفات پا گئے۔

مولانا غلام نبی الربانی نے درج ذیل تاریخ وفات کہی:

گشت تاریخ وفات عبدالحکیم از حق پدید

حرف یا شد..... بگیر از..... حافظ قرآن مجید

۱۳۹۷ھ

۱۳۲۰

۷۷



## عبدالحمید

مولانا عبدالحمید مولانا غلام نبی الربانی کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۲ء سوہدرو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم عربی و فارسی کی کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ اس کے بعد آپ مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تفسیر، سحاح ستہ بشمول مؤطا امام مالک و مشکوٰۃ المصابیح اور فقہ کی کتابیں پڑھیں اور سند حاصل کی۔ محدث وزیر آبادی نے ان کی خوش خصالی کو دیکھتے ہوئے انہیں اپنی دامادی میں لے لیا تھا۔

وزیر آباد سے فراغت کے بعد مولانا عبدالحمید حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی نے آپ کو ایک سفارشی خط بھی حضرت میاں صاحب کے نام دیا۔

حضرت حافظ صاحب نے حضرت میاں صاحب کو لکھا:

”مزاج کرامی بخیر! عزیز مولوی عبدالحمید سوہدروی آپ کی خدمت میں بغرض تعلیم حاضر ہو رہے ہیں۔ ان کی تعلیم کی طرف خاص توجہ فرمائیں۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔“

حضرت میاں صاحب نے استاد پنجاب کا خط سن کر فرمایا:

”بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست۔“

دہلی سے فراغت کے بعد مولوی عبدالحمید مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی صاحب عنوان المعبود (شرح ابوداؤد) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بھی تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل کی۔ اور حدیث میں سند حاصل کی۔ اس کے بعد آپ علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی کی خدمت میں بھوپال حاضر ہوئے اور ان سے بھی حدیث میں سند و اجازت حاصل

کی۔ یہ واقعہ ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء کا ہے۔

تکمیل تعلیم کے بعد سوہدرہ آئے اور اپنے والد محترم مولانا غلام نبی الربانی کے ساتھ توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں دست و بازو بنے۔ اور اس کے ساتھ ”مدرسہ حمید یہ“ کے نام سے ایک دینی در۔ گاہ قائم کی۔ آپ کے تلامذہ میں وہی حضرات شامل تھے جو آپ سے پہلے آپ کے والد محترم سے تعلیم حاصل کر رہے تھے یعنی:

مولوی نظام الدین کٹھوروی، مولوی ابویحییٰ امام خاں نوشہروی، مولوی ہدایت اللہ، مولوی مراد علی کٹھوروی، حافظ محمد حیات (ساکنین سوہدرہ) اور مولوی عبدالعزیز ازخونی چک ضلع گجرات۔

مولانا عبدالحمید بڑے اچھے مبلغ تھے۔ ان کا وعظ بڑا مؤثر ہوتا تھا۔ لوگ بڑی عقیدت سے ان کا وعظ سنتے تھے۔

مولوی ابویحییٰ امام خاں نوشہروی نے لکھا ہے کہ آپ وعظ سے پہلے عموماً یہ شعر پڑھتے تھے:

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

تصنیف میں ”عمدة الاحکام عن سید الانام“ از علامہ شیخ تقی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبدالغنی بن عبدالواحد بن سرور الجماعلی المتوفی ۶۱۰ھ کی شرح بنام ”زبدۃ المرام“ لکھی۔

مولانا عبدالحمید نے ۷ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۹۱۲ء کو انتقال کیا۔ عمر بہت تھوری پائی تھی۔ ابھی سن بھلنے ہی نہ پائے تھے کہ مرحوم ہو گئے۔ ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳۰ھ میں دنیا سے سدھار گئے۔

۳۰ سال کو ابتدائے عمر کے طبعی مشاغل میں تقسیم کیجئے۔ عملی زندگی کے پانچ چھ سال سے زیادہ نہ آئیں گے۔ مہلت ملتی تو دنیا میں نام پیدا کرتے۔

حضرت وحشت کلکتوی نے آپ کا قطعہ تاریخ وفات لکھا:

جہاں زمام عبدالحمید گشتہ سیاہ

شکستہ شد کمر مولوی غلام نبی

زمانہ دیدہ کم و میگو نہ صلح و تقویٰ را  
 ہمیشہ بود و ش درده خدا طلبی  
 زمان زندگی اوتمام وقف شدہ  
 بہ اتباع طریق پیمبر عربی  
 چہ خود ستم من تاریخ زحتش وحشت  
 بگفتار ہاتف عینی دین چراغ نبی

۱۳۳۰ھ

مولوی ابویحییٰ امام خان نوشہروی لکھتے ہیں کہ:

”مولوی عبدالحمید مرض الموت میں بیمار تھے۔ مولوی مراد علی کٹھوروی جو آپ کے شاگرد خاص تھے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک دیا ہے جو خود بخود کلیوں میں جل رہا ہے۔ ایک ہوا کا جھونکا آیا اور وہ گل ہو گیا۔ میں نے صبح جا کر یہ خواب مولانا غلام نبی الربانی سے بیان کیا تو آپ نے اس خواب کی یہ تعبیر فرمائی کہ اس بیماری میں مولوی عبدالحمید کا انتقال ہو جائے گا۔ چنانچہ دو ہی دن بعد مولوی عبدالحمید نے انتقال کیا۔“

مولانا غلام نبی الربانی نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا۔ مولانا عبدالحمید مرحوم زہد و تقویٰ، پرہیزگاری، اخلاص، لٹھیت، کسر نفسی اور غریب پروری میں نمونہ تھے۔ بقول حضرت وحشت کلکتوی اپنے زمانہ کے مجدد تھے۔



## عبدالحمید سوہدروی

مولانا عبدالحمید سوہدروی ایک بلند پایہ عالم دین، خطیب، مقرر، مصنف، ادیب،

دانشور و صحافی، مؤرخ، نقاد اور طبیب حاذق تھے۔ آپ کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ آپ کے والد مولانا عبدالحمید سوہدروی جید عالم دین، محدث اور محقق تھے۔ اور آپ کے دادا مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی کا شمار اولیائے کرام میں ہوتا تھا۔ مولانا غلام نبی الربانی حضرت مولانا سید عبداللہ غزنوی سے مستفیض تھے اور صاحب کرامات تھے۔ مولانا عبدالحمید استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے نواسے تھے۔ استاد پنجاب کی شخصیت بھی محتاج تعارف نہیں۔ آپ نے تقریباً نصف صدی تک وزیر آباد میں حدیث نبوی ﷺ کا درس دیا۔ برصغیر (پاک و ہند) کے جید علمائے دین آپ کے شاگرد تھے۔ مثلاً مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی، مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی اور شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفی وغیرہم اس لحاظ سے مولانا عبدالحمید نجیب الطرفین تھے۔

مولانا عبدالحمید جنوری ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۲ سال کے تھے کہ ان کے والد مولانا عبدالحمید نے ۲۴ مئی ۱۹۱۲ء کو انتقال کیا۔ اس کے بعد مولانا عبدالحمید کی پرورش آپ کے دادا مولانا غلام نبی الربانی نے کی اور ابتدائی تعلیم بھی آپ نے اپنے دادا ہی سے حاصل کی۔ بعد ازاں آپ حصول تعلیم کے لیے مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی کے مدرسہ ”دارالحدیث“ سیالکوٹ میں داخل ہوئے اور ۲۰ سال کی عمر میں مروجہ درسیات سے فراغت حاصل کی۔ اور واپس اپنے وطن سوہدرہ تشریف لائے اور اشاعت دین اسلام و توحید و سنت میں مشغول ہوئے۔ اس کے لیے آپ کو زیادہ محنت نہ کرنا پڑی، اس لیے کہ آپ کے دادا اور والد نے اس سے قبل توحید و سنت کی زمین کو بہت زرخیز کر دیا تھا۔ اس کی آبیاری میں آپ کو زیادہ محنت نہ کرنا پڑی۔

تبلیغ کا ایک ذریعہ اخبار بھی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحمید نے بھی اخبار کو بھی ذریعہ تبلیغ بنایا اور ۱۹۲۱ء میں آپ نے ماہنامہ ”مسلمان“ جاری کیا۔ چند سال بعد ”مسلمان“ کو ہفت روزہ کر دیا گیا۔ یہ اخبار ۱۹۳۹ء تک جاری رہا اس کے بعد اس کی اشاعت دوبارہ ماہانہ کردی گئی۔ اور ۱۹۵۹ء تک ”مسلمان“ ماہانہ جاری رہا۔

۱۹۴۹ء میں آپ نے نعت روزہ جریدہ ”الہدیت“ جاری کیا، یہ اخبار بھی ۱۹۵۹ء تک جاری رہا۔ مولانا عبدالمجید طیب حاذق بھی تھے۔ آپ ایک طبی رسالہ ماہنامہ ”طبی میگزین“ بھی شائع کرتے رہے۔ یہ رسالہ بھی تقریباً دس سال تک شائع ہوتا رہا۔ یہ تینوں رسائل آپ کی وفات نومبر ۱۹۵۹ء تک شائع ہوتے رہے۔

مولانا عبدالمجید مرحوم ایک بلند نظر عالم، شعلہ نوا خطیب اور مقرر تھے۔ مسائل کی تحقیق پر کبریٰ نظر تھی۔ سیاسیات سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ شروع میں کانگریس سے وابستہ رہے بعد میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

مولانا عبدالمجید ایک کامیاب مصنف بھی تھے۔ آپ نے اسلامی تصانیف کے علاوہ طبی کتابیں بھی لکھیں۔ آپ کی اسلامی تصانیف کی تعداد ۲۳ ہے اور طبی کتابوں کی تعداد ۳۴ ہے۔ آپ کی کل تصانیف ۵۷ ہیں۔

طوالت کے پیش نظر یہاں آپ کی اسلامی کتب کی فہرست پر اکتفا کیا جاتا ہے:

- ۱۔ کریم کامل (آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ)، ﴿۲﴾ دولت مند صحابہ،
- ۳۔ سیرت الائمہ، ۴۔ سیرت عائشہ، ﴿۵﴾ سیرت فاطمہ، ﴿۶﴾ سیرت امام ابوحنیفہ، ﴿۷﴾ نقوش آزاد (مولانا ابوالکلام کے حالات زندگی)، ﴿۸﴾ استاد پنجاب (مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے حالات زندگی)، ﴿۹﴾ سیرت ثانی (مولانا ثناء اللہ امرتسری)، ﴿۱۰﴾ داستان مرزا قادیانی، حدیث کی پہلی تاچوتھی کتاب، ﴿۱۱﴾ انتخاب صحیحین، ﴿۱۲﴾ ترجمہ و شرح اربعین امام نووی، ﴿۱۳﴾ ترجمہ و شرح اربعین ابراہیم، ﴿۱۴﴾ تفسیر سورۃ فاتحہ، ﴿۱۵﴾ حیات النبی ﷺ، ﴿۱۶﴾ ترجمہ تفسیر سورۃ فاتحہ (تفسیر المنار)، ﴿۱۷﴾ سفر نامہ حجاز، ﴿۱۸﴾ بند و شعراء کا نعتیہ کلام، ﴿۱۹﴾ خطبات ثانی، ﴿۲۰﴾ امریہ اور ہابی، ﴿۲۱﴾ سفر نامہ حجاز، ﴿۲۲﴾ تحریک و ہابیت۔

مولانا عبدالمجید نے ۶ نومبر ۱۹۵۹ء کو لاہور میں انتقال کیا۔ نعش سوہدرہ لائی گئی اور اپنے آبائی قبرستان میں اپنے جد امجد مولانا غلام نبی اربانی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

## حافظ محمد یوسف

مولانا حافظ محمد یوسف مولانا عبدالمجید سوہدروی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ ۱۳۳۷ھ میں سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔

دینی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے کیا۔ آپ نے قرآن مجید مولانا حافظ عبدالرشید مرحوم سے مسجد چینیانوالی لاہور میں حفظ کیا۔ حفظ قرآن مجید کے بعد سوہدرہ واپس آئے اور اپنے پردادا مولانا غلام نبی الربانی سے جملہ علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا اور پھر اس کے بعد مولوی عمر الدین وزیر آبادی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ جہاں سے آپ نے جملہ کتب درس نظامی پڑھیں۔

آپ نے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات امتیازی نمبروں میں پاس کیے۔ ادیب فاضل کی تیاری مکمل کر چکے تھے اور اس کے لیے امتحانی سنٹر جموں رکھا تھا۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا اور آپ امتحان نہ دے سکے۔

طب کا امتحان طبیہ کالج امرتسر سے امتیازی نمبروں میں پاس کیا۔ تکمیل تعلیم کے بعد توحید و سنت اور وعظ و تبلیغ میں مشروف ہوئے۔ ذریعہ معاش طب کو بنایا۔

۱۹۵۲ء میں ماہنامہ "قوانین فطرت" جاری کیا۔ جو آپ کی وفات تک جاری رہا۔

۱۹۵۹ء میں مولانا عبدالمجید انتقال کر گئے اور ان کا اخبار جریدہ اہلحدیث بند ہو گیا۔ ۱۹۶۰ء میں آپ نے دوبارہ جاری کیا جو تقریباً ۴ سال تک جاری رہا۔

مولانا عبدالمجید کے انتقال کے بعد اپنی آبائی مسجد کے خطیب و امام اور متولی ہوئے۔ اور اپنے انتقال تک وہ اس منصب پر فائز رہے۔

مولانا حافظ محمد یوسف ایک درویش صفت انسان تھے۔ آپ کی ساری عمر خدمت اسلام میں بسر ہوئی۔ سوہدرہ میں توحید و سنت کی اشاعت اور بدعات و محدثات کے خاتمہ میں آپ

کی سعی و کوشش کو بڑا دخل ہے۔

حافظ صاحب بڑے حلیم الطبع اور ملنسار تھے۔ استغناء، رجوع الی اللہ، توکل آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکے تھے۔ صبر و استقامت کے وصف سے متصف تھے۔ تعلیم و افتاء اور رشد و ہدایت کی ادائیگی آپ کی زندگی کا مطمح نظر تھا۔ ساری زندگی درس و تدریس جاری رکھی۔ مطالعہ بہت کرتے تھے۔ علوم اسلامیہ پر نظر وسیع تھی۔ حالات حاضرہ سے آگاہ تھے۔ بڑے حاضر العلم تھے۔ قرآن اور حدیث پر ان کا مطالعہ گہرا تھا۔ قرآن مجید بہت زیادہ یاد تھا۔ مسائل کی تحقیق میں ان کو کافی مہارت حاصل تھی۔ ان کی تقریر بڑی سادہ اور بڑی جامع ہوتی تھی۔ کوئی بات قرآن و حدیث کے علاوہ بیان نہیں کرتے تھے۔ راقم آٹم کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے اور میں وثوق سے کہتا ہوں کہ:

”میں نے علماء میں ایسا شریف، ایسا نیک، ایسا درویش، ایسا سادہ مزاج، ایسا مستعمل مزاج، خوش اخلاق، شیریں گفتار، باغ و بہار، ایسا مرنجاں مرنج نہیں دیکھا۔ ایسا متقی و پرہیزگار، حلم و علم کا پیکر، ملنسار، تقویٰ و طہارت کا مجسمہ اور ایسا وسیع المشرب اور وسیع الاخلاق کم ہی کہیں نظر آئے گا۔ وہ مذہبی تھے اور سخت مذہبی۔“

مواویٰ حافظ محمد یوسف نے ۱۵ شعبان ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء سوہدرہ میں انتقال کیا۔ ان کے جنازہ میں سوہدرہ اور اس کے گرد و نواح کے ہر مسلک، ہر فرقہ کے کثیر لوگ شریک تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں سوہدرہ کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ نہیں دیکھا۔ ان کے جنازہ میں اتنی کثیر تعداد کی شرکت ان کے حسن اخلاق اور شرافت کی دلیل تھی۔ ہر مکتب فکر یعنی اہلحدیث، دیوبندی، بریلوی اور شیعہ شریک تھے اور سب ہی نے آپ کی وفات کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا۔





## حافظ عبدالوحید

مولانا عبدالمجید خادم نے دوسری شادی مولانا احمد علی لاہوری کی صاحبزادی سے کی۔ اس نیک خاتون کے بطن سے حافظ عبدالوحید اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں۔ حافظ عبدالوحید ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد ان کو مولانا عبدالمجید نے جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں داخل کرادیا۔ جامعہ محمدیہ میں آپ نے علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا حافظ عبداللہ بڑھیمالوی، مولانا محمد عبدہ الفلاح اور مولانا معین الدین لکھوی سے کی۔

۱۹۶۱ء میں آپ نے مدرسہ خدام الدین لاہور سے قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید و قرأت کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ڈھاکہ چلے گئے۔ وہاں آپ نے ڈھاکہ یونیورسٹی سے ایف اے کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد کوئٹہ آ گئے۔ کوئٹہ کے قیام کے دوران ۱۹۷۲ء میں بی اے اور ۱۹۷۴ء میں ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۶ء کوئٹہ میں مقیم رہے۔ ۱۹۷۷ء میں سوہدرہ آ گئے اور وزیر آباد میں پریکٹس شروع کی۔ ساتھ ساتھ دینی اور مذہبی کاموں کی طرف بھی متوجہ رہے۔ ۱۹۸۵ء میں آپ نے اپنی آبائی مسجد میں ”اصحاب صفہ“ کے نام سے ایک دینی مدرسہ جاری کیا۔ جس میں ناظرہ قرآن مجید، حفظ قرآن مجید اور ترجمہ قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ مدرسہ الحمد للہ آج تک جاری ہے اور آپ اس کے سرپرست ہیں۔

حافظ عبدالوحید صاحب قومی و ملی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ سوہدرہ ناؤن کمیٹی کے کونسلر بھی رہ چکے ہیں۔ بڑے سرگرم، فعال کارکن ہیں۔ دین کے معاملہ میں معمولی سی مداخلت بھی برداشت نہیں کرتے۔ بڑے حق گو اور بے باک ہیں۔ ساتھ ہی خوش اخلاق اور ملنسار بھی ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں ہوسٹن (امریکہ) چلے گئے۔ وہاں آپ اسلامک سنٹر میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے ہیں اور خطبہ جمعہ بھی۔ اور اس کے ساتھ عالمی ادارہ دارالسلام

سے بھی وابستہ ہیں۔

حافظ صاحب بڑے اچھے خطیب اور مقرر ہیں۔ ایک دو سال بعد سوہدرہ تشریف لاتے ہیں۔ جتنے دن ان کا سوہدرہ میں قیام رہے، وعظ و تبلیغ میں اور دوستوں اور عزیزوں کی ملاقات میں مصروف رہتے ہیں۔



## محمد ادریس فاروقی

مولوی حکیم محمد ادریس فاروقی بن مولوی حافظ محمد یوسف فاروقی ۱۹۲۳ء میں سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم بی اے اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ دینی تعلیم کا آغاز اپنے والد حافظ محمد یوسف سے کیا۔ اس کے بعد مدرسہ اہلحدیث بہلم میں داخل ہوئے۔ بعد ازاں جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں تکمیل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد کوئٹہ چلے گئے۔ وہاں آپ ایک سکول میں دینیات کے استاد مقرر ہوئے اور اس کے ساتھ مسجد اہلحدیث غزنویہ کی امامت کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ کوئٹہ میں کئی سال تک رہے، اس کے بعد اپنے وطن سوہدرہ آ گئے۔ اور اپنے والد حافظ محمد یوسف صاحب کے انتقال کے بعد اپنی آبائی مسجد کے خطیب مقرر ہوئے اور یہ فریضہ آپ اب تک انجام دے رہے ہیں۔

فاروقی صاحب اچھے واعظ و مبلغ ہیں۔ تصنیف و تالیف کا بھی شوق رکھتے ہیں۔ اب تک ان کی درج ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

۱۔ انوار حدیث

۲۔ مقام رسالت

۳۔ نبی رحمت

۴ مسئلہ تقلید

۵ سیرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ

۶ سیرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

یہ کتابیں محض کتابی دنیا میں اضافہ ہیں۔

فاروقی صاحب دوسرے مصنفین کی کتابوں پر حواشی لکھنے پر بہت زیادہ ماہر ہیں۔ طبیہ کالج کوئٹہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ ذریعہ معاش طبابت ہے۔ ”ضیائے حدیث“ کے نام سے ایک پندرہ روزہ رسالہ نکالتے ہیں جس کے ”چیف ایڈیٹر“ ہیں۔



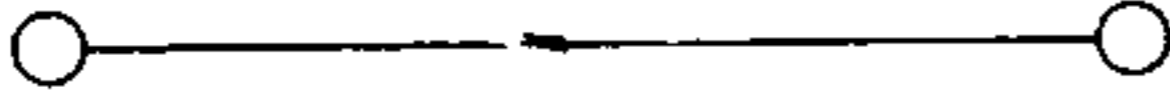
## حافظ محمد نعمان

حافظ محمد نعمان حکیم مولوی محمد ادریس فاروقی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ عصری تعلیم ایف اے ہے۔ دینی تعلیم کا آغاز جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے کیا اور تکمیل مدرسہ اہلحدیث ستیانہ بنگلہ فیصل آباد سے کی۔ ان دنوں مکتبہ دارالسلام میں شعبہ تحقیق سے منسلک ہیں۔ بڑے شریف اور ملسار ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوش رکھے۔



(۱۰)

## قصوری خاندان



عبدالحق	۲	عبدالقاہد	۱
محمی الدین احمد	۳	عبداللہ	۳
احمد علی	۶	محمد علی	۵



## عبدالقادر

مولانا عبدالقادر قصوری کا شمار ان جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے دین و مذہب کے ساتھ ملک و ملت کی بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ مولانا عبدالقادر کا اصل وطن موضع دلاور چیمہ، تحصیل وزیر آباد، ضلع گوجرانوالہ تھا۔ ان کے والد مولوی غلام احمد اور دادا مولوی غلام حسن دونوں عالم دین تھے۔ لیکن حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ مولوی غلام احمد نے مولوی غلام رسول قلعوی کی صحبت اور تبلیغ سے مسلک اہلحدیث قبول کیا اور دلاور چیمہ میں ایک مسجد بنوائی۔ یہاں انہوں نے توحید و سنت کی روشنی پھیلائی، مولوی غلام احمد نے ۱۹۰۱ء میں انتقال کیا۔

مولانا عبدالقادر ۱۸۶۳ء میں ”دلاور چیمہ“ میں پیدا ہوئے۔ ۴ سال کی عمر میں گھر سے دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ ان کی رسم بسم اللہ مولانا غلام رسول قلعوی کے ہاتھوں ہوئی۔ گھر میں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے، بعد میں اورنٹیل کالج لاہور میں داخل ہوئے اور امتیازی نمبروں میں کامیابی حاصل کی۔ بعد میں قانون کی ڈگری بھی حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد وکالت شروع کی اور قصور کی عدالت میں ایک مقدمہ کی پیروی میں پیش ہوئے۔ مولانا عبدالقادر نے مقدمہ جیت لیا۔ اس کے بعد تحصیلدار قصور کے مشورہ سے قصور ہی میں وکالت شروع کر دی۔ اور مستقل طور پر آپ نے قصور میں سکونت اختیار کر لی۔ قصور میں ان کی آمد کا زمانہ ۱۸۸۵ء کا ہے اور بعد میں ”قصوری“ آپ کے نام کا لاحقہ ہو گیا۔

مولانا عبدالقادر نے اپنے پیشہ وکالت میں بہت زیادہ ترقی کی۔ اور ان کے پاس بہت زیادہ مقدمات آنے لگے اور آہستہ آہستہ ان کا شمار پنجاب کے چوٹی کے وکیلوں میں ہونے لگا۔ آپ ایک بہترین اور کامیاب وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ نامور عالم دین بھی تھے۔ ان کا شمار جماعت اہلحدیث کے چوٹی کے علماء میں ہوتا تھا۔ جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال

بنانے میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔

۱۹۲۰ء میں مولانا عبدالقادر قسوری نے ملک کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔

۱۹۲۱ء میں تحریک ترک موالات میں شامل ہوئے اور وکالت چھوڑ دی اور اس وقت آپ کی ماہانہ آمدنی کئی ہزار روپے تھی۔ ۱۹۲۳ء میں ترک موالات عملاً ختم ہو گئی۔ اس کے بعد مولانا کے بیشتر ساتھیوں نے دوبارہ وکالت کا پیشہ اختیار کیا، لیکن مولانا عبدالقادر قسوری نے ایسا نہ کیا۔ آپ نے ہمیشہ کے لیے وکالت کے پیشہ کو خیر باد کہہ دیا۔

۱۹۱۹ء سے پہلے آپ آل انڈیا کانگریس سے وابستہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء میں آپ کو پنجاب کانگریس کا صدر بنایا گیا اور ۱۹۳۰ء تک آپ پنجاب کانگریس کے صدر رہے۔ مولانا عبدالقادر مجلس خلافت سے بھی وابستہ رہے۔ وہ پنجاب میں مجلس خلافت کے روح رواں تھے اور پنجاب مجلس خلافت کے بھی صدر تھے۔

مولانا عبدالقادر ایک فعال اور سرگرم مذہبی و سیاسی رہنما تھے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

”وہ عالم و فاضل اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ بہت فیاض اور مہمان نواز تھے۔

نہایت فیاض، انتہائی دیانتدار اور حد درجہ ایثار پیشہ تھے۔ بے حد مستقل مزاج،

اصابت رائے میں یگانہ اور صحت فکر میں منفرد، بہت خوددار اور مستقل مزاج تھے۔“

مولانا غلام رسول مہر نے بھی ان کی دیانت و امانت، خودداری اور ان کی مہمان نوازی

کا اعتراف کیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد سے انہیں بہت زیادہ تعلق تھا۔ مولانا ابوالکلام عمر میں ان سے

چھوٹے تھے۔ لیکن مولانا عبدالقادر مولانا آزاد کے علم و فضل کے معترف تھے اور مولانا

ابوالکلام بھی ان کی بہت زیادہ تکریم کرتے تھے۔

اور جب کبھی آپ پنجاب تشریف لاتے تو مولانا عبدالقادر قسوری کے مہمان ہوتے

تھے۔ مولانا عبدالقادر ”الہلال“ اور ”البلاغ“ کے شیدائی تھے۔

مولانا عبدالقادر حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کی تحریک مجاہدین سے بھی وابستہ تھے اور چمرقند کی جماعت مجاہدین کی بہت زیادہ امداد کرتے تھے۔

مولانا عبدالقادر قصوری کے سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمن والہی - سعودی عرب سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ وہ مولانا عبدالقادر کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ ۱۹۲۳ء میں مجلس خلافت کا ایک وفد مولانا سید سلیمان ندوی کی سربراہی میں حجاز گیا تھا جس کے ایک رکن مولانا عبدالقادر قصوری تھے اور دوسرے رکن مولانا عبدالماجد بدایونی تھے۔

۱۹۲۶ء میں مکہ معظمہ میں موتمر عالم اسلامی کا اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس میں مولانا عبدالقادر سلطان عبدالعزیز کی خصوصی دعوت پر شریک ہوئے تھے۔ سلطان عبدالعزیز نے آپ کو وزارت کی پیشکش کی۔ لیکن آپ نے بعض وجوہات کی بنا پر اس کو قبول نہ کیا۔ مولانا عبدالقادر کی مذہبی اور سیاسی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

”وہ نہایت مرنجاں اور وضع دار بزرگ تھے۔ کتنے ہی لوگ سیاست میں ان سے اختلاف رکھتے تھے۔ وہ سیاسی میدان میں بہت سے بڑے بڑے لوگوں سے الگ رائے رکھتے تھے۔ مگر کسی سے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ اختلاف رائے کے حدود کو ایک خاص دائرے سے آگے بڑھنے نہیں دیتے تھے۔ ذاتیات پر اتر آنا اور کسی کو حریف بنانا ہرگز ان کا شیوہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جماعت کے چہوئے بڑے ان کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور اکثر ذاتی معاملات میں ان سے مشورے لیتے تھے۔“

مولانا محمد علی جوہر اپنے دور کے بہت بڑے سیاسی رہنما تھے۔ لیکن بڑے جذباتی تھے۔ مسلک کے لحاظ سے بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں جب سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمن نے حجاز پر قبضہ کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور انہوں نے وہاں تمام آثار و مزارات کو مسمار کر دیا تو اس وقت ہندوستان میں کچھ لوگوں نے سلطان کے اس

اقدام سے اختلاف کیا اور سلطان کی مخالفت میں سخت رد عمل کا اظہار کیا۔ مولانا محمد علی جوہر اس میں شامل تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے سرفہرست تھے۔

دوسرا گروہ سلطان کی حمایت میں تھا اور اس گروہ میں کچھ حضرات پنجاب سے تعلق رکھتے تھے، اور کچھ اصحاب دہلی اور یوپی سے تعلق رکھتے تھے۔ پنجاب سے جو حضرات اس گروہ میں شامل تھے اس کے سرکردہ ارکان میں مولانا ظفر علی خاں، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالواحد غزنوی اور مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولوی احمد سعید دہلوی اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ شامل تھے۔

مولانا محمد علی جوہر نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ حجاز کو ایک بین الممالی انتظامی ادارے کی تحویل میں دے دیا جائے، دوسرے گروہ کے ارکان کے نزدیک یہ تجویز قطعی طور پر ناقابل عمل تھی۔

پنجاب سے جو حضرات مولانا محمد علی جوہر کی اس تجویز میں مخالف تھے، مولانا محمد علی انہیں ”پنجابی ٹولہ“ کہا کرتے تھے۔

مولانا عبدالقادر قصوری ایک مستند عالم دین تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی تصانیف سے ان کو خاص لگاؤ تھا۔ وہ ان کی تصانیف کا بالالتزام مطالعہ کرتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے، دونوں ایک دوسرے کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ مولانا آزاد نے مولانا عبدالقادر قصوری کے خاندان کو ”خاندان سعادت قصور“ کا نام دیا ہے۔

مولانا ظفر علی خاں سے مولانا عبدالقادر کے بہت زیادہ اچھے تعلقات تھے۔ اور مولانا ظفر علی خاں ان کی دینی، ملی اور سیاسی خدمات کے معترف تھے۔ مولانا ظفر علی خاں نے ان کی تعریف میں دو چار نظمیں بھی لکھیں جو ان کے مجموعہ کلام ”بہارستان“ میں درج ہیں۔

مولانا عبدالقادر قصوری نے ۱۶ نومبر ۱۹۳۲ء مطابق ۶/۶/۱۳۶۱ھ لاہور میں



انتقال کیا اور قصور میں دفن ہوئے۔

”مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کی وفات پر ”معارف اعظم گڑھ“ میں لکھا کہ:  
 ”مولانا عبدالقادر قصوری پنجاب کے نامور عالم اور وکیل، مجاہد، عربی کے عالم،  
 دینیات کے فاضل اور انگریزی سے واقف تھے۔ مسلک اہلحدیث تھے۔ نہایت  
 دیندار، متواضع، ملنسار، پابند وضع، علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی تصانیف  
 کے بڑے شائق تھے اور انہی کی تحقیق پر ان کا عمل تھا۔ مرحوم کو خاکسار سے  
 گونا گوں تعلقات قلبی تھے۔ قومیات میں ہمیشہ ساتھ رہا، خیالات میں بہت  
 زیادہ ہم آہنگی تھی۔“



## عبدالحق

مولوی عبدالحق مولانا عبدالقادر سے چھوٹے تھے۔ ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم  
 گھر پر ہی ہوئی۔ عصری تعلیم بی اے ایل ایل بی تھے۔ فراغت تعلیم کے بعد گوجرانوالہ میں  
 وکالت شروع کی۔ اور خوب ترقی کی یہاں تک کہ ان کا شمار گوجرانوالہ کے نامور وکلاء میں  
 ہوتا تھا۔

مولوی عبدالحق کے تین بیٹے تھے:

۱۔ شبلی، ۲۔ جنید، ۳۔ شعیب۔

شبلی:..... رام پور میں کاروبار کرتے تھے اور ان کا کاروبار بہت وسیع تھا۔

جنید:..... ڈاکٹر تھے اور نواب رام پور کے فیملی ڈاکٹر تھے۔

شعیب:..... بھی رام پور میں کاروبار کرتے تھے۔

مولوی عبدالحق کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

## مولوی عبداللہ

مولوی عبداللہ، مولانا عبدالقادر کے چھوٹے بھائی تھے اور تیسرے نمبر پر تھے۔ ۱۸۷۵ء میں دلاور چیمہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ایف اے کیا اور ۱۸۹۹ء میں اسلامیہ کالج سے بی اے کیا۔ دینی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ بعد ازاں مولانا فضل حق جو ایک ممتاز عالم دین تھے اور دلاور چیمہ کے رہنے والے تھے، جنہوں نے جامع ترمذی کا اردو میں ترجمہ کیا تھا، ان سے علوم دینیہ کی تحصیل کی۔

حصول علم کے بعد ۱۹۰۱ء میں مولوی عبداللہ کابل چلے گئے اور امیر حبیب اللہ والئی افغانستان نے ”مکتب حبیب اللہ“ کے نام سے ایک سکول کھولا۔ مولوی عبداللہ کو اس سکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر کیا۔ مولوی عبداللہ ۶ سال تک اس سکول میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۰۷ء میں مولوی عبداللہ کابل سے واپس وطن آگئے اور کچھ مدت اپنے گاؤں دلاور چیمہ میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ گیٹ لاہور سے وابستہ ہو گئے اور لاہور کو اپنا مسکن بنا لیا۔ اسلامیہ ہائی سکول میں ۵ سال تک تدریس فرمائی۔

مولوی عبداللہ جید عالم دین اور مبلغ اسلام تھے۔ فن مناظرہ میں ان کو خاص مہارت حاصل تھی۔ آپ نے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے بے شمار مناظرے کیے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر مناظرہ میں کامیاب رہے۔

مولوی عبداللہ بہت بڑے مبلغ تھے۔ آپ نے پنجاب کے مختلف اضلاع میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ خانہ بدوشوں میں اسلام کی بہت زیادہ تبلیغ کی اور انہیں مذہب اسلام سے روشناس کرایا۔ یہ ان کی بہت بڑی دینی خدمت تھی۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ:

”مولوی عبداللہ قصوری اسلام کے وہ مبلغ و داعی تھے، جن کے اسلوب تبلیغ اور طریق تفہیم سے علامہ اقبال بھی متاثر تھے۔“

برصغیر کی تحریک آزادی میں بھی مولوی عبداللہ قصوری کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے ان کو قلبی لگاؤ تھا اور مولانا آزاد بھی ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ مولوی عبداللہ قصوری کی صرف دو کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں:

① تفسیر کلمہ طیبہ

② التبلیغ والجهاد

مولوی عبداللہ قصوری نے ۷۵ برس کی عمر میں ۱۹۴۹ء میں لاہور میں انتقال کیا اور

”قبرستان بدھو کے آوے“ میں دفن ہوئے۔ ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

اولاد میں تین بیٹے تھے:

غلام احمد فاروق، ممتاز احمد خالد، پروفیسر ابو بکر



## محی الدین احمد

مولانا محی الدین احمد قصوری مولانا عبدالقادر قصوری کے بڑے بیٹے تھے۔ اپریل

۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ دینی تعلیم اپنے والد مولانا عبدالقادر

قصوری، مولانا فضل حق دلاوری سے حاصل کی۔ عصری تعلیم کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور سے

۱۹۱۱ء میں بی اے کیا۔

۱۹۱۳ء میں انجمن اسلامیہ گوجرانوالہ کے اسلامیہ ہائی سکول میں ان کا تقرر بطور ہیڈ

ماسٹر ہوا، اور آپ اس سکول میں ڈیڑھ سال تک ہیڈ ماسٹر رہے۔

مولانا عبدالقادر قصوری کے مولانا ابوالکلام آزاد سے بڑے گہرے روابط تھے۔

دونوں علماء ایک دوسرے کے علم و فضل کے معترف تھے۔

مولانا محی الدین ہیڈ ماسٹری سے استعفادے کر قصور چلے گئے۔

۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے ہفت روزہ ”الہلال“ جاری کیا۔ مولانا محی الدین احمد نے ”الہلال“ کے لیے ایک مضمون لکھا۔ جس کا عنوان تھا ”صدائے ملت“۔ الہلال کی دعوت کی نسبت اور مضمون نگار کا نام اس طرح مرقوم تھا ”جناب مولوی برکت علی صاحب بی اے، قصور، ضلع لاہور“ (مولانا محی الدین احمد قصوری کا پیدائشی نام برکت علی تھا اور ان کی بی اے کی سند پر بھی برکت علی لکھا ہے)

کچھ دنوں بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے انہیں کلکتہ بلا لیا اور اپنے ”الہلال“ میں مولانا آزاد کے معاون کے طور پر کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے کلکتہ سے اپنا ایک روزنامہ اخبار ”اقدام“ جاری کیا۔ یہ اخبار صرف دو سال ۱۶-۱۹۱۵ء تک جاری رہا۔

۳ مارچ ۱۹۱۶ء کو حکومت بنگال نے مولانا ابوالکلام آزاد کو صوبہ بدر کر دیا اور مولانا آزاد رانچی (بہار) چلے گئے اور بعد میں تین سال کے لیے انہیں رانچی میں نظر بند کر دیا۔ مولانا آزاد ”اقدام“ کے نگران تھے اور اقدام بھی حکومت کو کھٹکتا تھا، اس لیے مولانا محی الدین نے ”اقدام“ بند کر دیا اور آپ کلکتہ سے قصور آ گئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی رانچی کی نظر بندی کے دوران اپنی مشہور تصنیف ”تذکرہ“ لکھی تھی، یہ کتاب مولانا آزاد نے صرف ۵ ماہ یعنی جون ۱۹۱۶ء تا اکتوبر ۱۹۱۶ء میں قلم بند کی۔ کتاب مکمل ہو چکی تھی کہ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں مولانا محی الدین احمد قصوری کو بھی حکومت نے گرفتار کر لیا اور تین سال کے لیے ”دوسوہہ“ ضلع ہوشیار پور میں نظر بند کر دیا۔ مولانا آزاد کو جب مولانا محی الدین احمد قصوری کی گرفتاری کی خبر اخبارات کے ذریعہ پہنچی تو انہوں نے اپنی کتاب ”تذکرہ“ کے آخر میں آپ کا ذکر اس طرح کیا:

”یہاں تک لکھ چکا تھا کہ ڈاک ملی اور اخبارات سے معلوم ہوا کہ عزیزی مولوی

محی الدین احمد بی اے کو قصور میں تلاشی کے بعد گرفتار کر لیا گیا ہے۔ شاید نظر بندی

کا معاملہ پیش آئے۔ ان تمام ایام جلا وطنی میں یہ پہلا دن ہے کہ اس واقعہ کے سننے سے دل کو مضطرب اور دماغ کو پراگندہ پاتا ہوں۔

درد مے کیوں نامہ می کرام رقم

کان یجر الدمع ممز و جا یدم

عزیز موصوف بلکہ ان کا پورا خاندان اپنے خصائل ایمانی و جوش اسلامی اور ایثار فی اللہ کے اعتبار سے سلف کے واقعات زندہ کرنے والا ہے اور علی الخصوص اس عزیز کے طلب صادق اور استوار کامل سے تو اپنی چند در چند امیدیں وابستہ تھیں۔ افسوس! فتنہ حوادث نے اس کو بھی نہ چھوڑا۔ مجھے اس سے کب انکار تھا کہ میرے پاؤں میں ایک کے بدلے دس زنجیریں ڈال دی جائیں لیکن دوسروں میں اس کو کیوں شریک کیا جاتا ہے۔ بظاہر عزیز موصوف کا اس کے سوا کوئی جرم نہیں کہ مجھ خانماں خراب سے رسم و راہ رکھتے تھے۔ سبحان اللہ! اپنی آشنا پروری اور دوست نوازی بھی قابل تماشا ہے۔ جب تک اپنا کوئی دشمن نہ بن جائے، ہمارا دوست ہی نہیں ہو سکتا: ط

اے پیہم نفسان آتشم از من بگر یزید

ہر کس کہ شور ہم رہ ما دشمن خویش است

پرسوں ایک عزیز کو خط لکھتے ہی یہ رباعی ذہن میں آئی تھی:

تھا جوش خروش اتفاقی ساقی

اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی

میخانہ نے رنگ و روپ بدلا ایسا

میکش میکش رہا نہ ساقی ساقی

تین سال بعد رہا ہو کر قصور آئے تو رولٹ ایکٹ کے ہنگامے شروع ہو گئے۔ ان

ہنگاموں میں مولانا محی الدین احمد قصوری کو پھر گرفتار کر لیا گیا اور ان کے ساتھ ان کے والد

مولانا عبدالقادر قصوری بھی گرفتار ہوئے اور ایک عرصے تک دونوں باپ بیٹا جیل میں رہے۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد مولانا محی الدین احمد قصوری نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا اور اپنے چچا مولوی عبداللہ قصوری کے ساتھ مل کر ایک جماعت بنام ”اہلحدیث دعوت و تبلیغ“ بنائی۔ مولانا محی الدین نے اپنا مرکز تبلیغ پونا کو بنایا اور بہت جلد اس جماعت کے دعوتی اثرات مدراس، احمد آباد اور بمبئی تک پھیل گئے۔

مولانا محی الدین قصوری اخلاق ستودہ اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ:

”مولانا محی الدین احمد قصوری خوش طبع، زبان میں مٹھاس، چہرے پر متانت نمایاں، مزاج میں شگفتگی، مہمان نواز، بلند اخلاق، عربی فارسی میں عبور، انگریزی کے ماہر، بہت اچھے مترجم، وسیع النظر عالم دین تھے۔“

قرآن مجید پر بڑا استحضار تھا۔

جمعیت اہلحدیث کو فعال اور منظم بنانے میں ان کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ ۱۹۴۸ء

سے وہ جمعیت اہلحدیث سے وابستہ ہوئے، مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ ۱۹۵۶ء میں جمعیت کے ناظم تعلیمات بنائے گئے۔ اپریل ۱۹۶۵ء جمعیت اہلحدیث کی سالانہ کانفرنس منعقدہ سیالکوٹ کے صدر تھے اور بعد میں جمعیت اہلحدیث کے ناظم نشر و اشاعت بھی رہے۔

مولانا محی الدین احمد حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک مجاہدین سے بھی وابستہ رہے اور جہاں تک ہو سکا، وہ جماعت مجاہدین سے مالی تعاون کرتے رہے۔

مولانا عبدالقادر قصوری کے سلطان ابن سعود سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ ان کے

انتقال کے بعد سلطان سعود بن عبدالعزیز سعودی عرب کے بادشاہ ہوئے اور جب وہ اپریل ۱۹۵۴ء میں پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تو سعودی عرب کے سفیر متعینہ پاکستان نے جن حضرات کو سلطان سعود کے استقبال اور ملاقات کے لیے کراچی آنے کی دعوت دی، ان میں مولانا محی الدین احمد قصوری، مولانا محمد علی قصوری اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی شامل تھے۔

## تصانیف:

مولانا محی الدین احمد قصوری کی زندگی بڑی ہنگامہ خیز رہی۔ تاہم کچھ وقت نکال کر مضامین و مقالات لکھتے رہتے تھے۔ ان کے علمی و تحقیقی مضامین ”الہلال (کلکتہ)، اقدام (کلکتہ)، توحید (امر تسر)، الاعتصام (لاہور) اور ماہنامہ رحیق (لاہور) میں شائع ہوئے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں:

① تفسیر سورۃ فاتحہ، (السید رشید رضا، صاحب المنار کی تفسیر کا ترجمہ ہے)

② ترجمہ تفسیر سورۃ نور ابن تیمیہ

③ شان قرآن

④ ترجمہ صراط مستقیم

⑤ تفسیر سورۃ یوسف

⑥ تفسیر آیت کریمہ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

مولانا محی الدین احمد قصوری باغ جناح لاہور میں ہر اتوار درس قرآن دیتے تھے۔ راقم آٹھ کو ان کا درس قرآن سننے اور ان سے شرف ملاقات حاصل ہے۔ بڑی محبت اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔

مولانا محی الدین احمد قصوری نے ۸۲ سال کی عمر میں ۲۳ جنوری ۱۹۷۱ء مطابق ۲۶ رذی قعدہ ۱۳۹۰ء لاہور میں انتقال کیا۔ اور اپنے آبائی قبرستان قصور میں اپنے والد مولانا عبداللہ قصوری کے پہلو میں دفن ہوئے۔

مولانا محی الدین احمد کے ۴ بیٹے اور ۵ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں:

صلاح الدین، معین الدین احمد قریشی (سابق نگران وزیر اعظم پاکستان) سلمان قریشی (ڈی آئی جی ریٹائرڈ)، بلال قریشی



## محمد علی

مولانا محمد علی قصوری مولانا عبدالقادر قصوری کے دوسرے بیٹے تھے۔ اگست ۱۸۹۲ء میں قصور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قصور میں پائی۔ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان امتیازی نمبروں میں پاس کیا۔ ۱۹۱۱ء میں انگلستان گئے اور کنیٹب یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ جولائی ۱۹۱۳ء واپس وطن آئے۔ اسی مہینے کی ۲۸ تاریخ کو عالمگیر جنگ شروع ہوئی جسے جنگ عظیم اول کہا جاتا ہے۔ یہ جنگ نومبر ۱۹۱۸ء تک جاری رہی۔

مولانا محمد علی قصوری نے دینی تعلیم اپنے والد مولانا عبدالقادر اور دوسرے جلیل القدر علمائے کرام سے حاصل کی تھی۔

انگلستان سے واپسی کے بعد مولانا محمد علی نے سیاست میں قدم رکھا، ان کا گھرانہ فرنگی سامراجیوں کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ اس لیے قدرتی طور پر مولانا محمد علی انگریزوں سے شدید نفرت رکھتے تھے۔

چنانچہ جب آپ انگلستان سے واپس آئے تو برطانوی حکومت کی طرف سے انہیں کئی اعلیٰ ملازمتوں کی پیش کش ہوئی لیکن انہوں نے کوئی ملازمت اختیار نہ کی، اس لیے کہ ان کا نقطہ نظر یہ تھا:

”برطانوی سامراج سے ملک کو نجات دلانی جائے اور باشندگان برصغیر کو متحد کرنے کی کوشش کی جائے۔“

انہی دنوں مولانا محمد علی قصوری کو خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ اطلاع ملی کہ انگریزوں سے گٹھ جوڑ کر کے افغانستان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ مولانا محمد علی اسی سلسلہ میں دہلی گئے اور ممتاز سیاسی رہنماؤں سے تبادلہ خیال کیا۔ چنانچہ ان سیاسی رہنماؤں نے یہ فیصلہ کیا کہ مولانا محمد علی قصوری افغانستان جائیں اور افغانستان کی حکومت کو اس خطرہ سے آگاہ کریں۔



چنانچہ مارچ ۱۹۱۵ء میں مولانا محمد علی قصوری کابل پہنچے، امیر حبیب اللہ خاں والئی افغانستان تھے، ان سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے مولانا محمد علی کو کابل میں قیام کرنے کا مشورہ دیا اور اس کے ساتھ ”حبیبیہ کالج“ کا پرنسپل مقرر کر دیا۔

اس وقت کابل میں انگریزوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے درپردہ مولانا محمد علی کے خلاف محاذ بنانا شروع کیا اور آپ کے قتل کا منصوبہ بھی بنایا۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور بالآخر مولانا محمد علی کو افغانستان چھوڑنا پڑا۔

جناب ندیم کو موی مرحوم اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

”مولانا محمد علی کو کابل کے ”حبیبیہ کالج“ کے پرنسپل رہنے کا بھی موقع ملا، لیکن طبیعت آزادی کی خوگر تھی، ملازمت کی پابندیاں ان کی قوت برداشت سے باہر تھیں۔ کابل ان دونوں برٹش سامراج کی خوفناک سازشوں کا مرکز تھا اور مولانا کابل میں قیام ان کے حق میں نقصان دہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے امیر کابل کو ان کے اخراج کے لیے دباؤ ڈالا۔ امیر حبیب اللہ خاں باوجودیکہ مولانا سے کافی مانوس تھا لیکن برٹش دباؤ سے وہ ان کے اخراج پر مجبور ہو گیا۔ چنانچہ مولانا کو افغانستان چھوڑنا پڑا۔“

مولانا محمد علی قصوری اور ان کا خاندان حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کی تحریک مجاہدین سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ اور اس تحریک کو زندہ رکھنے کے لیے مولانا محمد علی نے یاغستان کو اپنا مستقر بنایا۔ چنانچہ مولانا محمد علی یاغستان پہنچے، وہاں آپ کا والہانہ استقبال ہوا۔ مرکز مجاہدین میں جو شخص وہاں جاتا تھا اس کا نام تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد علی کا نام ”محمد سلیمان“ رکھا گیا تھا۔

مولانا محمد علی نے یاغستان میں اپنی تقریروں اور وعظوں میں لوگوں کو انگریزی سامراج کے خلاف ابھارا۔ چنانچہ لوگ ان کی تقریروں سے بہت متاثر ہوئے اور وہ لوگ انگریزوں کے علاقے میں گھس کر حملے کرنے لگے۔ جس سے حکومت کو نہایت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

مولانا محمد علی کا قیام چمرقند کے مرکز مجاہدین میں تھا۔  
ندیم کو موسیٰ لکھتے ہیں کہ:

”قیام چمرقند میں مولانا محمد علی قصوری نے مجاہدین کے ہمراہ برٹش سامراج کے خلاف زبردست جدوجہد کا آغاز کیا اور گورنر صوبہ سرحد کو اس حد تک پریشان کیا کہ اس نے دہلی کے گورنر جنرل کو مولانا سے ہند کی پابندیاں اٹھانے کا مشورہ دیا۔ گورنر جنرل نے اس مشورہ کو قبول کر کے مولانا کو ہندوستان میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔“

چنانچہ مولانا محمد علی واپس ہندوستان آئے، اپنے قیام یاغستان کے دوران مولانا محمد علی نے ایک کتاب ”مشاہدات“ کابل و یاغستان مرتب کی جو مطبوع ہے۔

مولانا محمد علی قصوری ۳ سال بعد ہندوستان آئے تھے اور ابھی آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ انہیں معہ اپنے والد مولانا عبدالقادر اور بڑے بھائی مولانا منی الدین احمد قصوری گرفتار کر کے پابند سلاسل کر دیا گیا۔ لیکن تھوڑے دنوں بعد آپ کو رہا کر دیا گیا لیکن مولانا عبدالقادر اور مولانا منی الدین احمد کو رہا نہ کیا گیا۔

مولانا محمد علی یاغستان سے واپس تو آ گئے لیکن مجاہدین سے تعلق برابر قائم رہا۔ اور مجاہدین چمرقند کی باقاعدہ مالی امداد کرتے رہے اور مجاہدین اکثر معاملات میں ان سے مشورہ بھی لیتے تھے۔

مولانا محمد علی قصوری ایک جید عالم دین تھے اور انگریزی سامراج کے خلاف ان کے عزائم بڑے سخت تھے۔ وہ کسی صورت میں بھی انگریز سے مصالحت کرنے کی خواہش مند نہ تھے۔ انگریزوں نے ان کو لالچ بھی دیا۔ سفارت کے عہدہ کی پیشکش بھی کی لیکن آپ نے ان کی ہر قسم کی پیشکش کو قبول نہ کیا۔

مولانا محمد علی قصوری اوصاف و محاسن کے لحاظ سے بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ بڑے ایثار پیشہ، اللہ کی راہ میں زیادہ خرچ کرنے والے، عابد و زاہد، تقویٰ و طہارت کے پیکر،

زہد و ورع کے مجسمہ، مبلغ اسلام، ثابت و ضابطہ، منکسر المزاج، حلیم الطبع، اور بہت کم سخن تھے۔  
 علوم اسلامیہ کے تبحر عالم، تفسیر اور حدیث کے جید عالم دین، امام ابن تیمیہ اور حافظ  
 ابن قیم کی کتابوں کے شیدائی تھے۔

جمعیت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں ان کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ ۱۹۴۸ء  
 میں جب مغربی پاکستان جمعیت اہلحدیث کا قیام عمل میں تو مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے ان  
 کو مجلس عاملہ کا ممبر نامزد کیا۔ ۱۹۵۴ء مغربی پاکستان جمعیت اہلحدیث کی سالانہ کانفرنس ملتان  
 میں ہوئی، تو مولانا محمد علی قصوری اس کے صدر تھے۔ اس میں آپ نے جو فاضلانہ خطبہ  
 صدارت ارشاد فرمایا وہ جماعت اہلحدیث کے لیے سرمایہ صد افتخار کی حیثیت رکھتا ہے۔  
 مولانا محمد علی قصوری تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ ان کے علمی و تحقیقی اور  
 تاریخی مقالات ”توحید“ (امر تسر) اور ”الاعتصام“ (لاہور) میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے  
 رہے۔ تصیف میں ان کی درج ذیل کتابیں ہیں:

- ① اللہ کی بادشاہت (یہ ایک مصری عالم کی کتاب کا ترجمہ ہے)
- ② مشاہدات کابل و یاغستان..... یہ مولانا محمد علی قصوری کی بڑی عمدہ تصنیف ہے اس میں  
 ہندوستان کی انگریزی حکومت کے خلاف انہوں نے سرگرمی سے جس طرح حصہ لیا اور  
 جس انداز سے جنگ و جہاد میں شرکت کی، اس کی تفصیل بیان کی ہے۔  
 مولانا محمد علی قصوری اس کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں:

”مجھ پر جوہر کی رفاقت اور ابوالکلام کی خطابت نے بہت گہرا اثر کیا، اور میرے  
 دل میں یہ عزم پیدا ہو گیا کہ مجھے برطانوی استعمار سے جنگ کے لیے زندگی  
 وقف کر دینی چاہیے، اس سلسلے میں مختلف منصوبے بنانا اور ہندوستان کے چوٹی  
 کے لیڈروں سے تبادلہ خیال کرتا رہا۔“

- ③ قرآنی دعوت انقلاب..... اس کتاب میں مولانا محمد علی قصوری نے سورۃ العصر، سورۃ  
 الہمزہ، سورۃ الفیل، سورۃ القریش، سورۃ الماعون اور سورۃ الکوثر کی تفسیر ایک نئے انداز

سے لکھی ہے۔ مولانا قصوری کی یہ کتاب ایک نئے انداز سے بہت عمدہ اور نفیس ہے۔  
یہ کتاب مولانا کی صاحبزادی زاہدہ محمد عمر نے کراچی سے شائع کی۔  
مولانا محمد علی قصوری نے لارنس گارڈن لاہور میں درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا تھا، جو  
ہر اتوار نماز مغرب کے بعد ہوتا تھا۔ راقم کو دو تین بار آپ کا درس قرآن سننے اور آپ سے  
مصافحہ کرنے کا شرف حاصل ہے۔

مولانا محمد علی قصوری نے ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء مطابق ۲۶ جمادی الاول ۱۹۷۵ء سنن آباد  
لاہور میں انتقال کیا اور قصور میں اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔



## احمد علی

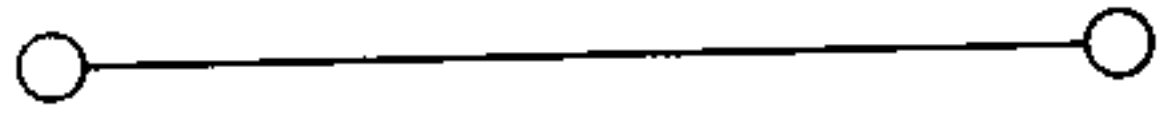
مولوی احمد علی قصوری مولانا عبدالقادر قصوری کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ ۱۸۹۰ء  
میں قصور میں پیدا ہوئے، دینی تعلیم خاندانی روایات کے مطابق گھر پر ہوئی۔ عصری تعلیم  
صرف میٹرک تھی۔

میٹرک پاس کرنے کے بعد امرتسر چلے گئے اور وہاں تجارت کرنے لگے۔ تقسیم ملک  
کے وقت لاہور آ گئے اور مصری شاہ لاہور میں سکونت اختیار کی۔  
مولوی احمد علی حلیم الطبع، خوش مزاج اور متواضع طبیعت کے مالک تھے۔ شرافت، نجابت  
میں اپنے خاندانی وصف کے اعتبار سے بہت زیادہ متصف تھے۔  
ان کا سن وفات معلوم نہیں۔



(۱۱)

(روپڑی خاندان)



- |                |   |                     |   |
|----------------|---|---------------------|---|
| حافظ محمد حسین | ۲ | حافظ عبداللہ        | ۱ |
| حافظ حسن مدنی  | ۳ | حافظ عبدالرحمن مدنی | ۳ |
| حافظ عبدالقادر | ۶ | حافظ اسماعیل        | ۵ |
| حافظ عبدالوہاب | ۸ | حافظ عبدالغفار      | ۷ |



## حافظ عبداللہ

مولانا حافظ عبداللہ روپڑی اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ممتاز عالم دین تھے۔ علوم اسلامیہ کے بحر زخار تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، لغت ادب، تاریخ و سیر، اسماء الرجال، منطق و فلسفہ وغیرہ تمام علوم میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ مسائل کی تحقیق و تدقیق میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ ان کے علم و فضل کا اعتراف ان علمائے کرام نے کیا ہے جو خود علم و فضل کے اعتبار سے بے مثل تھے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی نے حافظ صاحب کی زندگی میں فرمایا تھا کہ:

”حافظ عبداللہ روپڑی صاحب علم و فضل ہیں۔ ہندوستان میں ان کی نظیر نہیں۔“

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری، صاحب تحفۃ الاحوذی نے فرمایا تھا کہ:

”حافظ عبداللہ روپڑی جیسا ذی علم اور لائق استاد تمام ہندوستان میں کہیں نہیں

ملے گا۔“

مولانا حافظ عبداللہ ۱۳۰۴ھ میں کیر پور ضلع امرتسر (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام میاں روشن دین تھا۔ تعلیم کا آغاز ناظرہ قرآن مجید سے ہوا اور اس کے بعد مولوی عبداللہ سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد آپ کے بڑے بھائی مولوی رکن الدین آپ کو لکھو کے ضلع فیروز پور لے گئے۔ یہاں آپ نے مولانا عبدالقادر لکھوی سے صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مولوی رکن الدین آپ کو میرٹھ لے گئے اور مدرسہ نعمانیہ میں داخل کرادیا۔ میرٹھ میں آپ نے ایک سال قیام کیا۔ اس ایک سال کے قیام میں آپ نے مزید صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔

میرٹھ سے آپ کو مدرسہ غزنویہ امرتسر بھیج دیا گیا۔ امرتسر میں آپ نے مولوی معصوم علی ہزاروی، مولوی محی الدین اور مولوی عبدالصمد سے فقہ، اصول فقہ اور منطق و فلسفہ کی کتابیں

پڑھیں۔ تفسیر و حدیث کی تحصیل مولانا سید عبدالاول غزنوی اور حضرت الامام سید عبدالجبار غزنوی سے کی۔

مدرسہ غزنویہ امرتسر میں تحصیل کے بعد حافظ صاحب دہلی تشریف لے گئے۔  
حافظ صاحب خود فرماتے ہیں:

”میں نے تفسیر، حدیث اور فنون کی ابتدائی کتابیں امرتسر مدرسہ غزنویہ میں پڑھیں۔ فنون کی تکمیل باقی تھی۔ اس سلسلے میں عازم دہلی ہوا۔ میاں صاحب (سید نذیر حسین محدث دہلوی) میرے دہلی پہنچنے سے ۸ سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ میں ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء کو دہلی پہنچا اور ان کی وفات ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو ہوئی۔“

دہلی میں حافظ صاحب نے تفسیر و حدیث کی بعض کتابیں مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری سے اور منطق و اقلیدس کی کتابیں مولوی محمد اسحاق منطقی سے پڑھیں۔

دہلی میں حافظ عبداللہ کا قیام تین سال رہا۔ ۱۹۱۳ء میں مولانا عبدالجبار غزنوی کا انتقال ہو گیا، جس سے آپ کو شدید صدمہ پہنچا۔ ۱۹۱۳ء ہی میں حافظ صاحب دہلی سے رام پور چلے گئے اور مدرسہ عالیہ رام پور میں ایک سال زیر تعلیم رہے۔ رام پور کے ایک سال کے قیام میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ”مولوی فاضل“ کا امتحان پاس کیا۔ رام پور میں آپ کے استاد مولوی محمد امین پشاوری اور مولوی فضل حق رام پوری تھے۔

۱۹۱۳ء میں آپ نے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی اور امرتسر واپس آ گئے۔ ایک سال امرتسر میں قیام کے بعد ۱۹۱۵ء میں آپ روپڑ ضلع انبالہ چلے گئے اور ۱۹۳۸ء تک یعنی ۲۳ سال آپ روپڑ میں مقیم رہے۔ روپڑ میں آپ نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

روپڑ کے قیام میں ۱۹۳۳ء میں ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۳۳ء میں آپ نے ہفت روزہ ”تنظیم اہلحدیث“ جاری کیا۔ جو الحمد للہ آج تک جاری ہے اور

دین اسلام کی خدمت اور توحید و سنت کی اشاعت میں مصروف ہے۔

حافظ عبداللہ صاحب بہت عمدہ مدرس اور معلم بھی تھے۔ آپ کا بیان بڑا عالمانہ اور جاندار مگر آسان لب و لہجہ میں ہوتا تھا۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

شیخ محمد عمر بن ناصر نجدی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، حافظ محمد اسماعیل روپڑی، حافظ عبدالقادر روپڑی۔

۱۹۳۸ء میں حافظ صاحب روپڑ سے امرتسر منتقل ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء تک امرتسر میں مسجد مبارک میں قیام پذیر رہے۔ امرتسر میں بھی آپ نے تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا اور حافظ عبداللہ صاحب امرتسر سے سکونت ترک کر کے لاہور آ گئے اور ماڈل ٹاؤن لاہور میں سکونت اختیار کی اور اس کے ساتھ چوک دا لگراں لاہور میں جامع القدس کی بنیاد رکھی اور ایک دینی مدرسہ بنام ”جامعہ الہمدیث“ جاری کیا۔ لاہور میں آپ سے جن علمائے کرام نے استفادہ کیا ان میں درج ذیل علمائے کرام مشہور ہیں:

مولانا محمد صدیق بن عبدالعزیز (سرگودھا)، مولانا حبیب الرحمن شاہ (راولپنڈی)، مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی، مولانا حافظ ثناء اللہ سرہالوی اور مولانا عبدالسلام کیلانی وغیرہم۔

مولانا حافظ عبداللہ روپڑی ۱۹۱۵ء میں روپڑ آئے۔ ۱۹۲۱ء میں شیخ عطاء الرحمن مرحوم نے دہلی میں ”دارالحدیث رحمانیہ“ کے نام سے ایک درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ یہ درسگاہ ایک مثالی درسگاہ تھی۔ (افسوس کہ قیام پاکستان کے بعد یہ درسگاہ ختم ہو گئی)

شیخ عطاء الرحمن نے حافظ صاحب کو دارالحدیث رحمانیہ کا مستقل ممتحن مقرر کیا۔ چنانچہ آپ ۱۹۴۷ء تک برابر ممتحن رہے۔

مولانا حافظ عبداللہ روپڑی علم و فضل کے اعتبار سے جید عالم دین تھے۔ امام تھے، مجتہد تھے، مفتی تھے، اخلاق ستودہ، اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ بہت کم سخن تھے، بہت زیادہ عابد اور زاہد تھے۔ ذکر و اذکار بہت زیادہ کرتے تھے، روزے بہت رکھتے تھے، نماز نہایت خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے۔



راقم نے ان کو پہلی بار مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی کی نماز جنازہ پڑھاتے دیکھا یعنی ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء کو اس سے پہلے راقم کی ان سے بسلسلہ بعض سوالات کے جوابات خط و کتابت تھی۔ راقم بعد نماز جنازہ ان سے ملا۔ تعارف کرایا تو بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور خیریت دریافت کی، اس کے بعد لاہور مسجد القدس میں ان سے تین چار بار ملنے کا اتفاق ہوا۔ مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتے ہیں کہ:

”حافظ عبداللہ روپڑی نہایت صالح، عابد، زاہد، ذاکر، شب زندہ دار تھے۔ مولانا عبدالجبار غزنوی سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ نوجوانی میں بھی قابل رشک حد تک صالح اور نیک نفس تھے۔“

مولانا حافظ عبداللہ نے ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۹۶۴ء لاہور میں انتقال کیا اور گارڈن ٹاؤن کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ﴾

### تصانیف:

حافظ صاحب ایک کامیاب مصنف بھی تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- (۱) درایت تفسیری ، (۲) تفسیر القرآن الکریم ، (۳) حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح ،
- (۴) ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح ، (۵) اہلحدیث کے امتیازی مسائل ، (۶) تکبیرات عیدین ،
- (۷) تعلیم الصلوٰۃ (۲ جلد) ، (۸) رسالہ نیت نماز ، (۹) ارسال الیدین بعد الرکوع ،
- (۱۰) اطفاء الشمعہ فی ظہر الجمعہ بجواب نور الشمعہ فی ظہر الجمعہ ، (۱۱) لاؤڈ سپیکر اور نماز ،
- (۱۲) الکتاب المستطاب فی جواب فصل الخطاب (عربی) ، (۱۳) احسن الکلام ، (۱۴) ریڈیو اور رویت ہلال ، (۱۵) حج مسنون ، (۱۶) شرعی نظام ، (۱۷) نکاح شغار ، (۱۸) لڑکی شادی کیوں کرتی ہے؟ ، (۱۹) نکاح اور نسوانیت ، (۲۰) رسالہ طلاق ثلاثہ ، (۲۱) بکرا دیوی ،
- (۲۲) اسلامی داڑھی ، (۲۳) بیمہ کی زندگی ، (۲۴) وراثت اسلامی ، (۲۵) انسانی زندگی کا

مقصد، (۲۶) مودودیت اور احادیث نبویہ، (۲۷) کلمہ توحید، (۲۸) مسئلہ زیرت قبر نبوی، (۲۹) بدعات مروجہ کی تردید، (۳۰) عرس اور گیارہویں، (۳۱) وسیلہ بزرگان دین، (۳۲) تقلید اور علمائے دیوبند، (۳۳) مسئلہ شرک، دم جھاڑ پر فیصلہ کن بحث، (۳۴) نور محمدی کی پیدائش، (۳۵) حکومت اور علمائے ربانی، (۳۶) المرشد والامام، (۳۷) رسالہ امارت، (۳۸) امامت شرک، (۳۹) نبی معصوم، (۴۰) مرزائیت اور اسلام، (۴۱) اہلحدیث کی تعریف، (۴۲) اہل سنت کی تعریف، (۴۳) طیور ابراہیمی، (۴۴) دعا بحرمت انبیاء، (۴۵) رفع الابہام فی دلیل اقام، (۴۶) توحید الرحمن بجواب استمداد عباد الرحمن، (۴۷) سماع موتی، (۴۸) ٹھینٹھ اسلام،



## حافظ محمد حسین

مولانا حافظ محمد حسین روپڑی حافظ عبداللہ روپڑی کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کا جائے ولادت موضع ٹوبہ ہے۔ تعلیم کا آغاز ناظرہ قرآن مجید سے کیا۔ اس کے بعد حفظ کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔ تمام علوم اسلامیہ کی تحصیل حافظ عبداللہ روپڑی سے کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد ایک سال تک مدرسہ تقویۃ الاسلام امرتسر میں تدریس بھی فرمائی۔

حافظ محمد حسین، حضرت حافظ عبداللہ کو بہت زیادہ محبوب تھے۔ ان کی تربیت حضرت محدث روپڑی نے اپنی نگرانی میں کی تھی۔ اس لیے حافظ محمد حسین تمام عمر حضرت حافظ عبداللہ کے مخلص اور وفادار ساتھی رہے۔ اور زندگی کی تمام مشکلات میں ان کی ہمت و جرأت آپ کے لیے وجہ اطمینان رہی۔

مولانا حافظ محمد حسین روپڑی بڑے عابد، زاہد اور عالم باعمل تھے۔ راقم کو ان کے خطبات جمعہ (جامع القدس اہلحدیث) سننے کا شرف حاصل ہے۔ تقریر بڑے دلنشین انداز

میں کرتے تھے۔

مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتے ہیں کہ:

حافظ محمد حسین روپڑی عالم باعمل تھے۔ اپنے ہاتھ سے روزی کمانے کے عادی تھے۔ بڑے بہادر، جفاکش اور سختی تھے۔ حق گو اور راست باز تھے۔ عابد، ذاکر اور زاہد انسان تھے۔ حافظ محمد حسین نے ۲۸ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء بروز جمعہ المبارک لاہور میں انتقال کیا۔ اور گارڈن ٹاؤن کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

مولانا حافظ عبداللہ روپڑی نے ان کے انتقال پر فرمایا تھا:

”افسوس کہ وہ اس وقت مجھے تنہا چھوڑ گئے، جب مجھے بڑھاپے اور ضعف میں ان کی خدمات کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی۔“



## حافظ عبدالرحمن مدنی

مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی بن مولانا حافظ محمد حسین روپڑی علمائے فحول میں سے ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ دینی علوم کی تعلیم اپنے تایا حافظ عبداللہ روپڑی سے حاصل کی۔ آپ کا شمار حضرت العلام محدث روپڑی کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ تکمیل تعلیم کے بعد جامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی تعلیم حاصل کی۔ اس لیے مدنی کہلاتے ہیں۔

تکمیل تعلیم کے بعد ماڈل ٹاؤن لاہور میں مدرسۃ البنات رحمانیہ اور مدرسہ رحمانیہ کے نام سے دو مدرسے قائم کیے۔ یہ دونوں مدرسے آج تک جاری ہیں اور دین اسلام کی خدمت میں مصروف ہیں۔ آپ ان دونوں مدرسوں کے نگران ہیں۔ ان کے علاوہ ایک علمی و تحقیقی ادارہ ”مجلس التحقیق الاسلامی“ کے نام سے قائم کیا ہے۔ اور اس ادارہ کے زیر اہتمام ایک ماہوار علمی و تحقیقی رسالہ ”محدث“ ۱۹۶۸ء میں جاری کیا جو بجمہ اللہ آج تک جاری ہے اور

خدمت دین اسلام میں مصروف ہے۔ اس رسالہ میں علمی و تحقیقی مقالات شائع ہوتے ہیں۔ اس رسالہ میں ممتاز اہل علم و قلم کے مقالات شائع ہوتے ہیں۔ راقم آثم بھی اس کے قلمی معاونین میں شامل ہے۔

حافظ عبدالرحمن مدنی کے علمی و تحقیقی مقالات بھی اس رسالہ میں شائع ہوتے ہیں اور آپ اس رسالہ کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ حافظ عبدالرحمن مدنی جامع مسجد رحمانیہ ماڈل ٹاؤن لاہور کے نگران اور خطیب بھی ہیں۔ آپ نے ایک علمی ادارہ ”معهد القضاة الشرعی“ کے نام سے بھی قائم کیا ہوا ہے جس کا مقصد قاضی تیار کرنا ہے۔ اور آپ کے تعاون سے کتابی صورت میں شرعی فیصلوں کا ایک انسائیکلو پیڈیا بھی تیار ہو رہا ہے جس کی پہلی جلد عربی اور اردو زبان میں ”الموسوعة القضاية“ کے نام سے ”فلاح فاؤنڈیشن پاکستان“ نے شائع کی ہے۔ جو ”کتاب سرائے“ اردو بازار، لاہور سے دستیاب ہے۔

حافظ عبدالرحمن بڑے خوش اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے حامل ہیں۔ بڑے اخلاق سے ملتے ہیں اور اس کے ساتھ بہت مہمان نواز بھی ہیں۔



## حافظ حسن مدنی

حافظ حسن مدنی مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی کے صاحبزادے ہیں۔ جامعہ رحمانیہ لاہور کے فارغ التحصیل ہیں۔ بعد ازاں جامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی تعلیم حاصل کی۔ اس لیے یہ بھی اپنے والد کی طرح مدنی کہلاتے ہیں۔ ماہنامہ ”محدث“ کے مدیر ہیں، اور ان کے مقالات محدث میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ بڑے با اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے حامل ہیں۔ اپنے والد کی طرح یہ بھی بڑے مہمان نواز ہیں۔ مطالعہ کے بہت زیادہ شوقین ہیں۔ علمی اور تحقیقی کتابیں زیادہ تر ان کے زیر مطالعہ رہتی ہیں۔



## حافظ محمد اسماعیل روپڑی

حافظ اسماعیل روپڑی بن میاں رحیم بخش، حافظ عبداللہ روپڑی کے بھتیجے تھے۔ بڑے شعلہ نوا خطیب، مقرر، واعظ، مبلغ اور مناظر تھے۔ ان کا وعظ بڑا دلنشین اور موثر ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لحن داؤدی عطا کیا تھا۔

قرآن مجید بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قرآن اب نازل ہو رہا ہے۔ آپ کا اعلیٰ خلق اکثر لوگوں کو متاثر کیا کرتا تھا۔

حافظ اسماعیل روپڑی نے دینی تعلیم اپنے چچا مولانا حافظ عبداللہ روپڑی سے حاصل کی اور اس کے بعد حضرت حافظ روپڑی کے ساتھ روپڑی میں سکونت پذیر ہوئے۔ روپڑی کے گرد و نواح میں توحید و سنت کی اشاعت میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

قیام پاکستان کے بعد لاہور تشریف لے آئے اور جامع القدس اہلحدیث لاہور میں تدریس فرماتے رہے اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتے ہیں کہ:

”حافظ اسماعیل بن میاں رحیم بخش، حافظ عبداللہ محدث روپڑی کے بھتیجے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں لحن داؤدی عطا کیا تھا۔ پاک و ہند میں ان کے خطابت اور

تقریر کا طوطی بولتا تھا۔ ان کی شیریں بیانی مسلم تھی۔ ان کی معجز بیانیوں کو اپنے اور

غیر سب تسلیم کرتے تھے۔ وہ خوش بیان، خوش لباس اور خوش خوراک مبلغ تھے۔“

حافظ اسماعیل روپڑی کی ساری زندگی وعظ و تبلیغ میں گزری اس لیے تصنیف و تالیف کی

طرف توجہ نہ دے سکے۔ تاہم ان کے مضامین گا ہے بگا ہے تنظیم اہلحدیث لاہور میں شائع

ہوتے رہتے تھے۔

مولانا حافظ اسماعیل روپڑی نے ۴ شعبان ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۹۶۲ء جامع

القدس اہلحدیث چوک دالگراں میں انتقال کیا اور گارڈن ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

ان کا انتقال ایسے وقت میں ہوا جب کہ جماعت اہلحدیث کو ان کی بے حد ضرورت تھی۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا  
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے



## حافظ عبدالقادر روپڑی

مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی بن میاں رحیم بخش، حافظ عبداللہ محدث روپڑی کے بھتیجے تھے۔ ۱۹۱۵ء میں موضع کیر پور ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ۱۱ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ علوم عالیہ کی تحصیل اپنے چچا مولانا حافظ محمد حسین روپڑی اور مولانا قادر بخش پٹیالوی سے کی اور علوم عالیہ کی تکمیل حضرت حافظ عبداللہ محدث روپڑی سے کی۔ ۱۶ سال کی عمر میں علوم عالیہ و عالیہ سے فراغت پائی اور روپڑ ضلع انبالہ اور اس کے گرد و نواح میں وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں آپ کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔

جب حافظ عبداللہ روپڑی نے روپڑ سے ۱۹۳۳ء میں ”تنظیم اہلحدیث“ جاری کیا تو آپ ایک طرح اس اخبار کے نگران اور مدیر و معاون تھے۔ آپ نے بیشتر علمی و تحقیقی اور مذہبی و دینی مقالات تنظیم اہلحدیث میں لکھے۔

حافظ عبدالقادر روپڑی کی دینی و ملی اور سیاسی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی سیاسی خدمات بے مثال ہیں۔

۱۹۳۵ء میں برطانوی حکومت نے برصغیر کو ایک آئین دیا جس کے تحت ۱۹۳۷ء کے انتخابات ہوئے اور کانگریس کو پورے ہندوستان میں غلبہ حاصل ہوا۔ ۱۹۴۰ء میں مسلمانوں نے لاہور میں ایک قرارداد پاس کی اور الگ ایک اسلامی سلطنت کے قیام کا مطالبہ کیا۔ حافظ عبدالقادر روپڑی ان دنوں نوجوان تھے۔ آپ نے مسلم لیگ سے پورا تعاون کیا اور تحریک پاکستان کی تائید و حمایت میں ہندوستان کے قریہ قریہ جا کر مسلمانوں کو تحریک پاکستان سے روشناس کرایا۔ ان کی سیاسی سرگرمیوں سے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ چنانچہ آپ کو گرفتار کر کے اسیر زندان کر دیا گیا، اور سات سال کی قید کی سزا دی۔ اسی دوران حکومت اور مسلم لیگ کے درمیان ایک مفاہمت کے نتیجے میں بہت سے مسلم لیگی کارکنوں کی طرح ان کی بھی رہائی ہو گئی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر سب سے بڑی اسلامی ریاست اسلامی جمہوریہ پاکستان قائم ہو گئی تو حافظ عبدالقادر روپڑی اپنے خاندان کے ہمراہ لاہور تشریف لے آئے اور چوک دا لگراں میں مسجد قدس اہلحدیث اور ایک دینی مدرسہ بنام جامعہ اہلحدیث کی بنا ڈالی اور آپ تو حید و سنت کی تبلیغ، مناظروں اور ملی و سیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔

حافظ عبدالقادر ایک شعلہ نوا خطیب تھے۔ آپ کے قوت استدلال کا یہ عالم تھا کہ بہت سے غیر مسلم آپ کی تقاریر سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے تھے اور مسلمانوں میں بہت سے جامد مقلد حضرات تقلید کو ترک کر کے مسلک اہلحدیث قبول کرتے تھے۔ آپ کے خطابات سے متاثر ہو کر مسلک اہلحدیث قبول کرنے والوں کی تعداد ہزاروں سے کم نہیں تھی۔

قیام پاکستان کے بعد جو بھی مذہبی، دینی اور سیاسی تحریکات اٹھیں، حافظ عبدالقادر روپڑی نے ان تحریکات میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک میں آپ نے بے مثال قربانیاں پیش کیں۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی آپ کی نمایاں خدمات ہیں۔ دونوں تحریکوں میں اسیر زنداں رہے۔

حافظ عبدالقادر روپڑی کی شخصیت اس قدر ہمہ گیر اور ہمہ صفت تھی کہ جس کی مثال مشکل

ہی سے ملے گی۔ آپ ایک جید عالم دین تھے۔ سحر بیان واعظ اور مبلغ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی فہم و بصیرت عطا کی تھی۔ حدیث نبوی ﷺ سے ان کو والہانہ محبت تھی اور حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت برداشت نہیں کرتے تھے۔ حافظ صاحب اپنے مسلک اہلحدیث میں بہت زیادہ متشدد تھے۔

آپ بہت بڑے مناظر تھے۔ شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری مرحوم کے بعد آپ جماعت اہلحدیث کے مناظر تھے۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم امام المناظرین تھے۔ اور حافظ صاحب سلطان المناظرین تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں بے شمار مناظرے عیسائیوں، آریہ سماجیوں، قادیانیوں، شیعوں، منکرین حدیث اور تقلیدیان احناف (بریلوی و دیوبندی) سے کیے۔

حافظ صاحب سے میرا نیاز مندانہ تعلق تھا۔ مرحوم سے جب بھی ملاقات ہوتی، بڑی محبت سے ملتے، شفقت کا برتاؤ کرتے، خوب خاطر تواضع کرتے اور علمائے کرام کے حالات و واقعات سناتے اور دعائیں دیتے، اور جب بھی میں ان سے ملتا تو فرماتے:

”آپ جماعت اہلحدیث کے علمائے کرام کے حالات اور ان کی دینی و علمی خدمات پر جماعتی رسائل میں مضمون لکھتے ہیں، تو میں ان کو پڑھ کر آپ کے لیے دعائے خیر کرتا ہوں۔“

مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی نے ۸۵ سال کی عمر میں ۲۷ شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق ۶ دسمبر ۱۹۹۹ء کو لاہور میں انتقال کیا۔ اور گارڈن ناؤن کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔ حافظ صاحب کے انتقال کے بعد جماعت اہل حدیث کو خصوصاً اور امت مسلمہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔ (آمین)

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی  
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے



## حافظ عبدالغفار روپڑی

مولانا حافظ عبدالغفار بن عبدالجبار بن میاں عبدالواحد ممتاز عالم دین ہیں۔ ۱۹۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم مولوی فاضل اور ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات ہیں۔ دینی تعلیم جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری، مولانا عبدالحمید، مولانا عبدالسلام، مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی شامل ہیں۔

فراغت تعلیم کے بعد مدرسہ دارالحدیث کورٹ روڈ کراچی میں تدریس کا آغاز کیا۔ وہاں تقریباً تین چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد آپ لاہور تشریف لے آئے اور جامعہ اہلحدیث جو کہ آپ کے جد امجد حضرت العلام مولانا عبداللہ محدث روپڑی نے قائم کیا تھا، میں حدیث کی تدریس پر مامور ہوئے۔ آج کل آپ صحیح مسلم پڑھاتے ہیں۔

حافظ عبدالغفار روپڑی بڑے پختہ کار، سمجھدار اور فہم و بصیرت کے مالک ہیں۔ علوم اسلامیہ پر ان کی وسیع نظر ہے۔ تنظیم اہلحدیث کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں۔ اور ان کے فتاویٰ بھی تنظیم اہلحدیث میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مطالعہ کا بڑا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور حافظ ابن حجر کی تصانیف کے شیدائی ہیں۔

بڑے خوش اخلاق، شریف النفس، حلیم الطبع اور مہمان نواز ہیں۔ راقم سے ان کے دیرینہ تعلقات ہیں۔ بڑے اخلاق سے ملتے ہیں۔ مولانا عبدالقادر روپڑی کے انتقال کے بعد آپ جامعہ القدس اہلحدیث کے خطیب اور جامعہ اہلحدیث کے نگران و مہتمم ہیں۔



## حافظ عبدالوہاب روپڑی

مولانا حافظ عبدالوہاب بن عبدالجبار بن میاں عبدالواحد، کا شمار اس دور کے جید علمائے دین میں ہوتا ہے۔ بڑے پختہ کار عالم، علوم اسلامیہ کے تبحر عالم، تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

۱۹۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل ہیں۔ دینی تعلیم جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا عبدالحمید، مولانا حافظ عبدالمنان، مولانا عبدالسلام، مولانا جمعہ خاں اور مولانا محمد رفیق سلفی شامل ہیں۔ جامعہ محمدیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے ام القریٰ یونیورسٹی مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں پانچ سال میں یونیورسٹی کا امتحان امتیازی نمبروں میں پاس کیا۔ ام القریٰ یونیورسٹی میں آپ نے سب سے زیادہ استفادہ علامہ سعید شیرازی سے کیا۔

ام القریٰ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پاکستان تشریف لائے اور جامعہ اہلحدیث لاہور میں تدریس پر مامور ہوئے۔ تفسیر قرآن اور حدیث میں آپ کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ جامعہ اہلحدیث میں سنن ابی داؤد کا درس دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کا درس قرآن بہت معلوماتی ہوتا ہے۔ مسائل کی تفصیل سے وضاحت کرتے ہیں۔

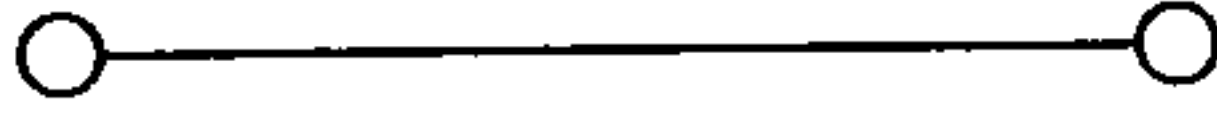
تصنیف میں آپ کی تصانیف سانحہ ابوالشائع ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں سورۃ المائدہ اور سورۃ الفاتحہ کی تفسیر مکمل کر چکے ہیں اور ان کے چھپوانے کی فکر میں ہیں۔

مولانا حافظ عبدالوہاب روپڑی بڑے کثیر المطالعہ ہیں اور مسائل کی تحقیق پر گہری نظر ہے۔ حضرت العلام مولانا عبداللہ روپڑی کی تصانیف کی تنقیح، تخریج اور تحقیق کی ذمہ داری بھی سنبھالے ہوئے ہیں۔ چنانچہ محدث روپڑی کی کتاب ”توحید الرحمن“ آپ کی تنقیح و تخریج سے شائع ہو چکی ہے۔

آپ بڑے ملنسار، نوش اخلاق، حلیم الطبع اور متواضع انسان ہیں۔

(۱۲)

## یزدانی خاندان



- |                    |   |
|--------------------|---|
| حافظ محمد عبداللہ  | ۱ |
| حافظ عبدالغفور     | ۲ |
| عبدالخلیم صدیقی    | ۳ |
| عزیز الرحمن یزدانی | ۴ |
| حبیب الرحمن یزدانی | ۵ |



## حافظ محمد عبداللہ

مولانا حافظ محمد عبداللہ بن مولانا امیر اللہ بن مولانا مہتاب الدین نہایت شیریں بیان واعظ اور مبلغ اسلام تھے۔ ان کا وعظ بہت دلنشین اور موثر ہوتا تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا امیر اللہ سے حاصل کی اور تکمیل مولانا جلال الدین سیالکوٹی سے کی۔

مولانا جلال الدین سیالکوٹی مولانا سید عبدالجبار غزنوی اور شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے مستفیض تھے۔

حافظ محمد عبداللہ حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی کی تحریک مجاہدین

سے وابستہ تھے۔

مولانا عبداللہ عالم باعمل تھے اور مولانا عبدالواحد غزنوی سے ان کے بہت روابط تھے۔  
مولانا عبدالواحد غزنوی فرمایا کرتے تھے کہ:

”علم میں زیادہ ہوں مگر عمل میں حافظ عبداللہ مجھ سے آگے ہیں۔“

مولانا حافظ محمد عبداللہ کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل کے ان کے استاد بھی معترف تھے۔  
جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے استاد مولانا جلال الدین سیالکوٹی نے نماز جنازہ پڑھائی اور نماز جنازہ پڑھانے کے بعد میت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

﴿بِمِثْلِ هَذَا فَالْيَعْمَلِ الْعَمَلُونَ﴾

”عمل کرنے والوں کو اس کی مثل عمل کرنا چاہیے“

آپ کا مدفن بہجانوالی ضلع گوجرانوالہ میں ہے۔



## حافظ عبدالغفور

مولانا حافظ عبدالغفور بن حافظ محمد عبداللہ آف ہجوانوالی جامع الکمالات شخصیت تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع تھی۔ خاص کر تفسیر قرآن میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ حدیث نبوی میں بھی ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ آپ نے ساری زندگی درس و تدریس، دعوت و ارشاد اور وعظ و تبلیغ میں بسر کر دی۔ آپ کا دائرہ تبلیغ بہت وسیع تھا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے، ان کا وعظ بڑا دلنشین اور موثر ہوتا تھا۔ آپ نہایت شیریں بیان مقرر اور واعظ تھے۔ لوگ دور دور سے آ کر ان کا وعظ سنتے اور ان کے ارشادات عالیہ سے مستفیض ہوتے۔

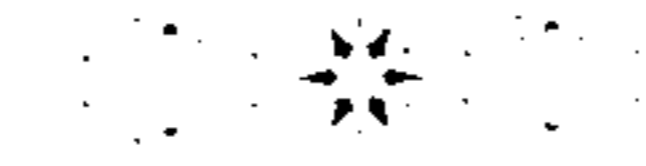
مولانا حافظ عبدالغفور ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۹ سال تھی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا حافظ محمد عبداللہ سے حاصل کی۔ بعد ازاں مولوی محمد حسین دیوبندی، مولوی محمد دین محمد سیالکوٹی اور مولوی نور محمد آف پٹیالہ، دوست محمد خاں سے علوم عالیہ و عالیہ میں استفادہ کیا۔ اس کے بعد آپ مدرسہ غزنویہ امرتسر تشریف لے گئے، وہاں آپ نے مولانا ابواسحاق نیک محمد اور مولانا عبدالواحد غزنوی سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں استفادہ کیا۔ آپ مولانا عبدالواحد غزنوی سے روحانی فیوض و برکات سے بھی مستفیض ہوئے۔

۲۲ سال کی عمر میں علوم کی تکمیل کی اور اس کے بعد درس و تدریس پر مامور ہوئے۔ آپ کی تدریسی خدمات نصف صدی تک محیط ہیں۔

آپ تین بار حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ پہلا حج آپ نے مولانا سید اسماعیل غزنوی کی معیت میں کیا۔ سلطان ابن سعود عبدالعزیز سے ملاقات بھی ہوئی اور سلطان نے ان کو بلایا اور قیمتی خلعت سے نوازا۔

مولانا حافظ عبدالغفور کی سازی زندگی درس و تدریس میں گزری، اس لیے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے۔

مولانا حافظ عبدالغفور مغربی پاکستان جمعیت اہلحدیث سے وابستہ رہے۔ آپ مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ کے ممبر تھے۔ آپ نے ۲ فروری ۱۹۷۵ء موضع نہجانوالی میں انتقال کیا۔



## عبدالحمیم صدیقی

مولانا عبدالحمیم صدیقی بن مولانا حافظ محمد عبداللہ علمائے فحول میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ غزنویہ امرتسر جا کر مولانا ابواسحاق نیک محمد مرحوم سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں استفادہ کیا۔ ۱۹۳۸ء میں پل شاہدولہ سے ترک سکونت کر کے موضع سکھانہ باجوہ ضلع گوجرانوالہ منتقل ہو گئے اور اپنی ساری زندگی اسی گاؤں میں گزار دی۔

مولانا عبدالحمیم صدیقی بڑے حق گو، بے باک اور نڈر عالم دین تھے۔ دین اسلام اور توحید و سنت کے سلسلہ میں معمولی سی مداخلت بھی برداشت نہ کرتے تھے۔ ان کی حق گوئی کے پیش نظر گاؤں کے تمام لوگ عزت و احترام کرتے تھے۔ قرآن مجید بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لحن داؤدی عطا فرمایا تھا۔ علمائے کرام کے بہت قدردان تھے۔ علمائے احناف میں مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا محمد علی جالندھری سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔

مولانا عبدالحمیم صدیقی نے ۷ ستمبر ۱۹۶۵ء کو انتقال کیا اور ان کی وصیت کے مطابق اپنے آبائی گاؤں نہجانوالی میں اپنے والد مولانا حافظ عبداللہ مرحوم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ نماز جنازہ آپ کے برادر کلاں مولانا حافظ عبدالغفور نے پڑھائی۔

## عزیز الرحمن یزدانی

مولانا عزیز الرحمن بن مولانا عبدالحلیم صدیقی ۱۵ جنوری ۱۹۲۵ء مطابق ۲۰ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ اپنے ننھیال کے چک ۱۱۰ اریف ضلع بہاول نگر میں پیدا ہوئے۔

عصری تعلیم ایم اے اور فاضل عربی ہے۔ دینی تعلیم جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں مولانا حافظ عبد المنان نور پوری اور مولانا محمد عبد اللہ سے حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد بسلسلہ ذریعہ معاش سکول کی ملازمت اختیار کی اور ضلع گوجرانوالہ کے مختلف قصبات اور شہروں میں تعینات رہے ہیں اور اس کے ساتھ دین اسلام کی اشاعت، کتاب و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید و توبیح میں کوشاں رہتے ہیں۔

۱۹۸۱ء تا ۱۹۹۲ء جامع مسجد اہلحدیث بکے زیاں سوہدرہ کے خطیب رہے۔ کامونکے ضلع گوجرانوالہ میں سکونت پذیر ہیں۔ جہاں آپ روزانہ بعد نماز مغرب مرکزی مسجد اہلحدیث میں طلباء کو ترجمہ قرآن مجید اور حدیث کی کتاب مشکوٰۃ المصابیح پڑھاتے ہیں۔

آپ وسیع المطالعہ ہیں۔ تاریخ پر کافی عبور ہے۔ تفسیر، حدیث سے بھی خاصا لگاؤ ہے۔ دینی مسائل پر اچھی خاصی نظر رکھتے ہیں۔ بہت خوش اخلاق، مفسر ہیں۔ زہد و ورع کا پیکر ہیں۔

جمعیت اہلحدیث پاکستان سے بھی وابستہ ہیں۔ آج کل جمعیت اہلحدیث ضلع گوجرانوالہ کے سرپرست ہیں۔

تصنیف و تالیف کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب ”سر دلبران“ اپنے برادر خورد مولانا حبیب الرحمن یزدانی شہید کے حالات میں شائع ہو چکی ہے۔ سیرت پر بھی ایک مختصر کتاب اپنے انداز میں لکھی ہے۔

## حبیب الرحمن یزدانی

مولانا حبیب الرحمن یزدانی بن مولانا عبدالحلیم صدیقی جماعت اہلحدیث کے ممتاز عالم دین تھے۔ ان کی ساری زندگی خدمت اسلام اور مسلک اہلحدیث کی اشاعت و ترقی میں بسر ہوئی۔ آپ ایک شعلہ نوا خطیب، جید عالم دین اور منفرد مقرر تھے۔ وہ ایک بے باک اور نڈر عالم دین تھے۔ جس بات کو حق سمجھتے اس کا اظہار برملا کرتے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کا خوف یا ڈران کے آڑے نہیں آتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ ایک سادہ مزاج، شریف النفس اور حلیم الطبع انسان تھے۔ اور علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے:

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ان کا دل آئینے کی طرح صاف تھا۔ بغض کینہ سے پاک تھے، دشمن بھی اگر سامنے آجاتا اور دست تعاون دراز کرتا تو سب کچھ بھول کر اسے معاف کر دیتے۔ مولانا حبیب الرحمن یزدانی کی ساری زندگی توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں بسر ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے انہیں عشق تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے شیدائی تھے۔ عشق نبوی ان کی زندگی کا متاع گراں تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

”سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے عشق و محبت ہی میری نجات کا

ذریعہ ہوگا۔“

یزدانی شہید نے ایک سچے محب وطن کی حیثیت سے پاکستان کی سلامتی، استحکام اور ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے اپنی ذہانت، ذکاوت اور زبان کو وقف کر دیا تھا۔ اسلام کی سر بلندی، توحید و سنت کی اشاعت، ملک کا وقار، عوام کی عزت نفس، تہذیب و ثقافت کا



تحفظ، ماحول و معاشرے کی اصلاح و تطہیر کے لیے ہمہ تن و ہمہ گیر کام کرنا ان کی زندگی کا <sup>مطمح</sup> نظر اور نصب العین تھا۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں  
کبھی سوز و ساز رومی، کبھی پیچ و تاب رازی

مولانا حبیب الرحمن جون ۱۹۳۷ء میں پل شابدولہ ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ جب ہوش سنبھالا تو انہیں دینی تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں داخل کرادیا گیا۔ اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے جامعہ سلفیہ فیصل آباد، مدرسہ ضیاء القرآن منڈی چشتیاں، مدرسہ نصرۃ الحق نسبت روڈ لاہور اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور میں زیر تعلیم رہے۔

آپ نے جن اساتذہ کرام سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی ان کے نام یہ ہیں:

مولانا حافظ محمد اسحاق حسینی، مولانا عبداللہ (گوجرانوالہ)، مولانا بہاؤ الدین، مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا حافظ محمد بنیامین اور مولانا عبدالرشید گوہڑوی۔

فراغت تعلیم کے بعد مولانا یزدانی نے اپنی زندگی خدمت اسلام اور مسلک اہلحدیث کی اشاعت اور ترقی و ترویج میں گزار دی۔ اور وعظ و تبلیغ کے ذریعہ آپ نے جو دینی و مذہبی خدمات انجام دیں، وہ تاریخ اہلحدیث کا ایک درخشندہ باب ہے۔

مولانا یزدانی ایک پر جوش خطیب تھے، مجاہد تھے، ادیب تھے۔ ان کی زندگی کا نصب العین ہی دین اسلام کی خدمت اور مسلک اہلحدیث کی اشاعت تھا۔

کبھی تنہائی کوہ و دامن عشق  
کبھی سوز و سرور انجم عشق  
کبھی سرمایہ محراب و منبر  
کبھی مولا علی خیر شکن عشق

مولانا یزدانی کی سیاسی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز

نوابزادہ نصر اللہ خاں کی جمہوری پارٹی سے کیا۔ آپ قومی اتحاد کے ایک مؤثر لیڈر تھے۔ بھٹو آمریت کے خلاف تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس سلسلہ میں اسیر زنداں بھی رہے۔

مولانا یزدانی توحید و سنت کے علمبردار تھے۔ اہل بدع کی نظر میں آپ سب سے بڑے مجرم تھے۔ چنانچہ ۱۴ اگست ۱۹۸۳ء میں کامونگی میں آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ آپ کو شدید کاری زخم آئے۔ آپ کو فوراً ہسپتال لاہور پہنچایا گیا، وہاں ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے آپ کا علاج کیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ابھی آپ کی زندگی باقی تھی، اور دن بدن رو بصحت ہوتے گئے اور آخر آپ شہید تشریف لے آئے۔ اور پھر پوری توانائی سے خدمت دین میں مصروف ہو گئے۔

مولانا حبیب الرحمن یزدانی ستودہ اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ زہد و ورع اور تقویٰ و طہارت نے پیکر تھے۔ بڑے خوش اخلاق اور ملنسار تھے۔ ان میں سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ آپ بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ راقم آٹھ ان کی خدمت میں کئی بار کامونگی حاضر ہوا۔ بڑے اخلاق سے ملتے اور بہت زیادہ مہمان نوازی کرتے تھے۔

۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو قلعہ کچھن سنگھ راوی روڈ لاہور میں بعد نمازِ عشاء ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں ایک مقرر مولانا یزدانی بھی تھے۔ آپ نے سیرۃ النبی ﷺ پر تقریر فرمائی۔ ان کی تقریر ختم ہوئی تو علامہ احسان الہی ظہیر کی تقریر شروع ہوئی۔ علامہ احسان الہی نے خطبہ مسنونہ کے بعد تقریر شروع کی کہ ہم کا ایک خوفناک دھماکہ ہوا۔ مولانا یزدانی ابھی اسٹیج پر تشریف فرما تھے۔ ہم کے دھماکے سے اسٹیج پر موجود افراد مولانا عبدالخالق قدوسی اور محمد خان نبیب نے تو اسی وقت اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ مولانا یزدانی اور علامہ احسان الہی ظہیر دونوں شدید زخمی ہوئے۔ انہیں میوہسپتال لاہور پہنچایا گیا۔ یہاں ۲۳ مارچ مولانا یزدانی نے انتقال فرمایا۔

بنا کر دند و خوش رے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

مولانا یزدانی کی شہادت کے بعد پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی مرحوم نے اپنے

ایک مضمون میں مولانا یزدانی کی شخصیت پر یوں اظہار خیال کیا:  
 ”مولانا یزدانی کی زندگی کا مقصد صرف یہ تھا کہ عقیدہ توحید ہر مسلمان کے دل کی  
 آواز بنادوں۔“

اور ان کے عقیدہ کی روح غلامہ اقبال کا یہ شعر ہے:

وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے  
 جسے حق نے کیا ہو نیرتیاں کے واسطے پیدا

مرحوم ایک پر جوش اور نڈر مقرر تھے۔ اخلاص و محبت کا پیکر تھے۔ اب ان کا بدل ماننا  
 مشکل ہے۔ ان کی مقبولیت کا اندازہ ان کے جنازہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک لاکھ افراد سے  
 زیادہ فرزند ان توحید شریک ہوئے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اس نسیم  
 تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے



(۱۳)

## کیلائی خاندان

محمد اوریس	۲	محمد سلیمان	۱
عبدالرحمن	۳	محمد اقبال	۳
عبدالمالک مجاہد	۶	حافظ عبدالحی	۵
اکرام اللہ ساجد	۸	عبدالسلام کیلائی	۴



## کیلانی خاندان

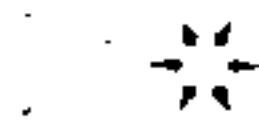
کیلانی خاندان کے سربراہ حاجی محمد عارف تھے۔ جن کے تین بیٹے امام الدین، محمد الدین اور سلطان احمد تھے۔

امام الدین عالم دین تھے اور مدرسہ غزنویہ امرتسر کے فیس یافتہ تھے اور ان کے تین بیٹے تھے:

نور الہی، حافظ عبدالحی اور عبدالواحد

نور الہی عالم دین نہیں تھے، لیکن علمائے کرام کی مجالس میں بیٹھتے تھے۔ ذریعہ معاش کتابت تھا۔ اور بڑے خوش نویس تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے:

محمد سلیمان، محمد ادریس، عبدالرحمن، عبدالغفور



## محمد سلیمان

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلمی کے شاگرد تھے۔ آپ نے تبلیغی مشن کا آغاز استاد محترم کے ارشاد پر علی پور چھٹہ سے کیا۔ وہاں تیرہ برس خدمت دین کرنے کے بعد کھیالی گوجرانوالہ آ گئے۔

مولوی محمد سلیمان ممتاز عالم دین تھے۔ درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ اور تصنیف و تالیف ان کی زندگی کا مشغلہ تھا۔ کھیالی ضلع گوجرانوالہ میں ”جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات“ کے نام سے لڑکیوں کا ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا جو آج تک ان کی یادگار ہے۔ اور توحید و سنت کی اشاعت میں سروف ہے۔

تصنیف میں بلوغ المرام کی شرح ”سبل الاسلام“ کا ترجمہ کیا جو مطبوع ہے، اس کے علاوہ حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا اردو ترجمہ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفی نے شروع کیا۔ جس کا صرف ربع اول لکھا گیا اور مولانا سلفی نے سفر آخرت اختیار کیا۔ مولوی محمد سلیمان کیلانی نے بقیہ کتاب کا ترجمہ کیا اور یہ کتاب ۳ جلدوں میں مطبوع ہے۔ ان کی اولاد میں عبدالوحید، عبدالوکیل اور عبدالعلیم ہیں۔ آج کل مولوی عبدالوحید صاحب اپنے والد گرامی کی مسجد اقصیٰ اہلحدیث میں خطابت و امامت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور مولوی عبدالوحید صاحب کے بیٹے حافظ ساجد قرآن کی تعلیم دے رہے ہیں۔



## محمد اور میں

مولانا محمد اور میں کیلانی ممتاز عالم دین تھے۔ خوش نویس کاتب بھی۔ آپ نے ۶۰ سال کی عمر میں اپنے شوق سے قرآن مجید حفظ کیا۔ کیلیا نوالہ میں جامع مسجد اہلحدیث کے خطیب و امام تھے۔ اور اس کے ساتھ حفظ قرآن کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا ہوا تھا۔ عربی اور اردو کے بڑے اعلیٰ پایہ کے خوش نویس تھے۔

مولانا عطاء اللہ حنیف جو جیلانی کی ”التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی (عربی)“ اور ”تفسیر احسن التفسیر“ اور ”فتاویٰ نذیریہ (جلد ۳)“ کی آپ نے کتابت کی تھی۔ مولانا محمد اور میں کیلانی تبحر عالم دین تھے۔ تفسیر و حدیث پر ان کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ تفسیر احسن التفسیر کی آخری تین جلدوں کی آپ نے تخریج بھی فرمائی تھی۔ علاوہ ازیں آپ نے مکمل صحاح ستہ کی بھی کتابت کی تھی۔

مولانا محمد اور میں کیلانی بڑے حلیم الطبع اور خوش اخلاق تھے۔ راقم کی ان سے ملاقات تین چار دفعہ دفتر ”الاعتصام“ لاہور میں ہوئی۔ بڑی خندہ پیشانی اور محبت سے ملتے تھے۔

مولانا محمد ادریس کے چار صاحبزادے ہیں:  
محمد اقبال، محمد ریاض، محمد خالد، ہارون الرشید



## محمد اقبال

مولانا محمد اقبال کیلانی بن مولانا محمد ادریس کیلانی معروف عالم دین ہیں اور کننگ سعودیو یونیورسٹی الریاض (سعودی عرب) میں پروفیسر ہیں۔ آپ ایک بلند مرتبہ مہتمم ہیں۔ علوم اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع ہے۔ اب تک ان کے قلم سے ۲۰ کے قریب کتابیں نکل چکی ہیں مثلاً:

کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الزکاۃ، کتاب الحج، کتاب الجہاد، کتاب اتباع السنہ، جنت کا بیان، جہنم کا بیان وغیرہ۔



## عبدالرحمن

مولانا عبدالرحمن کیلانی بن نور الہی بن امام الدین بن حاجی محمد عارف ۱۱ نومبر ۱۹۲۳ء میں کیلیانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ دینی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۹۴۳ء میں فوج میں بھرتی ہوئے اور ۱۹۴۷ء میں فوج کی ملازمت چھوڑ دی۔ اور اپنا خاندانی پیش کتابت اختیار کیا۔

۱۹۶۱ء تا ۱۹۸۱ء کے دوران میں ۴۰ کے قریب قرآن مجید کی کتابت کی۔

۱۹۸۱ء میں تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کی۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسلام میں ضابطہ تجارت

۲۔ مغربی جمہوریت

۳۔ خلافت و جمہورت

۴۔ عقل پرستی اور انکار معجزات

۵۔ سعودی عرب میں نظام زکوٰۃ (عربی سے ترجمہ)

۶۔ آئینہ پرویزیت

۷۔ شریعت و طریقت

۸۔ روح مذاہب قبر اور سماع موتی

۹۔ احکام ستر و حجاب

۱۰۔ اسلام میں فاضلہ دولت کا مقام

۱۱۔ سرگزشت نورستان

۱۲۔ مترادفات القرآن

۱۳۔ قرآن نامہ نبی کے اسباب اور ان کا حل

۱۴۔ الشمس والقمر بحسبان

۱۵۔ تفسیر تیسر القرآن

(۱۶) آنحضرت ﷺ بحیثیت سپہ سالار

مولانا عبدالرحمن کیلانی نے اپنی زندگی میں تین بار حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف

ہوئے۔ یہ تہ و کردار میں اعلیٰ اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ اتباع سنت میں اپنی

مثال آپ تھے۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۹۵ء مطابق ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ کو دکن پورہ لاہور میں نماز ادا

کرتے ہوئے بحالت سجدہ انتقال کیا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ



## حافظ عبدالحی

مولانا حافظ عبدالحی کیلانی بن امام الدین بلند پایہ عالم تھے۔ علم و فضل میں اونچی مقام رکھتے تھے۔ ان کی تصنیف ”مرآة القرآن“ ہے جو لغات پر بہت اچھی کتاب ہے۔ یہ کتاب اب تک تین مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔

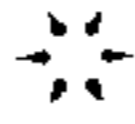
آپ زندگی بھر اپنی آبائی مسجد موضع کوٹ شاہ محمد (چاندی کوٹ) ضلع شیخوپورہ میں خطیب رہے۔ مشہور مسلم لیگی لیڈر چوہدری محمد حسین چٹھہ اسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ چٹھہ صاحب اور ان کا خاندان موصوف کے بڑے قدردان تھے۔ آپ نے اپنے گاؤں والوں کو دینی تعلیم دی۔ آپ بڑے عابد، زاہد، قانع، متوکل علی اللہ، درویش صفت، سادہ مزاج، خلیق اور مہمان نواز تھے۔ نماز تہجد اور اشراق اور روزانہ زبانی چھ پارے تلاوت قرآن آپ کا معمول تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو قرآن مجید پر بہت اچھا ضبط تھا۔ آپ کو برادری میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ ہمیشہ کسی نہ کسی کو اپنے پاس رکھ کر دینی تعلیم سے آراستہ کرتے تھے۔ آپ نے اپنی برادری کو بہت فائدہ پہنچایا۔



## عبدالمالک مجاہد

مولانا عبدالمالک مجاہد کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ مکتبہ دارالسلام الریاض (سعودی عرب) کے مدیر ہیں۔ عربی، اردو، انگریزی اور دیگر زبانوں میں قرآن، حدیث، تاریخ اور مذہب اسلام پر پانچ سو کے قریب کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ بڑے فعال اور سرگرم عالم دین ہیں۔ ان میں دین اسلام کی اشاعت کی بہت زیادہ تڑپ ہے۔ بڑے خوش اخلاق اور مفسر

ہیں۔ مسلک اہلحدیث کو عالمی سطح پر متعارف کرانے میں آپ کا بہت بڑا کردار ہے۔ آپ کی مساعی سے اسلامی لٹریچر کو اس قدر عمدہ اور دیدہ زیب بنایا گیا ہے کہ ہر مسلمان ان کی تعریف کرنے پر مجبور ہے۔ آپ کی کوشش سے بہت سے تدریسی اداروں کو مالی معاونت فراہم کی جا رہی ہے۔ ان دنوں دعوتی اور اصلاحی لٹریچر کو میڈیا کے ذریعے سے پیش کرنے میں مصروف عمل ہیں۔



## عبدالستلام

تبحر عالم دین ہیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ پھر جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخل ہوئے۔ اور ابتدائی جماعتیں پڑھیں۔ پھر لاہور حضرت العلام حافظ عبداللہ محدث روپڑی کی خدمت میں چلے گئے اور ان سے تفسیر و حدیث کی سند لی۔ بعد ازاں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ داخلہ لے لیا فراغت حاصل کرنے کے بعد پاکستان آ گئے اور علماء اکیڈمی میں حدیث اور علوم عالیہ کے استاذ تعینات ہوئے۔

آپ کی علوم اسلامیہ پر وسیع نظر ہے۔ بلند اخلاق اور شیریں زبان ہیں۔ بڑی معلوماتی تقریر کرتے ہیں۔ آپ نے چند ایک کتب منشیات اور اسلام، کتاب و سنت کا مقام، عورت کی دیت وغیرہم تصنیف کیں۔



## اکرام اللہ ساجد

مولانا اکرام اللہ ساجد بن عبدالرحیم بن محمد الدین بن حاجی محمد عارف ممتاز عالم دین

ہیں۔ آپ اعلیٰ پایہ کے خوش نویس بھی ہیں۔ اور صاحب قلم بھی ہیں۔ تقریر میں اچھا خاصہ ملکہ رکھتے ہیں۔ ان کا وعظ بڑا موثر اور دلنشین ہوتا ہے۔ آپ صحافی بھی ہیں۔

ماہنامہ ”ترجمان الحدیث“ لاہور، ماہنامہ ”محدث“ لاہور اور ماہنامہ ”حریمین“ جہلم کے مدیر و معاون رہ چکے ہیں۔

آج کل جامع مسجد اہلحدیث علی پور چٹھہ میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں۔ جمعیت اہلحدیث تحصیل وزیر آباد کے امیر ہیں۔ راقم سے ۱۹۸۲ء سے تعلقات ہیں۔ بڑے حلیم الطبع، شریف النفس اور کم سخن ہیں۔



(۱۴)

## ۱۷۔ علمائے کرام

اس باب میں تین فصلیں ہیں:

فصل اول میں ان علمائے کرام کے حالات درج ہیں جنہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور ان کی تعداد پچیس (۲۵) ہے۔

مرحومین ..... ۱۹ موجودین ..... ۶

فصل دوم میں ان علمائے کرام کے حالات درج ہیں جن کی حیثیت پدر اور پسر کی ہے۔ ان کی تعداد پچیس (۲۵) ہے۔

مرحومین ..... ۲۳ موجودین ..... ۲

فصل سوم میں ان علمائے کرام کے حالات درج کیے گئے ہیں جو برادران ہیں۔ ان کی تعداد اکیس (۲۱) ہے۔

مرحومین ..... ۱۵ موجودین ..... ۶



## فصل اوّل

- |    |                             |    |                            |
|----|-----------------------------|----|----------------------------|
| ۱  | ولایت علی عظیم آبادی        | ۲  | شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی |
| ۳  | محمد حسین بٹالوی            | ۴  | محمد بشیر سہوانی           |
| ۵  | عبد المنان وزیر آبادی       | ۶  | عبد اللہ غازی پوری         |
| ۷  | قاضی محمد سلیمان منصور پوری | ۸  | احمد اللہ پرتاب گڑھی       |
| ۹  | عبدالنواب ملتانی            | ۱۰ | ثناء اللہ امرتسری          |
| ۱۱ | ابوالکلام آزاد              | ۱۲ | محمد ابراہیم میرسیالکوٹی   |
| ۱۳ | عبدالستار دہلوی             | ۱۴ | نذیر احمد رحمانی           |
| ۱۵ | حافظ محمد گوندلوی           | ۱۶ | محمد حنیف ندوی             |
| ۱۷ | ابوالبرکات احمد مدراسی      | ۱۸ | غلام احمد حریری            |
| ۱۹ | محمد صادق خلیل              | ۲۰ | محمد علی جانباز            |
| ۲۱ | ارشاد الحق اثری             | ۲۲ | حافظ صلاح الدین یوسف       |
| ۲۳ | محمد اسحاق بھٹی             | ۲۴ | بشیر انصاری                |
| ۲۵ | محمد خالد سیف               |    |                            |



## ولایت علی عظیم آبادی

مولانا ولایت علی عظیم آبادی بن مولوی فتح علی عظیم آبادی تحریک مجاہدین کے روح رواں تھے۔ عالم مبلغ، بے نظیر محدث، فقہ و حدیث و سلوک کے جامع، توحید خالص کے علمبردار، محدثات و بدعات کے قاطع، کفن بردار مجاہد اور جامع العلوم عالم تھے۔

ولادت:

مولانا ولایت علی ۱۲۰۵ھ میں عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی فتح علی کا شمار عظیم آباد کے رؤسا میں ہوتا تھا۔ مولوی فتح علی کے خاندان کو عظیم آباد میں امارت و سیادت کا درجہ حاصل تھا۔

تحصیل علم:

خاندانی روایات کے مطابق ۴ برس کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ ذہانت و فطانت اور فراست کا وافر حصہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عنایت فرمایا تھا۔ اس لیے بہت جلد علوم اسلامیہ میں دسترس حاصل کر لی۔ اپنے والد مولوی فتح علی کے علاوہ مولوی رمضان علی مجتہد امامیہ سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے بعد لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں آپ نے مولانا محمد اشرف جو جامع علوم معتول و منقول تھے، ان کی خدمت میں چار سال رہ کر کتاب فیض کیا۔

سید احمد شہید سے ملاقات اور بیعت:

لکھنؤ میں قیام کے دوران حضرت سید احمد شہیدؒ لکھنؤ رونق افروز ہوئے اور پہلی ملاقات میں ہی ان سے بیعت ہو گئے اور تعلیم چھوڑ کر ان کے ساتھ رائے بریلی تشریف لے گئے اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ شاہ صاحب سے آپ نے

مختلف علوم کی کتابیں پڑھیں۔ عبادت و تعلیم کے بعد پورا وقت اپنے ساتھیوں کی خدمت میں گزارتے۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتے۔ غرض معمولی سے معمولی کام کرنے میں عار محسوس نہ کرتے اور جب کام سے فرصت ملتی تو حضرت سید احمد شہیدؒ کی صحبت میں جا بیٹھتے۔

### شان للہیت:

مولانا ولایت علی کے والد مولوی فتح علی کو علم ہوا کہ ولایت علی رائے بریلی حضرت سید احمد شہیدؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہیں تو انہوں نے اپنے ایک ملازم جو بچپن سے مولانا ولایت علی کا خدمتگار تھا، چار سو روپے معہ ملبوسات دے کر آپ کے پاس بھیجا۔ جب ملازم رائے بریلی پہنچا تو آپ کا پتہ کیا تو اس کو بتایا گیا کہ ولایت علی تعمیر مسجد میں مزدوروں میں کام کر رہے ہیں۔ مولانا ولایت علی نے ایک موٹا تہہ باندھ رکھا تھا اور گارے میں لتھڑے ہوئے تھے۔ صورت اس وجہ سے متغیر تھی کہ ملازم ان کو پہچان نہ سکا۔ جب اس نے آپ سے دریافت کیا تو مولانا ولایت علی نے جواب دیا کہ میں ہی ہوں، اس نے مذاق سمجھا اور بہت ناراض ہوا۔ آپ نے کہا کہ آپ ولایت علی نہیں آتا تو جو میرے ساتھ یہ لوگ کام کر رہے ہیں ان سے دریافت کر لیجئے۔ چنانچہ ملازم نے ان لوگوں سے ولایت علی کا دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ عظیم آباد کے رئیس زادے ولایت علی یہی ہیں، تو وہ بہت نادم ہوا۔ آپ سے معافی مانگی اور گلے لگایا اور آپ کی حالت زار دیکھ کر زار و قطار رونے لگا۔ رقم اور ملبوسات آپ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ آپ نے انہیں دیکھا تک نہیں اور دونوں چیزیں حضرت سید احمد کی خدمت میں پیش کر کے واپس آگئے اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

### وعظ و تبلیغ:

مولانا ولایت علی رائے بریلی میں حضرت سید احمد سے استفادہ کرتے رہے۔ جب سید صاحب حج کے لیے تشریف لے گئے تو مولانا ولایت علی اپنے وطن واپس آئے اور اپنی زندگی کا مشن وعظ و تبلیغ کو بنایا۔ اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ جماعت جمعی پابندی قائم کی۔

آپ ہی کے پند و نصائح سے آپ کے خاندان کے لوگ اور کثیر تعداد میں دوسرے لوگ حضرت سید صاحب سے وابستہ ہوئے۔

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ انہیں کی کوشش سے ان کا خاندان اور دوسرے اعزہ و اقربا سید صاحب سے وابستہ ہوئے۔ غرض ان سے تعلق رکھنے والوں میں ایک بھی فرد ایسا باقی نہ رہا جس نے سید صاحب کی ارادت کا حلقہ اپنی گردن میں نہ ڈال لیا ہو۔

سفارت:

حضرت سید صاحب نے مولانا ولایت علی کو شاہ زماں والی کابل اور اس کے وزیر دوست محمد خان کے پاس مراسلات دے کر بھیجا۔ والی کابل آپ سے بڑی عزت و احترام سے پیش آیا اور شاہن مہمان کے طور پر اپنے پاس رکھا۔ آپ کا قیام کابل میں تقریباً ڈیڑھ ماہ رہا۔ اس دوران آپ وعظ و نصیحت، توحید و اتباع سنت اور تحریص علی الجہاد کرتے رہے اور پنجاب میں مسلمانوں پر ستموں نے جو ظلم شروع کر رکھا تھا ان کے بارے میں کابل کے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔

خلافت اور حیدرآباد دکن روانگی:

حضرت سید صاحب نے ترویج دین حق کے خیال سے مولوی سید محمد علی رام پوری اور مولانا ولایت علی کا انتخاب فرمایا۔ اور ان دونوں بزرگوں کو جنوبی ہند روانہ فرمایا۔ چنانچہ مولانا ولایت علی دعوت و تبلیغ کی غرض سے حیدرآباد دکن کے اطراف میں توحید و سنت کی ترغیب دیتے رہے اور لاکھوں آدمی آپ کے وعظ سے توحید و سنت کے پابند ہوئے۔ دوسری طرف مولوی سید محمد علی رام پوری نے بھی مدراس میں تبلیغ و تعلیم میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔

قیام وطن اور نظم تبلیغ:

مولانا ولایت علی حیدرآباد دکن اور اس کے اطراف میں دعوت و تبلیغ میں مصروف تھے کہ بالاکوٹ میں حضرت سید صاحب کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ دوسری طرف عظیم آباد میں



آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ حضرت سید صاحب کی شہادت سے آپ پر بارِ عظیم پڑ گیا۔ چنانچہ مولانا ولایت علی حیدر آباد دکن سے برہان پور، سیونی نرسنگھ پور اور جبل پور ہوتے ہوئے عظیم آباد پہنچے اور اصلاح عقائد و جہاد کا مقصد پیش نظر رکھتے ہوئے بنگال، اڑیسہ اور الہ آباد میں دعوت و تبلیغ کا منظم سلسلہ قائم کیا۔

جس کی تفصیل مولانا غلام رسول مہر نے اس طرح لکھی ہے:

”مولانا شاہ محمد حسین کو چھیرہ، مظفر پور، ترہٹ اور اطراف پٹنہ کا علاقہ تفویض کیا۔ مولانا ولایت علی کو بنگال، مولوی زین العابدین حیدر آبادی کو الہ آباد اور مولوی عباس کو اڑیسہ کا علاقہ تفویض کیا۔ طریق تبلیغ یہ تھا کہ مولانا خود اور ان کے مقرر کیے ہوئے داعی ایک ایک قریے اور ایک ایک موضع میں جاتے، مسلمانوں کو پابند شریعت بناتے اور ارشاد و ہدایت کا مستقل سلسلہ جاری کر دیتے۔“

### مولانا ولایت علی عظیم آبادی کی اپنی کیفیت:

آپ کی اشاعت دین میں انتھک کوششیں غرب و شرق، شمال و جنوب کل پر محیط تھیں اور میلوں، کھیتوں، مجموعوں اور کسانوں کے پاس پہنچ کر اللہ کی اطاعت و بندگی کی ترغیب دیتے اور ان کی بدزبانیوں اور غصوں کو شربت کی طرح نوش کر جاتے۔ دینیات کی تعلیم کے لیے اپنے مکان پر بعد نمازِ ظہر تا نمازِ عصر قرآن و حدیث کا درس دیتے۔ قرآن مجید اور بلوغ المرام کا لفظی ترجمہ مردوں اور عورتوں اور بچوں کو پڑھواتے تاکہ لوگ اللہ کی مرضی اور غیر مرضی (امرو نہی) سے آگاہ ہو جائیں۔

### تعلیم اور اشاعت کتب:

مولانا ولایت علی نے دینی کتب کی اشاعت کا خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ آپ نے مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی نبیرہ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ قرآن مجید اور مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی کے چند رسائل منگوا کر مولوی بدیع الزمان بردوانی کے ذریعہ چھپوا کر شائع کیے اور لوگوں میں تقسیم کیے۔

خدا داد تاثیر:

آپ کے وعظ میں بڑی تاثیر تھی۔ قیام وطن کے دوران ہر منگل کو بعد نماز مغرب اپنے مکان پر وعظ فرماتے۔ ایک جانب عورتیں ہوتیں اور دوسری جانب مرد۔ سامعین کی مجموعی تعداد پانچ چھ ہزار سے کم نہ ہوتی۔ وعظ میں خدا داد تاثیر تھی جو سُننا اس کی حالت دگرگوں ہو جاتی۔

محی السنہ مولانا سید نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

”مولانا ولایت علی عظیم آبادی نے جامع مسجد میں چند جمعہ تک وعظ کیا۔ مجھ سے کہہ گئے کہ تم کتاب بلوغ المرام ضرور پڑھنا میں اس وقت بارہ تیرہ برس کی عمر کا ہوں گا، اس کہنے کا نتیجہ ایک مدت دراز کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ میں نے بلوغ المرام کی شرح (مسک الختام) لکھی۔ جو اثر سریع میں نے مولوی ولایت علی مرحوم کے وعظ میں پایا کسی کے وعظ میں دیکھا نہ سنا۔ ان کے پاس بیٹھنے سے دل دنیا سے بالکل سرد ہو جاتا تھا اور دین کا جوش تہ دل سے اٹھتا تھا۔ یہ مصرع میں نے انہیں سے یاد کر لیا تھا:

ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

مولوی عبدالرحیم صادق پوری ”تذکرہ صادقہ“ میں لکھتے ہیں:

”آپ کی ترغیب تحصیل قرآن و حدیث اور وعظ و نصائح سے ملک ہندوستان میں عمل بالحدیث کا چرچا ہوا۔ اور تقلید و تعصب کی بنا کمزور و مضحک ہونے لگی کیونکہ قرآن و حدیث کی محبت اور ان کی ترویج نے حق کو روشن کر دیا۔ جاء الحق و زهق الباطل“

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (م ۱۳۰۸ھ) لکھتے ہیں:

”آپ نے اسلام کی ہر نوع کی خدمات سرانجام دیں، جہاد کے سلسلہ میں تو آپ سرعسکر تھے، تبلیغی اور تدریسی خدمات میں بھی کوتاہی نہیں فرمائی اور اشاعت علوم دینیہ کے لیے بقدر وسعت کوششیں جاری رکھیں۔“

## حج بیت اللہ:

۱۲۳۸ھ میں مولانا ولایت علی عظیم آبادی حج کے لیے تشریف لے گئے۔ سفر حج کے لیے عظیم آباد سے نکلے، بنگال کا دورہ کیا اور قریہ قریہ سفر کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔ مولوی بدیع الزمان بردوانی کو مصری گنج کی مسجد کا امام مقرر فرمایا۔ اسی دورے میں سورج گنج بھی تشریف لے گئے۔ یہاں مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی آپ کے وعظ سے بہت متاثر ہوئے اور اپنی زندگی خدمت دین اسلام اور قرآن و حدیث کی اشاعت میں بسر کر دی۔ اس کے بعد کلکتہ سے بذریعہ جہاز بمبئی پہنچے اور بمبئی میں دو ماہ قیام کیا اور بمبئی کے دو ماہ بھی وعظ و تبلیغ میں گزارے۔ پھر حجاز تشریف لے گئے اور حج کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ مکہ معظمہ میں شیخ عبداللہ سراج سے حدیث کی سند حاصل کی اور واپسی پر نجد و غیرہ ممالک اسلامیہ کی سیر کرتے ہوئے یمن پہنچے۔ اور ۱۲۳۹ھ میں امام محمد بن علی شوکانی برائے (م ۱۲۵۰ھ) سے حدیث کی سند حاصل کی اور امام شوکانی کی تصنیف ”الدرر البیہ“ کا ایک نسخہ ساتھ لائے۔ یہ نسخہ اس وقت صادق پور میں موجود ہے۔ اس کے بعد آپ واپس کلکتہ تشریف لائے اور کلکتہ میں کچھ دن قیام کے بعد اپنے وطن عظیم آباد پہنچے۔

## علاقہ مجاہدین میں مولانا ولایت علی کی آمد:

۱۷ شوال ۱۲۶۲ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۸۴۶ء کو مولانا ولایت علی علاقہ مجاہدین میں پہنچ گئے۔ مانسہرہ میں مجاہدین کی ایک جماعت نے والہانہ استقبال کیا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی عظیم آبادی سے بھی ملاقات ہوئی۔ ایک دن مانسہرہ میں قیام کے بعد اسلام گڑھ (جس کا پہلا نام فتح گڑھ) تشریف لے گئے۔ وہاں دوپہر کا کھانا کھایا اور ۲۳ شوال ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۸۴۶ء جمعہ کے دن مولانا عنایت علی نے امارت کا پورا کاروبار مولانا ولایت علی کے سپرد کر دیا۔

## مولانا ولایت علی کی مراجعت:

علاقہ مجاہدین میں کچھ عرصہ قیام کے بعد مولانا ولایت علی مع اپنے بھائی مولانا عنایت علی عظیم آباد تشریف لے گئے تو ان پر مع اپنے بھائی کے عظیم آباد کی حدود سے باہر جانے پر پابندی عائد کر دی گئی اور یہ پابندی جولائی یا اگست ۱۸۴۹ء میں ختم ہوئی۔

## مستقل ہجرت:

۱۳ شوال ۱۲۶۵ھ مولانا ولایت علی نے مستقل ہجرت کے راستے میں قدم رکھا۔ مولانا یحییٰ علی اور چند دوسرے احباب آپ کے ساتھ تھے۔

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ:

”مولانا ولایت علی اس گھرانے کے فرزند تھے جو بہار کے رؤسا میں شمار ہوتا تھا۔

بہت بڑی جائداد کے مالک تھے اور ان کے تمام اقربا بھی رؤسا ہی میں محسوب

تھے۔ لیکن دیکھئے عشق حق اور خدمت دین کے جذبہ صادق نے کس طرح ان

سے سب کچھ چھڑا دیا۔ اور اس زندگی کی تڑپ دل میں پیدا کر دی جس میں

تکلیفوں اور پریشانیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ کارنامے صرف ارباب عزیمت ہی

انجام دے سکتے ہیں۔ مولانا ولایت علی اور ان کے اکثر اقرباء سید صاحب کے

فیض تربیت سے یقیناً ارباب عزیمت کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔“

مولانا ولایت علی عظیم آباد سے روانہ ہو کر گدھانہ، کوٹلور، آرہ، غازی پور ہوتے ہوئے

دہلی پہنچے۔ آپ نے جس جگہ بھی قیام کیا، وعظ و تبلیغ کرتے رہے اور لوگ ان کا وعظ بھی بڑے

ذوق و شوق سے سنتے تھے۔ دہلی میں آپ کا قیام دو ماہ رہا۔ بادشاہ کو بھی وعظ کیا جس پر اس

نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ آپ کے وعظ میں حکیم مومن خان مومن نے شرکت کی تھی۔ مولانا

ولایت علی کے وعظ سے بادشاہ اور اس کے اہل خانہ متاثر ہوئے اور جب مولانا ولایت علی

وعظ کے لیے شاہی قلعہ پہنچے تو بادشاہ نے آپ کا والہانہ استقبال کیا۔ اور آپ کے ساتھ

مصافحہ کیا اور آپ کے علاوہ آپ کے ساتھ تقریباً ۷۵ آدمی شاہی قلعے میں آ گئے۔ ان سب

سے بھی بادشاہ نے مصافحہ کیا۔ وعظ کے بعد بادشاہ نے آپ کو شاہی قلعہ کی سیر بھی کرائی۔

### مولانا ولایت علی کی ستھانہ روانگی:

مولانا ولایت علی دہلی سے ستھانہ کے لیے روانہ ہوئے اور جب آپ دریائے جمنا سے پار ہوئے تو رمضان المبارک کا چاند نظر آیا۔ ستھانہ پہنچ کر آپ نے وعظ و تبلیغ اور درس قرآن و حدیث کا سلسلہ شروع کیا اور سامعین کی ایک بڑی تعداد آپ کے وعظ اور درس میں شریک ہوئی۔

### وفات:

مولانا ولایت علی ابھی کوئی مجاہدانہ قدم اٹھانے نہ پائے تھے کہ ۲۲ محرم ۱۲۴۱ھ مطابق ۵ نومبر ۱۸۵۳ء بہ عارضہ خناق انتقال کیا اور اپنے مرکز کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ انتقال کے وقت عمر ۶۴ سال تھی۔

بنا کر دند و خوش رسے بخاک و خون غلطیدن  
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

### تصانیف:

مولانا ولایت علی عظیم آبادی کی زندگی کا بیشتر حصہ وعظ و تبلیغ اور نظم جہاد میں گزرا۔ ظاہر ہے کہ ان مشاغل کے ہجوم میں تصنیف کے لیے وقت نکالنا خاصا دشوار ہے۔ تاہم آپ نے مختلف اوقات میں عربی، فارسی اور اردو میں رسائل لکھے ان کی تفصیل یہ ہے:

- ۱۔ رسالہ رد شرک (فارسی)، ۲۔ رسالہ عمل بالحدیث (فارسی)، ۳۔ رسالہ اربعین فی الدین (عربی)، ۴۔ رسالہ دعوت (اردو)، ۵۔ رسالہ تیسیر الصلوٰۃ (اردو)، ۶۔ رسالہ شجرہ یا شجرہ (اردو)، ۷۔ رسالہ تبیان الشکر (اردو)



## شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی

مولانا شمس الحق ڈیانوی علم و فضل کے اعتبار سے بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ آپ مفسر بھی تھے اور محدث بھی۔ مؤرخ بھی تھے اور محقق بھی، معلم بھی تھے اور متکلم بھی، عربی و فارسی کے ادیب بھی تھے اور انشاء پرداز بھی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ کی نعمت سے نوازا تھا۔ مطالعہ اور تحقیق کے عادی تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی ذہانت اور قوت فہم عطا کی تھی۔ فقہی مذاہب اور ائمہ کے اختلاف و دلائل پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ حدیث پر ان کو مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی۔

مولانا شمس الحق شریف، متواضع اور مفسار تھے۔ بڑے مہمان نواز، فیاض، حلیم الطبع، اور اہل علم کے قدردان تھے۔ مولانا سید عبدالحمی الحسنی فرماتے ہیں:

”وہ بڑے حلیم، متواضع، شریف، پاکدامن، نیک اور عمدہ طور و طریقہ کے مالک اور اہل علم سے محبت کرنے والے تھے۔“

مولوی محمد زبیر ڈیانوی مرحوم لکھتے ہیں:

”وہ علماء اور محدثین اور طلباء سے بڑی محبت کرتے تھے۔ راستبازی، حیا، سخاوت، ثقاہت، دیانت اور امانت و عدالت سے متصف اور جمعہ و جماعت کے پابند تھے۔“

حدیث و سنت کی تائید و حمایت کے لیے پوری طرح کمر بستہ رہتے تھے۔ اور اس کی معمولی سی مخالفت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ پٹنہ کے ایک غالی اور جاہل مولوی ڈاکٹر عمر کریم نے حدیث، ائمہ حدیث اور امام محمد بن اسماعیل بخاری اور ان کی عظیم المرتبت کتاب ”صحیح البخاری“ کے خلاف زبان طعن دراز کی اور اس سلسلہ میں کئی کتابیں اور اشتہار شائع کیے تو آپ نے اپنے تلمیذ مولانا ابوالقاسم سیف بناری سے عمر کریم پٹنوی کی تمام کتابوں اور

اشتبہارات کا جواب لکھوایا۔ اور اس سلسلہ میں ان کی مالی و علمی اعانت بھی کی۔ علاوہ ازیں اس کے بعد جب مولانا شبلی نعمانی نے ”سیرۃ النعمان“ شائع کی جس میں مولانا شبلی نے حدیث پر کچھ اعتراضات کیے۔ تو آپ نے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی سے اس کا جواب لکھوایا۔ جو ”حسن البیان“ کے نام سے شائع ہوا۔ ”حسن البیان“ کا جواب لکھنے کی آج تک کسی تقلیدی عالم کو ہمت نہیں ہوئی۔

آپ نے امام محمد بن اسماعیل بخاری کی عظمت اور ان کی مایہ ناز کتاب ”صحیح البخاری“ کی عظمت اور اس کے مرتبہ و مقام سے متعلق مولانا عبدالسلام مبارکپوری سے ”سیرت البخاری“ لکھوائی۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی کا ایک عظیم کارنامہ کتب کی اشاعت ہے۔ آپ نے امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، علامہ ذہبی اور حافظ منذری کی ”مختصر السنن“ ابن قیم کی ”تہذیب السنن“ اور علامہ جلال الدین سیوطی کی ”اسعاف المبطاء“ کو تصحیح و تعلق کے بعد شائع کیا۔

مولانا عظیم آبادی کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ ان کا کتب خانہ برصغیر (پاک و ہند) کے عظیم کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا۔ ان کے کتب خانہ میں سینکڑوں عربی و فارسی کی نایاب و نادر مخطوطات کا ذخیرہ جمع تھا۔ علاوہ ازیں حدیث، شرح حدیث کی نایاب کتابیں ان کے کتب خانہ میں موجود تھیں۔

لیکن یہ بیش قیمت کتب خانہ اب باقی نہیں رہا اور یہ کتب خانہ دو حادثوں کا شکار ہوا۔ پہلا حادثہ ۱۹۳۶ء میں پیش آیا جب کہ ڈیانواں کے اطراف میں مسلم کش فسادات سے متاثر ہو کر بہت سے لوگوں نے مولانا کے آبائی مکان میں پناہ لی۔ اور اس موقع پر ان کا قیام کتب خانہ والے کمروں میں بھی ہوا۔ اس وقت بے توجہی کی وجہ سے بہت سی نادر کتابیں ضائع ہو گئیں اور پناہ گزینوں نے اپنا کھانا پکانے میں چولہوں کی نذر کر دیں۔

۱۹۴۷ء میں مولانا عظیم آبادی کے فرزند ارجمند مولوی حکیم محمد ادریس ڈیانوی ڈھا کہ منتقل ہو گئے اور بقیہ کتب خانہ اپنے ساتھ ڈھا کہ لے گئے، وہاں یہ کتب خانہ ۱۹۷۱ء کی

بنگہ دیش تحریک میں ضائع ہو گیا۔ یہ دوسرا حادثہ تھا اور اس طرح یہ نایاب کتب خانہ پورے کا پورا ضائع ہو گیا۔ حکیم محمد ادریس صاحب ڈھا کہ جانے سے پہلے کافی ذخیرہ خدا بخش لائبریری پٹنہ کے حوالے کر گئے تھے اور وہ ذخیرہ اب تک محفوظ چلا آ رہا ہے۔

مولانا شمس الحق بن شیخ امیر علی ۲۷/۲ ذی قعدہ ۱۲۷۳ھ مطابق جولائی ۱۸۵۷ء کو رمنہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱ سال کے تھے کہ ان کے والد شیخ امیر علی نے ۱۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ تو ان کی والدہ ان کو لے کر اپنے والد کے پاس ڈیانواں آگئیں اور یہاں ان کے ماموں مولوی محمد احسن نے آپ کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا۔ چنانچہ مولانا شمس الحق ڈیانوی نے مختلف اوقات میں جن جن اساتذہ کرام سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی ان کے نام یہ ہیں:

- ۱) مولانا محمد ابراہیم نگر ہسوی، ۲) مولوی حافظ اصغر علی رام پوری، ۳) مولوی سید راحت حسین بھوی، ۴) مولوی عبدالحکیم شیخ پوری، ۵) مولوی نور احمد ڈیانوی، ۶) مولانا فضل اللہ لکھنوی، ۷) مولانا بشیر الدین قنوجی، ۸) مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، ۹) علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی

۱۳۱۱ھ میں مولانا شمس الحق حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور حرمین شریفین میں آپ نے آٹھ جلیل القدر مشائخ حدیث سے حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔

حرمین شریفین سے واپسی کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور ایک دینی مدرسہ بنام ”دار الحدیث“ کی بنیاد رکھی۔ آپ سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ عرب اور ایران سے بھی طلباء آ کر ان سے اکتساب فیض کرتے تھے۔ مولانا عظیم آبادی طلباء کو کھانا بھی اپنے پاس سے کھلاتے تھے اور کتابیں بھی خود مہیا کرتے تھے۔ ان کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔

ان کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

① مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی (م ۱۳۶۲ھ)

② مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی (م ۱۳۸۱ھ)



- ۳ مولانا ابوالقاسم سیف بناری (م ۱۳۶۹ھ)
- ۴ مولانا عبدالحمید سوہدروی (م ۱۳۳۰ھ)
- ۵ مولانا فضل اللہ مدراسی (م ۱۳۶۱ھ)
- ۶ مولانا شرف الحق اشرف ڈیانوی (م ۱۳۳۶ھ)
- ۷ مولانا ابو عبداللہ محمد زبیر ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ)
- ۸ مولانا حکیم محمد ادریس ڈیانوی (م ۱۹۶۰ء)
- مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء بروز  
 شنبہ ۶ ربیع صبح ۵۶ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴾  
 بقول مولانا ابوالقاسم سیف بناری:  
 ”جس وقت دنیا کا آفتاب طلوع ہوا اسی وقت دین کا آفتاب (شمس الحق)  
 غروب ہوا۔“

### تصانیف:

- ۱ غایۃ المقصود فی حل السنن ابی داؤد (عربی)
- ۲ عون المعبود علی سنن ابی داؤد (عربی - ۴ جلد)
- ۳ التعلق المغنی علی سنن الدار قطنی (عربی - ۲ جلد)
- ۴ تعلیقات علی اسعاف المبطا برجال المؤطا (عربی)
- ۵ تعلیقات علی سنن النسائی (عربی)
- ۶ رفع الالباس علی بعض الناس (عربی)
- ۷ غنیۃ الالمعی (عربی)
- ۸ فضل الباری شرح ثلاثیات البخاری (عربی)
- ۹ ہدیۃ اللوذعی بنکات الترمذی (عربی)
- ۱۰ اعلام اهل العصر باحكام ركعتی الفجر (عربی)

- ①۱ ہدایۃ النجدین الی حکم المعانقۃ و المصافحۃ بعد العیدین (أردو)
- ①۲ التحقیقات العلیٰ باثبات فریضۃ الجمعة فی القرئ (أردو)
- ①۳ النور اللہ امع فی اخبار صلوة الجمعة عن النبی الشافع (أردو)
- ①۴ تحفة المجتہدین الابرار فی اخبار صلوة الوتر و قیام رمضان علی النبی المختار (عربی)
- ①۵ القول المبین فی الجہر بالتامین والرد علی القول المبین (أردو)
- ①۶ القول الصحیحۃ فی احکام النسکیہ (فارسی)
- ①۷ الرسالہ فی الفقہ (عربی)
- ①۸ تنقیح المسائل (عربی ، فارسی ، أردو)
- ①۹ غایۃ البیان فی حکم الکمال العنبر والزعفران (عربی)
- ②۰ القول المحقق (فارسی)
- ②۱ عقود الجممان فی جواز تعلیم الکتابۃ للنسوان (عربی)
- ②۲ فتویٰ رذعزیہ داری (أردو)
- ②۳ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء (فارسی)
- ②۴ تفریح المتذکرین فی ذکر کتب المتأخرین (فارسی)
- ②۵ نہایۃ الرسوخ فی معجم الشیوخ (عربی)
- ②۶ سیرت الشیخ المحدث عبداللہ جہاؤ میاں الہ آبادی (أردو)
- ②۷ نخبۃ التواریح (فارسی)
- ②۸ المکتوب اللطیف الی لمحدث الشریف (عربی)
- ②۹ الوجارہ فی الاجازۃ (عربی)
- ③۰ النجم الوہاج فی شرح مقدمہ الصحیح لمسلم بن الحجاج (عربی)

## محمد حسین بٹالوی

مولانا محمد حسین بن رحیم بخش ۱۷ محرم ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۸۴۱ء بٹالہ ضلع گورداس پور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، اس کے بعد علی گڑھ، لکھنؤ اور دہلی کا سفر کیا۔ دہلی میں مفتی صدر الدین آزر دہلوی، مولانا گلشن علی اور مولانا نور الحسن کاندھلوی سے علوم معقول و منقول، فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۲۸۱ھ میں سند فراغت حاصل کی اور ۱۲۸۲ھ میں تفسیر و حدیث کی تحصیل شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد وطن واپس آئے، اور اپنی مسجد میں بعد نماز فجر درس قرآن شروع کیا۔ آپ کے درس قرآن میں دور دور سے لوگ آ کر شرکت کرتے تھے۔

بٹالہ میں آپ نے کافی دیر تک درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد آپ مسجد چیدیا نوالی لاہور آ گئے اور یہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ لاہور کے قیام میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ رمضان میں ۸ رکعت تراویح کی ترویج آپ ہی سے ہوئی۔

۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں آپ نے بٹالہ سے ماہنامہ ”اشاعت السنۃ النبویہ“ جاری کیا۔ جس کا مقصد اسلام اور اہلحدیث مسلک کی اشاعت تھا اور اس کے ساتھ ادیان باطلہ کی تردید۔

مولوی ابوبیکر امام خاں نوشہروی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

”جماعت اہل حدیث کا سب سے پہلا رسالہ جس نے کئی سال تک علم و فن کی خدمت کی، عیسائیوں کے الزامات کا جواب دیا اور مرزائے قادیان کی ”کفرہ“ کا استیصال کیا۔“

پروفیسر محمد مبارک لکھتے ہیں کہ:

” اشاعة السنه النبویة “ کے ذریعے ایک طرف آپ نے نیچریت (برسید) کے باطل نظریات اور قادیانیت و عیسائیت کا رد کیا اور دوسری طرف مقلدین احناف سے بھی خوب خوب ٹکری۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ علمائے احناف اہلحدیث پر بے جا تنقید کرتے تھے۔ مثال کے طور پر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مرحوم کے دادا مولوی محمد بن عبدالقادر لدھیانوی نے ۶۵-۱۸۶۳ء میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام ”انتظام المساجد باخراج اہل الفتن المفسد“ ہے، جس میں موصوف نے نہ صرف اہلحدیث حضرات کے مسجدوں سے اخراج پر زور دیا بلکہ ان کو قتل کرنے تک کا فتویٰ صادر فرمایا۔“

مولانا محمد حسین بٹالوی نے سب سے پہلے قادیانی فتنہ کا سرکچلا۔ اور مرزا قادیانی کو اتنا زچ کیا کہ تاریخ اہلحدیث میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ بقول مولانا ثناء اللہ امرتسری مسلمانوں کی طرف سے قادیانی فتنہ کا دفاع کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم تھے۔ مولانا بٹالوی مرحوم نے ہندوستان بھر کے علمائے کرام سے فتویٰ حاصل کر کے شائع کیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی تصنیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① منع الباری فی ترجیح صحیح البخاری

② اسلامی عقائد

③ المفاتیح فی بحث التراویح

④ ہدایہ الرب للباحثہ الضب

⑤ سجدہ تعظیم

⑥ الاقتضاد فی حکم الشہادۃ والمیلاد

⑦ البیان فی الرد البرہان

۸ البرهان الساطع

۹ المشروع في ذكر الاقضاء بالمخالفين في الفروع

۱۰ الاقتصاد في مسائل الجهاد

۱۱ پاک و ہند کے علمائے کرام کا اوّلین متفقہ فتویٰ

مولانا محمد حسین بٹالوی نے ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو انتقال کیا۔ ردّ قادیانیت کے سلسلے میں آپ کی علمی اور فکری خدمات کو ہمیشہ اولیت حاصل رہے گی۔ برصغیر کی دینی صحافت میں آپ کا نام جلی الفاظ میں لکھے جانے کے قابل ہے۔



## محمد بشیر سہوانی

مولانا محمد بشیر سہوانی بن حکیم بدرالدین بے نظیر عالم دین تھے۔ تمام علوم اسلامیہ میں ان کو مکمل دسترس تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ و منطق، تاریخ و سیر، ادب و لغت میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔

مولانا سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں کہ:

”مولانا محمد بشیر علمائے کبار میں سے تھے۔ بہت متقی، پرہیزگار، صالح، صاحب فہم و ذکا، اور جید عالم دین تھے۔ اصول فقہ میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔“

آپ ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حکیم بدرالدین ایک حاذق طبیب تھے۔ اور انہیں شاہان اودھ کے دربار سے ”خان“ کا خطاب ملا تھا۔ دس سال کے تھے کہ ان کے والد نے انتقال کیا اور آپ سہوان آ گئے۔ اور مولانا سید امیر حسن سہوانی سے دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ اس کے بعد متھرا چلے گئے۔ اور وہاں آپ نے حکیم نور الحسن سہوانی سے استفادہ کیا۔ مولانا ہدایت اللہ رام پوری سے بھی اکتساب فیض کیا۔ اس کے بعد دہلی تشریف لائے اور حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں تحصیل

کی۔ علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے بھی حدیث و سند و اجازت حاصل کی۔  
تکمیل تعلیم کے بعد سینٹ کالج آگرہ میں عربی و فارسی کے پروفیسر ہو گئے اور کافی  
عرصہ آگرہ میں گزارا۔ اور گھر پر دینی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور کئی حضرات نے آپ  
سے استفادہ کیا۔

۱۲۹۵ھ کے شروع میں آپ آگرہ کالج سے علیحدہ ہو کر بھوپال چلے آئے اور محی السنہ  
مولانا سید نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے بھوپال میں دینی مدارس کا نگران مقرر کیا اور اس  
کے ساتھ تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور وعظ و تبلیغ بھی فرماتے تھے۔

بھوپال کے زمانہ قیام میں مرزا قادیانی نے حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کو مناظرہ  
کا چیلنج کیا۔ حضرت میاں صاحب پیرانہ سالی کی وجہ سے بہت کمزور ہو چکے تھے۔ آپ نے بھوپال  
سے مولانا محمد بشیر سہوانی کو مرزا قادیانی سے مناظرہ کے لیے بلایا۔ چنانچہ مولانا محمد بشیر بھوپال  
سے دہلی تشریف لے گئے اور مرزا قادیانی سے ”حیات مسیح“ پر آپ کا تحریری مناظرہ ہوا۔

مولوی ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

”مرزا قادیانی نے مناظرہ میں تاویلات کے دروازے کھول دیے مگر مولوی  
صاحب کے بے پناہ استیلائے دلائل کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہنے  
لگا۔ جس سے تنگ آ کر آپ (مرزا صاحب) اسٹیشن دہلی پر اپنے خسر کے  
استقبال کا حیلہ کر کے باہر نکلے اور پھر لوٹ کر دہلی میں قدم نہ رکھا۔“

بھوپال کے علاوہ مولانا محمد بشیر سہوانی نے مدرسہ علی جان دہلی اور سہوان میں بھی  
تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ تاہم مشہور تلامذہ یہ ہیں:  
مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی، مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلی، مولانا  
سید اقتدار احمد سہوانی اور مولانا محمد اسماعیل انصاری سہوانی۔

تصانیف:

مولانا محمد بشیر سہوانی کی ساری زندگی درس و تدریس میں گزری۔ تاہم تصنیف و تالیف

کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

① البرهان العجائب فی فرضیة ام الكتاب

② ایام السفر

③ القول المحمود فی رد جواز السود

④ رساله فی اثبات البیعتہ المروجه

⑤ صیانة الانسان عن وسوسة الشیخ دحلان (عربی)

⑥ رساله مختصرا لقول المحکم فی زیارة القبر الحبيب الاکرام

⑦ القول المنصور

⑧ اتمام الحجہ علی من اوجب الزیارة کالحجہ المعروف بہ السعی الشکور

⑨ الحق الصریح فی اثبات حیاة المسیح (أردو)

یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے جو مرزا قادیانی سے بمقام دہلی بعنوان ”حیات مسیح“ ہوا تھا۔

یہ مناظرہ کتابی شکل میں ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۳۰۹ھ میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا تھا۔ راقم نے اس کتاب کو مولانا عبدالمجید سوہدروی کے کتب خانہ میں بیٹھ کر مطالعہ کیا ہے۔ مولانا محمد بشیر سہوانی علم و فضل کے آفتاب تھے۔ آپ نے دہلی میں ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۹ جون ۱۹۰۸ء انتقال کیا اور اپنے استاد حضرت شیخ اکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کے پہلو میں شیدی پورہ کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔



## حافظ عبدالمنان وزیر آبادی

استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی بن شرف الدین ۱۲۶۷ھ میں قصبہ

کرولی تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ ۹ سال کی عمر میں نزول الماء کے عارضے سے مکفوف البصر ہو گئے۔ آپ نے حصول تعلیم کے سلسلہ میں گجرات کا ٹھیاوار، سورت، بمبئی اور بھوپال کے سفر کیے۔

آپ نے جن اساتذہ سے علوم آلیہ و عالیہ میں تعلیم حاصل کی ان کے نام یہ ہیں:  
مولوی برہان الدین ہتاروی، مولوی قل احمد چکوی، مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا عبدالجبار ناگپوری، مولانا محمد احسن حاجی پوری۔

حدیث کی تحصیل مولانا شیخ عبدالحق بناری اور مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے حاصل کی۔ دہلی میں حضرت میاں صاحب کے ہاں ان کے صاحبزادہ مولانا سید شریف حسین دہلوی آپ کے ہم سبق تھے۔

دہلی میں تکمیل کے بعد حضرت سید عبداللہ غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی خدمت میں دو سال رہ کر ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔

حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ:

”میری عمر ۲۰ سال کی تھی جب سید عبداللہ غزنوی نے مجھے امرتسر میں درس و تدریس کی مسند پر بٹھایا۔“

امرتسر سے آپ وزیر آباد تشریف لائے اور یہاں ایک دینی مدرسہ بنام ”دارالحدیث“ قائم کیا اور حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ آپ کی ساری زندگی درس و تدریس میں بسر ہوئی۔ آپ نے اپنی زندگی میں ۵۰ مرتبہ سے زیادہ صحاح ستہ کا درس دیا۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔

مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی لکھتے ہیں:

” لا اعلم حد فی تلامذہ السید نذیر حسین المحدث الدہلوی

اکثر تلامذہ منه قد ملاء پنجاب بتلامذہ کانه هو. حافظ الصحاح

فی هذه العصر“



”میں نے میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں میں کسی کے شاگرد ان سے زیادہ نہیں دیکھے۔ آپ نے پنجاب کو شاگردوں سے بھر دیا۔“

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس زمانے میں صحاح ستہ کے حافظ ہیں۔

حضرت حافظ صاحب کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

- |   |                                   |
|---|-----------------------------------|
| ① مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری    | ② مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی |
| ③ مولانا ابوالقاسم سیف بناری            | ④ مولانا فقیر اللہ مدرسی          |
| ⑤ مولانا قاضی ابو عبد اللہ محمد خانپوری | ⑥ مولانا عبد الحمید بوبدروی       |
| ⑦ مولانا عبد القادر لکھوی               | ⑧ مولانا محمد علی لکھوی مدنی      |
| ⑨ مولانا عبد القادر قلعوی               | ⑩ مولانا عبد العزیز قلعوی         |
| ⑪ مولانا حافظ محمد گوندلوی              | ⑫ مولانا محمد اسماعیل السلفی      |

۱۳۲۹ھ میں شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی نے آپ کو پنجاب

میں اپنا نائب بتاتے ہوئے ان کے سر پر اپنا عمامہ لپیٹا۔

حضرت حافظ صاحب ۱۳۱۹ھ میں حضرت الشیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے

ملاقات کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت میاں صاحب کی بینائی کچھ کمزور ہو

گئی تھی۔ حافظ صاحب السلام علیکم کہہ کر حضرت میاں صاحب کے سامنے بیٹھ گئے اور حضرت

میاں صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت مجھے پہچانا ہے؟ حضرت میاں صاحب نے

فرمایا:

”ہاں پہچان لیا ہے۔ تم عبد المنان وزیر آبادی ہو۔ تم نے اور عبد الجبار غزنوی اور

حافظ محمد لکھوی نے پنجاب میں توحید و سنت کی اشاعت و تبلیغ کر کے میرے دل کو

ٹھنڈک پہنچائی ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ وہ میری نجات کر دے

گا۔ میرا اگر تا عبد الجبار غزنوی لے گیا ہے اور یہ میری پگڑی ہے یہ تم لے لو۔“

حضرت حافظ صاحب نے میاں صاحب کی یہ پگڑی سنبھال کر رکھ لی اور آپ نے

وصیت کی تھی کہ یہ پگڑی میرے کفن میں استعمال کی جائے۔ چنانچہ یہ پگڑی آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے کفن میں استعمال ہوئی۔

علم و فضل کے اعتبار سے حافظ عبدالمنان بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ مولانا سید عبدالرحمن اُکھنی فرماتے ہیں:

”آپ کو لغت اور نحو پر کامل دستگاہ تھی۔ رجال کی جرح و تعدیل، ان کے طبقات اور تمام فنون حدیث پر کامل دسترس تھی۔ آپ کو احادیث میں عالی و نازلی اور صحیح و ضعیف کے علاوہ قرآن و حدیث کے متن بھی از بر تھے۔“

مولانا حافظ عبدالمنان نے ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۶ جولائی ۱۹۱۶ء وزیر آباد میں انتقال کیا۔ آپ کے سمدھی مولانا ابو عبداللہ عبید اللہ غلام حسن سیالکوٹی (اُستاد علامہ محمد اقبال) نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبرستان پرانی چونگی سیالکوٹ روڈ میں سپرد خاک کیے گئے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اس دن فرمایا کہ آج اس زمانہ کا ”امام بخاری“ اس دنیائے فانی سے چلا گیا ہے۔

## حافظ عبداللہ غازی پوری

مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری بلند پایہ عالم دین اور محدث تھے۔ جن کی ذات پر علم کو فخر اور عمل کو ناز تھا۔ تدریس ان کے دم سے زندہ تھی۔ جن کے بارے میں شیخ الکل حضرت مولانا محمد نذیر حسین محدث دہلوی فرمایا کرتے تھے:

”میرے درس میں دو عبداللہ آئے ہیں۔ ایک عبداللہ غزنوی اور دوسرے عبداللہ غازی پوری۔“

مولانا حافظ عبداللہ علوم اسلامیہ کے بحرِ خار تھے۔ تمام علوم میں ان کو یدِ طولیٰ اور

مہارت حاصل تھی۔ تفسیر، حدیث، اصول فقہ، لغت و ادب، تاریخ و سیر، اسماء لرجال، فلسفہ و منطق، کلام اور صرف و نحو میں ان کو مکمل دستگاہ تھی۔

علمی تبحر کے ساتھ زہد و تقویٰ سے بدرجہ کمال متصف تھے۔ بڑے عابد، زاہد، متقی اور پرہیزگار تھے۔ عبادت و ریاضت، امانت و دیانت، عدالت و ثقاہت اور حفظ و ضبط میں اعلیٰ مرتبہ و مقام پر فائز تھے۔ مولانا عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں کہ:

”آپ سربراہ اور دہ فقیہ تھے اور اس قدر تبحر علمی کے باوجود اور درس و تدریس میں

اس قدر مشغول ہونے کے باوصف وہ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔“

مولانا حافظ عبد اللہ بن عبد الرحیم بن دانیال ۱۲۶۱ھ میں مَسُو ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے بعد اپنے وطن میں مولوی محمد قاسم مسوی سے تعلیم کا آغاز کیا اور چند ہی کتابیں پڑھی تھیں کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ تحریک آزادی (انگریزوں نے اس کو غدر کا نام دیا) رونما ہوا۔ اس کی زد میں مَسُو بھی آ گیا۔ چنانچہ آپ کے والد عبد الرحیم صاحب مَسُو سے نقل مکانی کر کے غازی پور آ گئے۔

جب ذرا سکون ہوا تو آپ کو مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں داخل کر دیا گیا۔ یہاں آپ نے بانی مدرسہ چشمہ رحمت مولانا رحمت اللہ لکھنوی اور مولانا محمد فاروق چہ یا کوٹی سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ جون پور چلے گئے اور وہاں آپ نے مولانا محمد یوسف فرنگی محلی سے فقہ، اصول فقہ اور بقیہ نصاب کی کتابیں پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ جون پور سے آپ دہلی تشریف لائے اور شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل کی اور سند حاصل کی۔

۱۲۹۷ھ میں حافظ عبد اللہ غازی پوری حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے حج کی سعادت حاصل کی اور اس کے ساتھ علامہ شوکانی کے تلمیذ شیخ عباس یمنی سے حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔

حج سے واپسی کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور جس مدرسہ سے

آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا تھا یعنی مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور وہاں آپ مدرس مقرر ہوئے اور سات سال تک اس مدرسہ میں تدریس فرمائی۔ ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء آپ غازی پور سے مولانا حافظ ابراہیم آروی کے مدرسہ احمدیہ آ رہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے ۲۰ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں اور ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۶ء آپ نے مدرسہ احمدیہ آ رہتے ہی مدگی اختیار کر لی اور دہلی کو مسکن بنایا۔ دہلی میں آپ نے ۸ برس تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور سینکڑوں طلباء آپ سے مستفیض ہوئے۔

حافظ عبداللہ غازی پوری کی ساری زندگی تدریس میں بسر ہوئی۔

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

”مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری نے درس و تدریس کے ذریعہ بہت زیادہ خدمت کی اور کہا جاسکتا ہے کہ مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کے بعد درس کا اتنا بڑا حلقہ اور شاگردوں کا مجمع ان کے سوا کسی اور کو ان کے شاگردوں میں نہیں ملا۔“

حافظ صاحب کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محمد سعید محدث بنارس، مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری، مولانا عین الحق پھلواری، مولانا عبدالسلام مبارکپوری، مولانا عبدالرحمن بقا غازی پوری، مولانا عبدالمنان وفا غازی پوری، مولانا ابوالنعمان، عبدالرحمن آزاد منوی، مولانا ابوبکر محمد شیث جون پوری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی۔

مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- (۱) البحر المواج فی شرح مقدمة الصحيح المسلم الحجاج (عربی)
- (۲) علم غیب کا فتویٰ
- (۳) رکعات التراويح

- ۴ مسئلہ زکوٰۃ
- ۵ الحجۃ الساطعہ فی بیان البحرہ والسائبہ
- ۶ قانون مسجد
- ۷ فتویٰ مال زانیہ بعد توبہ
- ۸ ابراء اهل الحديث والقرآن لما فی جامع الشواهد من التهمتہ والبهتان
- ۹ جواب المجتہدین لرد المعتدین
- ۱۰ سیرۃ النبی ﷺ
- ۱۱ فصول احمدی (علم صرف میں)
- ۱۲ منطق
- ۱۳ تسبیل الفرائض (علم میراث میں)
- ۱۴ انحو (علم نحو میں)
- ۱۵ زکوٰۃ کا فتویٰ

حافظ صاحب دہلی میں تدریس پر مامور تھے کہ ان کے ایک عزیز لکھنؤ میں انتقال کر گئے اور اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گئے۔ آپ ان یتیم بچوں کی نگہداشت کے لیے دہلی سے لکھنؤ چلے گئے۔ بالآخر یہیں آپ کا پیمانہ عمر لبریز ہو گیا اور چند دن بیمار رہ کر ۱۳۲۷ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۱۸ء انتقال کیا اور عیش باغ کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔



## قاضی محمد سلیمان منصور پوری

مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری بن قاضی احمد شاہ ایک جلیل القدر سیرت نگار، منسّر، مؤرخ، مناظر، زاہد و عابد، متقی، پرہیزگار، محقق، دانشور، نقاد، مصنف، مقرر، شاکر،

متواضع، بااخلاق، باکردار، صاحب فہم و بصیرت، صاحب کمال و کرامات، وسیع المطالعہ، وسیع المعلومات اور وسیع العلم تھے۔

آپ کا مولد و مسکن ریاست پٹیالہ کا ایک قصبہ منصور پور تھا۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع تھی تو راقۃ و انجیل کے بھی مبصر عالم تھے۔ ریاست پٹیالہ میں سیشن جج کے عہد پر تعینات تھے۔ ان کی تمام ملازمت دیانت، تقویٰ اور عدل و انصاف کی منہ بولتی تصویر تھی۔ ان میں تعصب بالکل نہیں تھا۔ بڑے وسیع الظرف، حلیم الطبع اور شریف النفس انسان تھے۔

مذہب اسلام کے سچے شیدائی، توحید و سنت کے علمبردار اور شرک و بدعت کے قاطع تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کو مکمل دسترس تھی۔ بڑے حاضر جواب تھے۔ مسائل کی تحقیق میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری مرحوم لکھتے ہیں کہ:

”ایک دن مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کے ”المکتبۃ السلفیہ“ شیش محل روڈ لاہور میں مولانا عطاء اللہ مرحوم کی موجودگی میں میں نے غازی محمود دھرم پال کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کوئی مسلمان عالم میرے سامنے آنے کا یارا نہ رکھتا تھا۔ کوئی بڑی سے بڑی علمی شخصیت میرے سامنے دم نہ مار سکتی تھی، تمام علماء مجھ سے پٹ چکے تھے۔ لیکن ایک عالم کے اخلاق اور ایک کے اخلاص نے مجھے دوبارہ حلقہ بگوش اسلام بنایا اور میرا نام غازی محمود دھرم پال رکھا گیا۔ اس اجمال کی مختصراً تفصیل یہ ہے کہ میں لدھیانہ میں سخت بیمار ہو گیا۔ امرتسر سے شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ امرتسری میری عیادت کے لیے لدھیانہ پہنچے اور واپسی کے وقت نہایت خاموشی سے میرے تکیہ کے نیچے پانچ سو روپے رکھ گئے۔ میں نے اسلام کے بارے میں علمائے کرام کو ایک سوالنامہ بھیجا، ان میں علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری بھی شامل تھے، کسی نے مجھے جواب نہ دیا۔ قاضی محمد سلیمان کو جب یہ سوالات ملے تو پوری رات جاگ کر جوابات مکمل کیے۔ گھر والوں نے کہا کہ قاضی صاحب رات

کا وقت ہے، آرام فرمائیں! آپ نے فرمایا: یہ میرا بھائی دھرم پال میرا خط جانے سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کے مسلمان نہ ہونے کی ذمہ داری سب سے زیادہ مجھ پر عائد ہوگی۔ دوسرے دن قاضی صاحب کا مفصل جواب مجھے مل گیا۔ جس کی وجہ سے میں دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ ان کا جواب ”استقامت“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہی دو شخصیتیں ہیں جو مجھے دوبارہ اسلام کے دائرہ میں واپس لائیں۔“

مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری دو بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، دوسری بار آپ نے ۱۹۳۰ء میں حج کیا۔ قاضی صاحب شعر و سخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے۔ ایک بار آپ نے شعر میں پیش گوئی فرمائی:

تودہ خاک کو مت جانو ثربت میری  
میرا مرقد میرے احباب کے سینے ہوں گے

آپ کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ ۱۹۳۰ء میں جب آپ دوسری بار حج بیت اللہ سے واپس آ رہے تھے کہ جہاز میں آپ نے انتقال فرمایا۔ مولانا سید اسماعیل غزنوی بھی اسی جہاز سے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی لاش کو سمندری لہروں کے حوالہ کر دیا گیا۔ میرے ایک بزرگ حاجی عبدالکریم صاحب ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر بھی اسی جہاز سے بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر اسی جہاز سے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے کئی بار راقم کو یہ واقعہ سنایا ہے:

”میں نے بھی قاضی صاحب کا جنازہ پڑھا تھا، اور جب آپ کی نعش کو سمندری لہروں کے حوالہ کیا گیا تو بڑی بڑی مچھلیاں قریب آ کر واپس ہو جاتی تھیں۔ حالانکہ دوسرے کئی آدمی جہاز میں انتقال کر گئے۔ جب ان کی نعشوں کو سمندری لہروں کے حوالہ کیا جاتا تو مچھلیاں فوراً اس نعش کو نگل جاتیں۔ لیکن قاضی صاحب کی نعش کے قریب آ کر واپس ہو جاتیں۔ جہاں تک انسان کی نگاہ جاتی ہے ہم

نے دیکھا کہ مچھلیاں قریب آ کر واپس ہو جاتیں۔“

اور یہ سب کچھ ان کی کتاب ”رحمۃ للعالمین“ کے طفیل تھا کہ مچھلیوں نے سیرت نگار کا احترام کیا۔

مولانا قاضی محمد سلیمان جامع الکملات اور صاحب کرامات تھے۔ مولانا عظیم محمد عبداللہ آف منڈی جہانیاں لکھتے ہیں کہ:

”قاضی صاحب جب دوسری بار حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ میں قیام پذیر تھے اور ایک دن مسجد نبوی سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے اور مسجد نبوی کے امام صاحب بھی آپ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ جب قاضی صاحب جوتی پہننے لگے تو امام صاحب نے آپ کی جوتیاں سیدھی کیں۔ قاضی صاحب نے امام صاحب سے فرمایا: حضرت آپ کیا کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ امام صاحب نے جواب میں فرمایا کہ آپ کو اس بات کا علم نہیں کہ میں نے یہ کام کس کے حکم پر کیا ہے۔ آج رات مجھے آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی ہے اور آپ نے مجھے فرمایا: دیکھو! قاضی سلیمان میرا مہمان ہے، اس کی تکریم کرنا۔“

قاضی صاحب کے انتقال پر علامہ سید سلیمان ندوی نے ”معارف اعظم گڑھ“ میں لکھا: ”وہ مشرقی عالم و فاضل جس کی موت پر ہم کو ماتم کرنا ہے، وہ قاضی محمد سلیمان منصور پور سابق حج پیالہ اور سیرت کی مشہور کتاب ”رحمۃ للعالمین“ کے مصنف ہیں۔ وہ علم و عمل، زہد و تقویٰ، کمال اور فضل و ورع دونوں کے جامع تھے۔ روشن دل و دماغ تھے۔ ان کے جدید و قدیم خیالات حد اعتدال پر تھے۔ عربی زبان اور علوم دین کے تبحر عالم تھے۔ توراہ و انجیل پر فاضلانہ نگاہ رکھتے تھے۔ غیر مسلموں سے مناظرہ کے شائق تھے۔ مگر ان کے مناظرہ کا طرز سنجیدگی، متانت اور عالمانہ وقار کے ساتھ تھا۔ مسلک اہلحدیث تھے۔ مگر اماموں اور



مجتہدوں کی دل سے عزت اور ان کی محنتوں اور جانفشانیوں کی پوری قدر کرتے تھے۔“

قاضی صاحب نے حج بیت اللہ سے واپسی میں جہاز میں دم توڑا۔ آہ اس بحر ہستی میں خدا جانے کتنے جہاز ڈوبے اور ڈوبیں گے۔

دریں بحر کشتی فروشد ہزار  
کہ پیدا نہ شد تختہ برکنار

قاضی صاحب برصغیر کی ملی و قومی تحریکات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ندوۃ العلماء کے دیرینہ رکن تھے۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس سے بھی وابستہ رہے اور ۱۹۲۷ء کی سالانہ کانفرنس آگرہ میں آپ نے صدارت بھی فرمائی۔

انجمن اہلحدیث پنجاب سے بھی وابستہ رہے۔ ۱۹۲۸ء کے انتخابات میں آپ کو صدر منتخب کیا گیا۔ اور مولانا عبدالحمید سوہدروی ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے تھے۔

### تصانیف:

قاضی محمد سلیمان بہت عمدہ مصنف بھی تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- |    |                                      |    |                                 |
|----|--------------------------------------|----|---------------------------------|
| ۱  | الجمال والکمال (تفسیر سورۃ یوسف)     | ۲  | خصائص القرآن                    |
| ۳  | اسماء الحسنی                         | ۴  | مسح الجوارب                     |
| ۵  | معراج المؤمنین                       | ۶  | تبیان الاسلام                   |
| ۷  | خطبات سلمان                          | ۸  | اصحاب بدر                       |
| ۹  | سفر نامہ حجاز موسوم بہ سبیل الرشاد   | ۱۰ | ایک پادری کے آٹھ سوالوں کا جواب |
| ۱۱ | برہان                                | ۱۲ | استقامت                         |
| ۱۳ | انجیلوں میں خدا کا بیٹا              | ۱۴ | علمی و تبلیغی خطوط              |
| ۱۵ | قرآن، توراہ اور انجیل میں باہمی نسبت | ۱۶ | غایۃ المرام                     |

- ﴿۱۷﴾ تائید الاسلام  
 ﴿۱۸﴾ مکاتیب سلیمان  
 ﴿۱۹﴾ سید البشر  
 ﴿۲۰﴾ اسوۂ حسنہ  
 ﴿۲۱﴾ مہر نبوت  
 ﴿۲۲﴾ رحمۃ للعالمین (جلد ۳)  
 ﴿۲۳﴾ تاریخ المشاہیر

## احمد اللہ پرتاب گڑھی

مولانا احمد اللہ بن امیر اللہ بن فقیر اللہ علمائے فحول میں سے تھے۔ ان کی سازی زندگی درس و تدریس میں بسر ہوئی۔ آپ موضع مبارکپور ضلع پرتاب گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد امیر اللہ حضرت شاہ محمد یعقوب دہلوی اور مولانا سخاوت علی جون پوری سے فیض یافتہ تھے۔ مولانا احمد اللہ نے جن اساتذہ کرام سے علوم آلیہ و عالیہ میں استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں: میاں پیر محمد، سید محمد امین نصیر آبادی، مولانا ہدایت اللہ جون پوری، مولانا لطف الرحمن بردوانی، مولانا سلامت اللہ جے راج پوری، مولانا زین العابدین جون پوری، مولانا احمد سندھی، مولانا قاضی محمد ایوب بھوپالی، مولانا منیر الدین، مولانا محمد اسحاق، مولانا تल्प حسین بہاری، مولانا عبدالرشید لاہوری، مولانا نظام الدین، مولانا محمد بشیر سہوانی، شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی، علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی، [سند و اجازہ حدیث] شیخ محمد بن عبد اللطیف بن ابراہیم بن حسن نجدی، مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا قاضی محمد مچلی شہری۔

تکمیل تعلیم کے بعد اپنی زندگی تدریس کے لیے وقف کر دی اور مسلسل ۲۰ سال تک مدرسہ ملی جان دہلی میں تدریس فرماتے رہے۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قیام پر اس کے پہلے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور مدت تک آپ اس مدرسہ میں تدریس فرماتے رہے۔

ان کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔

مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولوی عبید اللہ بیغم پوری، مولوی عبید الرحمن بیغم پوری، مولوی عبدالرؤف مرشد آبادی، مولوی کبیر الدین ڈھاکہ، مولوی عطاء اللہ گورداسپوری، مولوی عبدالواجد عمر آباد مدراس، مولوی عبدالرؤف جھنڈانگری، مولوی عبید اللہ مبارکیوری۔

مولانا احمد اللہ جب دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں شیخ الحدیث تھے تو مدرسہ کے ماہنامہ ”محدث“ کے نگران بھی تھے۔ اس کے علاوہ اپنا ایک علیحدہ رسالہ ۱۹۲۲ء میں ”تبلیغ السنہ“ جاری کیا جو ایک سال کے بعد بند ہو گیا۔

### تصانیف:

مولانا احمد اللہ کی ساری زندگی درس و تدریس میں بسر ہوئی تاکہ تصنیف و تالیف سے بھی غافل نہیں رہے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① تخریج عسقلانی (اس کتاب میں ہدایہ کی احادیث پر جرح و تعدیل کی روشنی میں بحث کی ہے۔)

② القول المتین فی بیان التامین

③ برهان المہداة عن مسئلہ الزکاة

④ القول المختصر فی زکوة العشر

⑤ التأمل فی الرد علی رسالة التوسل بسید الرسل

⑥ تحفة تبت من اہل سنت

آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ مولانا محمد بشیر سہوانی نے مجدد مومن والی دہلی میں خلف الامام کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ آپ نے یہ تقریر کتابی شکل میں ”البرہان العجائب فی فرضیۃ ام الكتاب“ کے نام سے چھپوا دی۔

مولانا احمد اللہ نے ۱۳۶۳ھ میں انتقال کیا۔

## عبدالتواب ملتانی

مولانا عبدالتواب ملتانی بن مولانا قمر الدین ۱۳ جمادی الثانی ۱۲۸۸ھ کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل اپنے والد مولانا قمر الدین سے حاصل کی اور حدیث کی تحصیل شیخ اکل مولانا محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد ملتان میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے ساتھ ذریعہ معاش کے لیے اشاعت کتب کا مشغلہ اختیار کیا۔ کتابیں خود بھی چھپواتے اور اسلامی ممالک سے بھی منگواتے۔

کتب حدیث اور خاص کر امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور حافظ ابن ہر عسقلانی کی تالیفات سے آپ کو بہت زیادہ شغف تھا۔

مستحق طلباء کو مفت کتابیں فراہم کرتے تھے اور جو علماء کتابوں کی خریداری میں یک مشت رقم نہ دے سکتے تھے ان سے قسطوں میں وصول کرتے تھے اور کبھی آپ نے کتابوں کا حساب نہیں رکھا تھا۔ ہر خریدار پر بھروسہ کرتے تھے۔

مولانا عبدالتواب بڑے فاضل و عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سادہ مزاج، کم سخن، ملن سار، زہد و ورع کا پیکر، حلیم الطبع، شریف النفس، متواضع، بردبار اور متبع سنت تھے۔

آپ ایک جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی بیشتر تصانیف عربی میں ہیں۔ تفسیر، حدیث اور فقہ پر مکمل عبور تھا۔

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- ① ترجمہ اردو شرح بخاری (۸ پارے)
- ② ترجمہ حواشی بلوغ المرام من ادلت الاحکام (اردو)
- ③ تعلیق حاشیہ صحیح مسلم ابی الحسن سندھی (عربی)
- ④ حاشیہ تحفۃ الودود باحکام المولود (عربی)
- ⑤ تعلیق مشکوٰۃ المصابیح (عربی)

- ② تعلق المصنف ابن ابی شیبہ (عربی)
- ④ تعلق عون المعبود شرح ابی داؤد (عربی)
- ⑧ تعلق مختصر قیام اللیل مروزی (عربی)
- ⑨ نماز مترجم (اردو)
- ⑩ الحزب المقبول (اردو)
- ⑪ الحزب الاعظم (اردو)
- ⑫ مسند عمر بن عبدالعزیز الاموی (عربی)
- ⑬ شرح حدیث ما ذنبان جائعان (ابن رجب) عربی
- ⑬ تعلیقات و حواشی اشارات الی بیان اسماء السبہات
- ⑮ تعلیقات علی کتاب القبل والمعانقہ والمصافحہ لابن الاعرابی (عربی)
- ⑯ حاشیہ صرف بہائی
- ⑰ حاشیہ شرح مائتہ عامل
- ⑱ حواشی تفسیر عزیزی سورۃ مؤمنون

ان کے تلامذہ میں مولانا عزیز زبیدی مشہور عالم دین تھے اور انہوں نے شیخ بخاری کے عربی میں حواشی لکھے ہیں جو منڈی وار برٹن ضلع شیخوپورہ میں ہائی سکول عربی کے استاد تھے۔ اور لاہور میں وفات پائی۔

مولانا عبدالنواب نے ۹ رجب ۱۳۶۶ھ کو ملتان میں انتقال کیا۔

## ثناء اللہ امرتسری

شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری جیسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں کہیں پیدا ہوتی ہے۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات  
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

مولانا ثناء اللہ پوری ملت اسلامیہ کا مشترکہ سرمایہ تھے۔ وہ بیک وقت مخالفین اسلام کے چوٹے حملوں کا جواب دیتے تھے اور فضائے ہند و پاک پر عظمتِ اسلام اور وقارِ دین محمدی کا پرچم لہراتے تھے۔

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

”اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا، اس کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم، شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کر دی۔“  
(یادِ فرنگان)

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ بیک وقت مفسر، محدث اور مقرر تھے۔ دانشور بھی تھے اور نقاد بھی، صحافی بھی تھے اور مبصر بھی، متکلم بھی تھے اور معلم بھی، ادیب بھی تھے اور فنِ مناظرہ کے تو امام تھے۔ سیاسیات ہند میں ان کی خدمات آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمہ جہت خوبیوں سے نوازا تھا۔ توکل، زہد و ورع، حلم و صبر، تقویٰ و اتقا، دیانت و امانت، عدالت و ثقاہت، متانت و سنجیدگی، حق گوئی و بے باکی، حاضر جوابی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے دینی و مذہبی، قومی و ملی اور سیاسی خدمات انجام دیں۔ جن کو آنے والی نسلیں ہمیشہ یاد رکھیں گی۔

ہر گز نیرو آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

۱۴ویں صدی ہجری میں اسلامی تحریکات کی نشاۃ و ارتقاء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کا جو نمایاں کردار رہا ہے اور اسلام کے دفاع اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ناموس میں جس طرح سرگرم رہے اور دینِ خالص کی اشاعت، کتاب و سنت کی ترقی و ترویج، شرک و بدعت کی تردید و توثیح، ادیانِ باطلہ کا رد اور قومی و ملی اور سیاسی خدمات میں آپ کو جو کردار رہا ہے وہ

برصغیر کی اسلامی تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔

تاریخ الامجدیث کا ایک معتد بہ حصہ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کی ملی و علمی خدمات کا مومن منت ہے۔ آپ اپنے وقت کے کامیاب مصلح، ریفارمر، قادر الکلام مناظر ہونے کے علاوہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے عظیم راہنما تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پنجاب کو ایک عظیم مرد مجاہد عطا فرمایا کہ سرزمین سے ایک جھوٹے نبی کی سرکوبی کے لیے آپ کو پیدا فرمایا۔

### ابتدائی حالات:

مولانا ثناء اللہ جون ۱۸۶۸ء مطابق ۷ جولائی ۱۲۷۷ھ کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خضر جو تھا۔ سات سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ مولانا کے بڑے بھائی کا نام ابراہیم تھا۔ انہوں نے رفوگری پر لگا دیا۔ چودہ سال کے ہوئے کہ والدہ نے بھی انتقال کیا۔ اسی سال مولانا ثناء اللہ کو پڑھنے کا شوق ہوا اور مولانا احمد اللہ رئیس امرتسر کے مدرسہ تائید الاسلام میں داخل ہو گئے اور درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

### وزیر آباد میں تحصیل علم:

ان دنوں وزیر آباد میں استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کا درس جاری تھا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسر سے وزیر آباد پہنچے اور استاد پنجاب سے تفسیر، حدیث فقہ اور دوسرے علوم میں تحصیل کی۔

### وزیر آباد سے دہلی:

وزیر آباد سے مولانا ثناء اللہ تکمیل تعلیم کے بعد دہلی حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استاد کی سند دکھا کر آپ سے اجازت تدریس حاصل کی۔

### دہلی سے سہارنپور اور دیوبند:

دہلی سے مولانا ثناء اللہ سہارن پور مدرسہ مظاہر العلوم میں پہنچے۔ اس مدرسہ میں کچھ

عرصہ قیام کے بعد دیوبند تشریف لے گئے۔ دیوبند میں آپ نے مولانا محمود الحسن (اسیر مالکا) سے علوم عقلیہ و نقلیہ اور فقہ و حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

دیوبند سے کان پور:

دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا ثناء اللہ کان پور مدرسہ فیض عام میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے شیخ الحدیث مولانا احمد حسن کان پوری سے علم معقول و منقول کے علاوہ حدیث میں استفادہ کیا۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم لکھتے ہیں:

”پنجاب میں مولانا حافظ عبدالمنان مرحوم (اہلحدیث مشرب) میرے شیخ الحدیث تھے۔ دیوبند میں مولانا محمود الحسن اور کان پور میں مولانا احمد حسن استاد العلوم و الحدیث میرے شیخ الحدیث تھے۔ (مولانا محمود حسن دیوبند مسلک تھے اور مولانا احمد حسن کان پوری بریلوی مشرب تھے) اس لیے میں نے حدیث کے تینوں استادوں سے جو تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف تھا۔“

فراغت کے بعد:

کان پور سے فراغت تعلیم کے بعد مولانا ثناء اللہ اپنے وطن امرتسر واپس آئے اور مدرسہ تائید الاسلام میں جہاں سے آپ نے تعلیم کا آغاز کیا تھا درس و تدریس پر مامور ہوئے۔ ان دنوں پنجاب میں اسلام کی مخالفت میں تین گروہ سرگرم عمل تھے۔ عیسائی، آریہ اور قادیانی۔ مولانا ثناء اللہ نے درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑا اور تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔

تصانیف کی پہلی شاخ (رد عیسائیت):

اس وقت عیسائی پادری اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف کتابیں لکھ کر شائع کر رہے تھے۔ مولانا نے سب سے پہلے پادری ٹھا کر دت کی کتاب ”عدم ضرورت قرآن“ کے



جواب میں ”تقابل ثلاثہ“ (تورات، انجیل اور قرآن کا مقابلہ) لکھی۔ اس کے علاوہ مولانا امرتسری نے دوسری کتاب ”جوابات نصاریٰ“ لکھی۔ اس کے بعد عیسائیوں کی طرف سے تین کتابیں شائع ہوئیں، جن کے نام یہ تھے:

① عالمگیر مذہب اسلام یا مسیحیت؟

② دین فطرت اسلام یا مسیحیت؟

③ اصول البیان فی توضیح القرآن

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے ان تینوں کتابوں کے جواب میں ”اسلام اور مسیحیت“ لکھی۔ اس کتاب کی اہل علم اور اہل قلم نے بہت تعریف کی اور مولانا امرتسری کو خراج تحسین پیش کیا۔

تصانیف کی دوسری شاخ (تردید آریہ):

آریہ سماج نے بھی ملک میں انتشار پھیلا رکھا تھا۔ آئے دن اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف دل آزار کتابیں شائع کرتے رہتے تھے۔ آریہ سماج کے سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ”ستیا رتھ پرکاش“ کا اردو ترجمہ شائع کیا جس کے چودھویں باب میں قرآن مجید پر ۱۱۵۹ اعتراضات کیے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اس کے جواب میں ”حق پرکاش“ لکھی اور تمام اعتراضات کے مدلل جوابات دیے۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن پروفیسر عبدالجبار شاکر کے ایک فاضلانہ مقدمے کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

اس کے بعد ایک مسلم عبدالغفور مرتد ہو گیا اور آریہ مذہب اختیار کیا اور اپنا نام ”دھرم پال“ رکھا۔ اس نے اپنا مذہب اسلام چھوڑنے پر ”ترک اسلام“ کتاب لکھی۔ اس کتاب کے شائع ہونے پر مسلمانوں میں بڑی بے چینی پھیلی۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اس کے جواب میں ”ترک اسلام“ لکھی۔ اور اس کتاب کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو قلبی راحت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد دھرم پال نے ”تہذیب الاسلام“ کے نام سے چار جلدوں میں ایک کتاب لکھی۔ مولانا ثناء اللہ نے اس کتاب کا جواب ”تغلیب الاسلام“ کے نام سے چار جلدوں میں دیا۔ اس کے بعد دھرم پال نے ایک اور کتاب ”نخل اسلام“ کے نام سے لکھی۔ مولانا امرتسری نے اس کا جواب ”تبر اسلام“ کے نام سے دیا۔ اس کے بعد دھرم پال نے

چپ سادھ لی تا آنکہ ایک وقت آیا کہ دھرم پال دوبارہ اسلام میں ”غازی محمد دھرم پال“ کے نام سے واپس آ گیا۔

ایک آریہ مبلغ نے ایک کتاب شائع کی جس کا نام تھا ”کتاب اللہ وید ہے یا قرآن“ مولانا ثناء اللہ نے اس کے جواب میں ”کتاب الرحمن“ لکھی۔ اس کے بعد آریوں نے ”رنگیلا رسول“ کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ جس میں رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر ناپاک حملے کیے تھے۔ جس کی وجہ سے مسلمان پریشان ہو گئے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اس ناپاک کتاب کے جواب میں ”مقدس رسول“ لکھی۔ اس کتاب کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو قلبی راحت نصیب ہوئی اور برصغیر کے تمام مسلک کے علمائے کرام نے مولانا ثناء اللہ کو خراج تحسین پیش کیا۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم اپنی اس کتاب کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

تصانیف کی تیسری شاخ (ردّ قادیانیت):

قادیانی فتنہ کے خلاف علمائے اہلحدیث میں سب سے پہلے مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم نے آواز اٹھائی۔ مرزا قادیانی سے مناظرے و مباحثے کیے اور جب تک زندہ رہے اس دجال کو اتنا زچ کیا کہ اس دجال نے مولانا بٹالوی مرحوم کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کر دی۔ مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ نے برصغیر پاک و ہند کے تمام مسالک کے علمائے کرام سے مرزا قادیانی کے خلاف پہلا فتویٰ کفر حاصل کر کے شائع کیا کہ مرزا قادیانی اور اس کے پیروکار دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے یہ فتویٰ اپنے استاد شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے حکم پر برصغیر کے علمائے اسلام سے حاصل کر کے شائع کیا اور یہ فتویٰ دجال قادیانی کی وفات (۱۹۰۸ء) سے کئی سال قبل شائع ہوا تھا۔ اس نے ایوان مرزائیت پر ایک زلزلہ برپا کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ فتویٰ ایک تو تمام برصغیر پاک و ہند کے علماء کا متفقہ فتویٰ تھا، جس سے قادیانیوں کو سب سے پہلے یہ احساس ہوا کہ اب ان کا رشتہ امت محمدیہ سے بالکل منقطع ہو گیا اور عوام کو گمراہ کرنے کے لیے انہوں نے اسلام کا جو ظاہری لبادہ اوڑھا ہوا ہے وہ جامہ

نفاق اب چاک ہو گیا ہے اور ان کے دام ہم رنگ زمین کی حقیقت آشکار ہو گئی ہے۔

یہ فتویٰ دوسری بار مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے ۱۹۸۷ء میں اپنے اشاعتی ادارہ ”دار الدعوة السلفیہ“ شیش محل روڈ لاہور کے زیر اہتمام شائع کیا۔

مولانا محمد حسین بٹالوی کے انتقال کے بعد اس فرقہ کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ نے مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری کو پیدا فرمایا۔ آپ نے اس فرقہ اور اس کے بانی دجال قادیانی کو اتنا تنگ اور زچ کیا کہ دجال نے ۱۵ اپریل ۱۹۱۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا:

”مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ“

اس اشتہار میں دجال نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ

”مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت تنگ کیا ہے اور میں تیری جناب میں دعا گو ہوں

کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے، وہ سچے کی زندگی میں کسی وبائی بیماری میں ہناک ہو

جائے۔“

کوئی خاص وقت تھا، جب یہ دعا مرزا قادیانی کے منہ اور قلم سے نکلی اور قبول ہو گئی۔

چنانچہ مرزا قادیانی اپنے اس اشتہار کے ایک سال ایک ماہ اور بارہ دن بعد لاہور میں اپنے

میزبان کے بیت الخلا میں دم توڑ گیا اور مولانا ثناء اللہ نے مرزا قادیانی سے ۴۰ سال بعد

۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں رحلت فرمائی۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے قادیانی تحریک کے خلاف تحریری و تقریری جو خدمات انجام

دیں، برصغیر کی اسلامی تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

مولانا ظفر علی خان مرحوم نے آپ کے قادیانی فتنہ کے خلاف خدمات پر فرمایا تھا:

خدا سمجھائے اس ظالم ثناء اللہ کو جس نے

نہ چھوڑا قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے قادیانی فتنہ کے خلاف جو قابل قدر خدمات انجام دیں، برصغیر

کے تمام مسالک کے علمائے کرام نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا حبیب الرحمن مرحوم مہتمم

دارالعلوم دیوبند نے ایک مجلس میں مولانا ثناء اللہ مرحوم سے فرمایا تھا کہ ہم لوگ تیس سال تک محنت کریں تو بھی قادیانی فتنہ کے بارے میں اتنی معلومات اور واقفیت حاصل نہیں کر سکتے جتنی معلومات اور واقفیت مولانا ثناء اللہ صاحب کو ہے۔

تصانیف کی چوتھی شاخ (تفسیر نویسی):

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے قرآن مجید کی خدمت میں جو قابل قدر خدمات انجام دی ہیں، وہ ان کا عظیم کارنامہ ہے۔ مولانا امرتسری نے عربی اور اردو میں تفسیریں لکھیں۔ مولانا امرتسری کے دور میں حسب ذیل فتنے نمایاں تھے:

۱۔ سرسید اور اوران کے رفقاء کی نیچریت (جو معجزات قرآنی اور احادیث نبوی کے انکار کی تحریک تھی)

۲۔ عیسائی مشنریوں کی خلاف اسلام سرگرمیاں

۳۔ آریہ سماج کی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف ناروا قسم کی کتابیں شائع کرنے کی مہم

۴۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی جعلی اور خود ساختہ نبوت

۵۔ متقدمین احناف کا فقہی جمود پر اصرار اور تحریک احیاء عمل بالحدیث کے خلاف ان کی جارحانہ مساعی

۶۔ شیعہ علماء کی طرف سے اصحاب ثلاثہ خصوصاً اور عام صحابہ کرامؓ کے بارے میں توہین آمیز لٹریچر کی اشاعت

ان سب محاذوں پر مولانا ثناء اللہ مرحوم نے بیک وقت جو چوکھی جنگ لڑی، اللہ تعالیٰ نے ان کو تحریر و انشاء کا سلیقہ، قوت استدلال کا جوہر اور نقد و تحقیق کا خوب ملکہ عطا کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے تفسیر ثنائی اردو میں اپنے علمی جوہر اور نقد و تحقیق کے موتی بکھیرے۔ چنانچہ آپ کے قلم نے:

• رد نیچریت پر بھرپور علمی وار کیا۔

عیسائیت کی بھی خوب تردید کی۔

آریہ سماج کی بھی خوب خبر لی۔

اہل تقلید پر علمی تنقید کی اور ان کے غلط نظریات کا قلع قمع کیا۔

فتنہ قادیانیت کو بھی آڑے ہاتھوں لیا اور مرزا قادیانی کی نبوت کا ذبحہ کا اہتصال کیا۔

شیعہ حضرات کے خیالات اور ان کے افکار کی بھی علم و تحقیق کی روشنی میں تردید کی ہے۔

تفسیر ثنائی کے بعد عربی زبان میں ”تفسیر القرآن بکلام الرحمن“ لکھی۔ جیسا کہ نام سے

ظاہر ہے۔ مولانا نے اس میں آیات کی تفسیر آیات ہی سے کی ہے۔ قرآن کے مشکل الفاظ و

عبارات کو قرآن ہی سے حل کرنے کی کوشش کی۔ بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ یہ غالباً اسلام

میں پہلی تفسیر ہے جو اس اصول پر لکھی گئی ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔

تیسری تفسیر عربی میں ”بیان الفرقان علی علم البیان“ لکھنی شروع کی جس کی صرف پہلی

جلد سورہ فاتحہ و سورہ بقرہ تک شائع ہوئی۔

چوتھی تفسیر مولانا نے تفسیر بالرأے (اُردو) لکھی۔ اس تفسیر میں مولانا ثناء اللہ امرتسری

نے تفاسیر و تراجم قرآن قادیانی، چکڑالوی، بریلوی، شیعہ وغیرہ کی اغلاط کی نشاندہی کی اور

اس کے ساتھ ان کی اصلاح بھی کی۔ اس تفسیر کی بھی صرف ایک جلد شائع ہوئی۔

### ثنائی اخبارات:

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے مختلف ادوار میں تین اخبارات جاری کی۔ جن کے نام یہ ہیں:

① ماہنامہ مسلمان، ② ہفت روزہ اہلحدیث، ③ ماہنامہ مرقع قادیانی

### جریدہ مسلمان:

۱۹۰۰ء کے لگ بھگ مولانا امرتسری نے جریدہ ”مسلمان“ جاری کیا۔ یہ جریدہ عامۃ

المسلمین کے مفاد و نفع کے لیے شائع کیا گیا۔ اس میں غیر مذاہب کے اسلام پر اعتراضات کا

خاص اہتمام سے جواب دیا جاتا تھا اور اس میں تمام مضامین مولانا امرتسری کے اپنے ہی لکھے

ہوتے تھے۔ بعد میں اس جریدہ کو ہفتہ وار کر دیا اور یہ اخبار ۱۹۱۴ء تک جاری رہا۔

## اخبار الہمدیث:

ہفت روزہ الہمدیث مولانا ثناء اللہ نے ۱۳ نومبر ۱۹۰۳ء کو جاری کیا اور یہ اخبار مسلسل چوالیس سال تک جاری رہا۔ اس کا آخری شمارہ ۳ اگست ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا۔ اس اخبار نے اسلام کی اشاعت اور ادیان باطلہ کی تردید میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس اخبار کے صفحہ اول پر یہ شعر لکھا جاتا تھا:

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن  
پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن

## مرقع قادیانی:

یہ ماہوار رسالہ قادیانی دجال مرزا غلام احمد اور اس کے اُمت ضالہ کی تردید میں شائع ہوتا تھا۔ اس رسالہ میں تمام مضامین قادیانیوں کے خلاف شائع ہوتے تھے۔ یہ رسالہ پہلے ۱۹۰۷ء میں جاری ہوا اور بعد میں بند ہو گیا۔ دوبارہ ۱۹۳۲ء میں جاری کیا گیا اور ۱۹۳۴ء تک جاری رہا۔

بعد میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اخبار مسلمان اور مرقع قادیانی کو اخبار الہمدیث میں مدغم کر دیا اور مولانا نے اخبار الہمدیث کو دین مقدس اور مسلمانوں کو مذہبی و ملی خدایات کا ذریعہ بنا لیا۔

## مناظرات و مباحثات:

انگریزی دور کی آخری نصف صدی برصغیر پاک و ہند کی مذہبی دنیا میں بہت زیادہ ہنگامہ نیز رہی ہے۔ اس دور میں عیسائی، آریہ اور قادیانی مبلغین ملک میں دندناتے پھرتے تھے اور سادہ لوح مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے میں کوشاں تھے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ نے ان تمام گروہوں کے مبلغین کو دعوت مبارزت دی اور ان سے تحریری و تقریری مناظرے کیے اور اسلام کی حقانیت ثابت کی اور سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے چنگل سے چھڑایا۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے عیسائیوں، آریوں، قادیانیوں، نیچریوں، شیعوں، منکرین حدیث اور تقلیدیان احناف (بریلوی، دیوبندی) سے تحریری و تقریری مناظرے کیے۔ اگر ان کی تفصیل بیان کی جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ یہاں صرف ان چند مناظروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

### برہان القرآن:

یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولوی احمد الدین (منکر حدیث) کے مابین ”حجیت حدیث“ میں ہوا تھا۔ (طبع اول ۱۹۳۳ء مطبع وزیر ہند امرتسری صفحات ص: ۱۸)

### حجیت حدیث اور اتباع الرسول:

یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولوی احمد الدین امرتسری (منکر حدیث) کے مابین ۱۹۲۹ء میں ہوا تھا۔ مولوی احمد دین کا کہنا تھا کہ ”نبی کو اصل مطاع بما تحت حکم خدا ماننا شرک ہے“ اور مولانا امرتسری کا کہنا ہے کہ ”نبی کا اصل مطاع بما تحت حکم خدا ماننا اپنا اور مسلمانان دنیا کا ایمان ہے۔“ (طبع اول امرتسری: ۱۹۱۹ء)

### تنقید تقلید:

یہ کتاب اس مناظرہ پر مشتمل ہے جو مولانا ثناء اللہ اور مولانا مرتضیٰ حسن دیوبندی کے مابین مسئلہ ”وجوب تقلید شخصی“ پر ہوا تھا۔ (طبع اول ۱۹۳۶ء مطبع ثنائی برقی پریس امرتسر صفحات: ۲۴)

### رکوب السفینہ فی مناظرۃ النکینہ:

یہ کتاب اس مناظرہ پر مشتمل ہے جو مولانا ثناء اللہ اور ماسٹر آتمارام (آریہ) کے مابین ۱۹۰۳ء تا ۱۳ جون ۱۹۰۳ء بمقام نمینہ ضلع بجنور ہوتا رہا۔ (طبع اول ۱۹۰۳ء مطبع اہلحدیث امرتسر، صفحات: ۲۰۴)

### حدوث دنیا:

یہ کتاب اس مباحثہ پر مشتمل ہے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور لالہ وزیر چند ایڈیٹر ”رسالہ آریہ مسافر ہر دوار“ کے مابین ہوا تھا۔ اس میں تلوین عالم اور اس کے قدیم و حادث ہونے پر مفصل بحث ہے۔ (طبع اول ۱۹۰۴ء مطبع اہلحدیث امرتسر، صفحات: ۴۲)

### مناظرہ جبل پور:

یہ کتاب اس مباحثہ پر مشتمل ہے جو مولانا ثناء اللہ اور مہاشہ دھرم بیرجی آگرہ نواسی کے مابین ۲۱ مئی تا ۲۲ جون ۱۹۱۵ء بمقام جبل پور بعنوان ”توحید فی الصفات الروح و مادہ حادث ہے یا قدیم؟“ (طبع اول ۱۹۱۵ء مطبع راجپوت پرنٹنگ لاہور۔ صفحات: ۵۲)

### مناظرہ تحصیل دیواریا اہل اسلام و دیانتندی آریہ:

یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا ثناء اللہ اور پنڈت درشنانند عرف کریارام گلرانوی کے مابین مورخہ ۱۶ سے ۳۱ اگست ۱۹۰۳ء تک ہوتا رہا۔ موضوع مناظرہ یہ تھا کہ وید اور قرآن میں کون الہامی ہے؟ (مطبع مجبائی لکھنؤ، صفحات: ۲۹۴)

### فتح اسلام یعنی مناظرہ خورجہ:

یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مہاشہ شانتی سراب اور بابورام چندردہلوی کے مابین ۱۹ مارچ تا ۲۱ مارچ ۱۹۱۷ء بمقام خورجہ ضلع بلند شہر ہوا۔ یہ مناظرہ اس موضوع پر ہوا تھا ”مذہب حق کی تعریف اور اس کے معیار پر بحث“ (طبع اول ۱۹۱۸ء مطبع الیکٹرک امرتسر، صفحات: ۶۶)

### مباشہ ناہن:

یہ رسالہ اسی مباحثہ پر مشتمل ہے جو بمقام ناہن مابین مولانا امرتسری اور پنڈت بھوجت آریہ مسافر ہوا تھا۔ موضوع مناظرہ یہ تھا کہ ”فران مجیہ الہامی ہے یا وید؟“ اس رسالہ میں سوال و جواب کے عنوان سے فریقین کے دلائل موجود ہیں۔ (مطبع اکبری آگرہ،



فاتح قادیان:

یہ رسالہ اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور منشی قاسم علی قادیانی کے مابین بمقام لدھیانہ ۷ اربتا ۲۱ اپریل بعنوان مرزا قادیانی کا اشتہار ”مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ“ پر ہوا تھا۔ مولانا امرتسری نے اس مناظرہ میں = ۳۰۰ روپے کی انعامی رقم حاصل کی اور اس مناظرہ کی روداد ”فاتح قادیان“ کے نام سے کتابی صورت میں شائع کی اور لوگوں میں مفت تقسیم کی۔ (طبع اول ۱۹۱۲ء مطبع اہلحدیث امرتسر، صفحات: ۷۰)

فتح ربانی درمباحثہ قادیانی:

یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا ثناء اللہ اور قادیانی علماء مولوی فضل دین وکیل اور مولوی شیخ احمد دین کے مابین سکندر آباد حیدرآباد دکن میں ۱۹۲۳ء میں ہوا تھا۔ (طبع اول ۱۹۲۳ء مطبع اہلحدیث امرتسر، صفحات: ۲۳)

مناظرہ وزیر آباد:

۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء بروز اتوار وزیر آباد میں ایک معرکہ خیز مناظرہ مابین قادیانی مبلغ پروفیسر سلیم اور مولانا ثناء اللہ امرتسری ہوا تھا۔ اس مناظرہ کا موضوع ”صداقت مرزا“ تھا۔ مگر بعد میں اشتہار مرزا کی طرف پھیر دیا گیا۔ اس مناظرہ کی روداد پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم مرحوم بیان کرتے تھے۔ حکیم صاحب مرحوم نے فرمایا کہ:

”صداقت مرزا کے موضوع پر مناظرہ شروع ہوا اور قادیانی مبلغ نے صداقت مرزا کے دفاع کی بھرپور کوشش کی، مگر وہ شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ مرحوم کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ آخر مناظرہ کا رخ اشتہار مرزا کی طرف پھیر دیا گیا۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے فرمایا: مسیح موعود کی مدت قیام چالیس سال مرزا صاحب بتاتے ہیں مگر خود اٹھارہ سال بعد اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ لہذا مرزا صاحب اپنے دعویٰ

کے مطابق جھوٹے ٹھہرے۔ مولانا کی ضرب اتنی شدید تھی کہ قادیانی مناظرہ بوکھلا گیا۔ اثنائے مناظرہ میں مولانا ثناء اللہ حسب معمول اشعار بھی چست کرتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے یہ شعر پڑھا: ؕ

عجب مزا ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوہ  
وہ منتوں سے کہیں کہ چپ رہو خدا کے لیے

اس پر قادیانیوں نے اودھم مچا دی کہ یہ شعر مناسب نہیں، اور اس معاملہ کو اس قدر طول دیا کہ مولانا ظفر علی خان جو اس مناظرہ میں موجود تھے ان کو حکم تسلیم کیا گیا۔ مولانا ظفر علی خان نے فرمایا کہ:

اس شعر میں کوئی لفظ فحش نہیں، بلکہ اس کا مطلب واضح ہے کہ قیامت کے روز جب محشر کا میدان لگے گا اور مولانا ثناء اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر فریاد کریں گے کہ اے اللہ! مرزا قادیانی سے پوچھ کہ اس نے مسلمانوں میں کیوں تفرقہ پیدا کر دیا اور مرزا صاحب مولانا ثناء اللہ کی غتیں کریں گے کہ آپ یہاں خاموش رہیں، کیوں مجھے ذلیل و رسوا کر رہے ہیں۔ مولانا ظفر علی خان کی اس تشریح نے مجمع میں ایک دلولہ و سرور پیدا کر دیا۔ قادیانی مناظر چونکہ نو عمر تھا اس لیے مولانا ثناء اللہ مرحوم اس پر بھی ایک شعر چست کیے بغیر نہ رہ سکے۔

فرمایا: ؕ

کچھ جوانی ہے ابھی، کچھ ہے لڑکپن ان کا

دو جفا کاروں کے قبضہ میں ہے جو بن ان کا

اس شعر کا طرفین پر جو اثر پڑ سکتا ہے، بیان کرنے کی ضرورت نہیں، یہ مناظرہ بڑا اثر انگیز تھا۔ اس مناظرہ کے بارے میں مولوی ابوالحمود ہدایت اللہ سوہدروی نے اخبار اہلحدیث امرتسر میں لکھا کہ:

”ہمارا یقین ہے کہ اس قسم کے دو تین مناظرے مختلف مقامات پر ہو جائیں تو

پنجاب سے قادیانیت کا بیج اُکھڑ جائے۔“

## جماعتی خدمات:

دسمبر ۱۹۰۶ء میں آره (بہار) میں جماعت اہلحدیث کا ایک جلسہ ہوا۔ جس میں برصغیر (پاک و ہند) کے بہت سے علمائے کرام نے شرکت کی۔ اسی اجلاس میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی تشکیل کی گئی۔ اس کے پہلے صدر مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری اور ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ امرتسری کو منتخب کیا گیا تھا اور اس کا مرکزی دفتر دہلی میں قائم کیا گیا تھا۔ کانفرنس کے تعارف اور اس کے منظم اور فعال بنانے کے لیے پورے برصغیر کا دورہ کرنے کے لیے جو وفد ترتیب دیا گیا تھا، وہ مندرجہ ذیل تین حضرات پر مشتمل تھا:

① مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، ② مولانا ثناء اللہ امرتسری، ③ مولانا محمد ابراہیم

سیالکوٹی۔

۱۹۲۰ء میں انجمن اہلحدیث پنجاب کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے پہلے صدر مولانا عبدالقادر قصوری اور ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ امرتسری کو بنایا گیا تھا۔ آپ پنجاب اہلحدیث کانفرنس کے ناظم اعلیٰ ۱۹۲۸ء تک رہے۔ ۱۹۲۸ء میں جماعت اہلحدیث کے انتخابات ہوئے تو مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری کو صدر اور مولانا عبدالمجید سوہدردی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔

## ندوة العلماء لکھنؤ سے تعلق:

۱۸۹۲ء میں مولانا ثناء اللہ مدرسہ فیض عام کان پور سے فارغ ہوئے اور اسی سال مولانا سید محمد علی مونگیری، مولانا لطف اللہ علی گڑھ، مولانا شبلی نعمانی وغیرہ نے ندوة العلماء کے قیام کے سلسلہ میں کان پور میں علمائے کرام کا ایک اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری شامل تھے اور حاضرین علماء میں سب سے کم عمر تھے۔ مولانا ثناء اللہ ندوہ کی اصلاح کمیٹی کے رکن تھے اور ۱۹۳۷ء تک آپ ندوہ کی مجلس تالیسی کے رکن رہے۔ ۱۹۱۳ء میں شیخ الملک حکیم محمد اجمل خان کی دعوت پر ندوہ کو جو اجلاس دہلی میں منعقد ہوا تھا، اس میں ہندوستان کے ہر حصہ کے نمائندے شریک تھے۔ مولانا شبلی کی تحریک پر مولانا ثناء اللہ امرتسری صدر اجلاس قرار پائے تھے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک

مختلف مکاتب فکر کے تمام علمائے کرام کو کس درجہ ان پر اعتماد حاصل تھا، اور ایسے جلسوں میں ان کی شرکت کس قدر ضروری سمجھی جاتی تھی۔ ۱۹۱۳ء میں ندوۃ العلماء کے طلباء نے اسٹرائیک کر دی، جس سے پورے ملک میں ایک ہیجان سا پیدا ہو گیا۔ مسلمان زعماء اس سے بہت پریشان ہوئے۔ حکیم اجمل خان اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ نے اس میں دلچسپی لی اور کوشش کی کہ یہ اسٹرائیک ختم کرائی جائے، چنانچہ حکیم اجمل خان نے اس سلسلہ میں مسلمان زعماء کو دہلی میں اکٹھا کیا۔ ۱۰ مئی ۱۹۱۳ء کو مولانا ثناء اللہ امرتسری کی صدارت میں مسلمان زعماء کا ایک اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان، خواجہ غلام الثقلین، حکیم اجمل خان، مولانا ابوالکلام آزاد، ہرزا حیرت دہلوی، سید جالب دہلوی اور مولانا عبدالوہاب بہاری وغیرہ نے شرکت کی اور اس اجلاس میں ایک سب کمیٹی بنائی گئی جو دستور العمل بنائے جس میں کسی کو بلا مشورہ اپنی رائے سے کارروائی کا موقع نہ ملے۔ دستور بنانے کے لیے پیر زادہ محمد حسین پنشنر جج دہلی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ سب کمیٹی کے ارکان یہ تھے:

حکیم محمد اجمل خان، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ثناء اللہ امرتسری، خواجہ غلام الثقلین، نواب علی حسن خان بن مولانا سید نواب صدیق حسن خان، حکیم عبدالولی لکھنؤ اور پیر زادہ محمد حسین نے تین دن میں دستور العمل بنا کر کمیٹی کے سپرد کر دیا۔

### مجلس خلافت:

۱۹۱۹ء میں مجلس خلافت قائم ہوئی اور اس کا پہلا ابتدائی جلسہ لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں برصغیر پاک و ہند کے تمام اکابر و مشاہیر علماء شریک ہوئے تھے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی تھی اور کارکنان مجلس خلافت کو اپنے قیمتی مشوروں سے بھی نوازا تھا۔

### جمعیتہ العلماء ہند:

۱۹۱۹ء میں جمعیتہ العلماء کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بانیوں میں مولانا عبدالباری فرنگی خلی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا کفایت

اللہ، مولانا آزاد سبجانی، مولانا عبد الماجد بدایونی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ جمیۃ العلماء ہند کا پہلا اجلاس مولانا ثناء اللہ کی تحریک پر ۲۱ دسمبر ۱۹۱۹ء کو مسلم ہائی سکول امرتسر میں مولانا عبدالباری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں جمیۃ العلماء ہند کی مجلس منتظمہ کا انتخاب کیا گیا جس کی تعداد ۲۳ تھی۔ ۲۳ ارکان میں سات علمائے اہلحدیث شامل تھے، جن کے نام یہ ہیں:

۱) مولانا محمد فاخرالہ آبادی، ۲) مولانا سلامت اللہ جیرا جپوری، ۳) مولانا محمد اکرم خان، ۴) مولانا منیر الزمان خان، ۵) مولانا ثناء اللہ امرتسری، ۶) مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، ۷) مولانا سید محمد داؤد غزنوی۔

### قومی و ملی خدمات:

دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے صدر مجلس استقبالیہ مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ آپ نے ایک جامع علمی اور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔

### ہجرت:

۱۲ اگست ۱۹۲۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری ۱۳ اگست ۱۹۲۷ء کو ہجرت کر کے لاہور تشریف لائے اور ملک کی آزادی میں اپنے اکلوتے بیٹے مولوی عطاء اللہ کی قربانی دے کر لاہور تشریف لائے۔ لاہور میں کچھ دن قیام کے بعد گوجرانوالہ مولانا محمد اسماعیل السلفی مرحوم کے ہاں ٹھہرے اور جنوری ۱۹۲۸ء میں گوجرانوالہ سے سرگودھا تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کو شائی برقی پریس کے عوض ایک پریس الاٹ ہوا تھا۔

### وفات:

بیٹے کی شہادت اور قیمتی کتب خانہ کی بربادی سے آپ بہت نڈھال ہو گئے تھے اور ان خدمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳ فروری ۱۹۲۸ء کو آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور سوا مہینہ بعد

۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو صبح علوم اسلامیہ کا درختاں آفتاب سرگودھا کی سرزمین میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ﴾

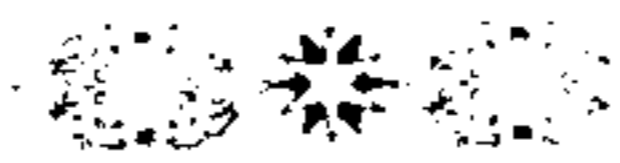
### تصانیف:

مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم نے مختلف موضوعات پر جو کتابیں تصنیف فرمائیں، ان کی مکمل فہرست مندرجہ ذیل ہے:

- (۱) ترجمہ قرآن مجید معروف بہ ثنائی ترجمہ، (۲) بارہ سورہ شریفہ ترجمہ ثنائی،
- (۳) قرآنی قاعدہ ثنائیہ، (۴) تفسیر ثنائی (۸ جلد)، (۵) برہان التفاسیر برائے اصلاح سلطان التفاسیر، (۶) مقدمہ تفسیر آیات متشابہات، (۷) تفسیر بالرائے (جلد اول)،
- (۸) بطش قدیر بردقادیانی تفسیر کبیر، (۹) تفسیر سورہ یوسف اور تحریف بائبل، (۱۰) تشریح القرآن، (۱۱) تفسیر القرآن بکلام الرحمن، (۱۲) بیان الفرقان علی علم البیان (عربی)،
- (۱۳) منہ ثنائیہ یعنی صد احادیث، (۱۴) اربعین ثنائیہ، (۱۵) خصائل النبی ﷺ،
- (۱۶) تعلیم القرآن، (۱۷) عزت کی زندگی، (۱۸) علم غیب کا مسئلہ، (۱۹) شمع توحید،
- (۲۱) فاتحہ خلف الامام، (۲۲) آمین و رفع الیدین، (۲۳) رہبر حجاج، (۲۴) حیات مسنونہ، (۲۵) اسلام کیا چاہتا ہے؟، (۲۶) ہدایۃ الزوجین، (۲۷) رسوم اسلامیہ،
- (۲۸) معقولات حنفیہ، (۲۹) فیصلہ آرہ، (۳۰) فتاویٰ ثنائیہ، (۳۱) اہلحدیث کا مذہب،
- (۳۲) تہذیب، (۳۳) السلام علیکم، (۳۴) شریعت اور طریقت، (۳۵) الکلام المبین فی جواب الاربعین، (۳۶) فصل قضیۃ الاخوان علی ید السلطان (یعنی امرتسری اور غزنوی نزاع کا فیصلہ)، (۳۷) تقابل ثلاثہ، (۳۸) تغلیب اسلام (۳ جلد)، (۳۹) اہلہامی کتاب،
- (۴۰) القرآن العظیم، (۴۱) قرآن اور دیگر کتب، (۴۲) حق پرکاش بجواب ستیارتھ پرکاش، (۴۳) کتاب الرحمن (جلد اول)، (۴۴) دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن،
- (۴۵) حدیث نبوی اور تقلید شخصی، (۴۶) برہان القرآن، (۴۷) حجیت حدیث اور اتباع

رسول، (۴۸) خاکسار تحریک اور اس کا بانی، (۴۹) دفاع عن الحدیث، (۵۰) برہان الحدیث باحسن الحدیث، (۵۱) بیان الحق بجواب بلاغ الحق، (۵۲) تصدیق الحدیث، (۵۳) صلوة المؤمنین بجواب رسالہ صلوة المرسلین، (۵۴) تعلیم الابرار علی تعلیم الجبار، (۵۵) وفاة النبی بجواب حیات النبی ﷺ، (۵۶) وہابیت پر بہتان، (۵۷) اہلحدیث کی امانت بجواب وہابیوں کی امامت، (۵۸) تکذیب المفکرین، (۵۹) فقہ اور فقہیہ، (۶۰) تقلید شخصی و سلفی، (۶۱) اصلی حقیقت اور تقلید شخصی، (۶۲) اجتهاد و تقلید، (۶۳) علم الفقہ (جلد اول)، (۶۴) تنقید تقلید، (۶۵) تقلید شخصی، (۶۶) قلعة شکن بجواب باطل شکن، (۶۷) اللوامع الالیہ علی الصواعق الالہیہ، (۶۸) خطاب بہ مودودی، (۶۹) دکھے دل کی داستان، (۷۰) مظالم روپڑی بر مظلوم امرتسری، (۷۱) رسالہ تا فہم مصنف، (۷۲) مقاصد نمازیں بجواب عقائد نمازیں، (۷۳) اقتدائے اہلحدیث، (۷۴) ہدایہ اور تقویۃ الایمان، (۷۵) کم علم مصنف، (۷۶) خلافت محمدیہ، (۷۷) خلافت و رسالت، (۷۸) خطبہ صدارت اہلحدیث کانفرنس ۲۸ تا ۳۰ دسمبر ۱۹۳۳ء (بہار)، (۷۹) اسلامی تاریخ، (۸۰) سوانح امام بخاری، (۸۱) اسلام اور اہلحدیث، (۸۲) التعریفات الخویہ لاقادہ طلبۃ العربیہ (عربی)، (۸۳) ادب العرب (عربی)، (۸۴) کلمہ طیبہ، (۸۵) جوابات نصاریٰ، (۸۶) توحید، تثلیث اور راہ نجات، (۸۷) اسلام اور مسیحیت، (۸۸) اسلام اور پالیسی، (۸۹) اسلام اور برٹش لاء، (۹۰) مناظرہ الہ آباد، (۹۱) حدوث دید، (۹۲) رکوب السفینہ فی مناظرہ التکلیف، (۹۳) حدوث دنیا، (۹۴) الہام، (۹۵) شادی بیوگان اور نیوگ، (۹۶) ترک اسلام، (۹۷) بحث تنازع، (۹۸) سوامی دیانند جی کا علم و عقل، (۹۹) تہ اسلام، (۱۰۰) مناظرہ جبل پور، (۱۰۱) محمد رشی، (۱۰۲) مقایس رسول صلی اللہ علیہ وسلم، (۱۰۳) نکاح آریہ، (۱۰۴) تحریف آریہ، (۱۰۵) اصول آریہ، (۱۰۶) ہندوستان کے دور یفارمر، (۱۰۷) جہاد دید، (۱۰۸) نماز اربعہ، (۱۰۹) مناظرہ دیو ریاما بین اہل اسلام و دیانندی آریہ، (۱۱۰) فتح اسلام یعنی مناظرہ خورجہ، (۱۱۱) آریوں کے

علمائے اسلام سے ۲۵ سوالات کے فوری جوابات، (۱۱۲) مباحثہ تائین، (۱۱۳) اظہار حق، (۱۱۴) مرتع دیانتدی، (۱۱۵) رجم الشیاطین بجواب اساطین الاولین، (۱۱۶) مجموعہ رسائل متعلقہ بہ دید و قرآن، (۱۱۷) ایشور بھگتی، (۱۱۸) الہامات مرزا، (۱۱۹) صحیفہ محبوبیہ، (۱۲۰) شہادت مرزا، (۱۲۱) فاتح قادیان، (۱۲۲) عقائد مرزا، (۱۲۳) پیستان مرزا، (۱۲۴) مرتع قادیانی، (۱۲۵) زار قادیان، (۱۲۶) تاریخ مرزا، (۱۲۷) نکات مرزا، (۱۲۸) محمد قادیانی، (۱۲۹) فیصلہ مرزا، (۱۳۰) ناقابل مصنف مرزا، (۱۳۱) بہاء اللہ اور مرزا، (۱۳۲) علم کلام مرزا، (۱۳۳) عجائبات مرزا، (۱۳۴) اباطیل مرزا، (۱۳۵) تحفہ احمدیہ، (۱۳۶) مکالمہ احمدیہ، (۱۳۷) لیکچر ام اور مرزا، (۱۳۸) مراق مرزا، (۱۳۹) نکاح مرزا، (۱۴۰) فتح ربانی در مباحثہ قادیانی، (۱۴۱) فتح نکاح مرزائیاں، (۱۴۲) شاہ انگلستان اور مرزا قادیانی، (۱۴۳) تعلیمات مرزا، (۱۴۴) ہفتوات مرزا، (۱۴۵) ثنائی پاکٹ بک، (۱۴۶) آفتہ اللہ، (۱۴۷) قادیانی مباحثہ دکن، (۱۴۸) عشرہ کاملہ، (۱۴۹) تفسیر نویسی کا چیلنج اور فرار، (۱۵۰) قادیانی نبی کی تحریر فیصلہ کن ہے یا میرا حلف؟، (۱۵۰) فتوحات اہلحدیث، (۱۵۲) مسئلہ حجاز پر نظر، (۱۵۳) سلطان ابن سعود علی برادران اور موتمر، (۱۵۴) التحفہ النجدیہ، (۱۵۵) فقہ دراصل قرآن ہے، (۱۵۶) تفسیر بالروایۃ، (۱۵۷) کلمۃ الحق بجواب شرعہ الحق، (۱۵۸) پیر جماعت علی شاہ کی قیادت، (۱۵۹) الفوز العظیم، (۱۶۰) ضرورت مسیح، (۱۶۱) عید میلاد کی شرعی حیثیت، (۱۶۲) مباحثہ گوشت خوری، (۱۶۳) کتاب روح، (۱۶۴) آریہ دھرم کا فوٹو، (۱۶۵) حدود مادہ، (۱۶۶) ثبوت قربانی گاؤ، (۱۶۷) وید کا بھید، (۱۶۸) وید اور سوامی دیانند، (۱۶۹) شدھی توڑ، (۱۷۰) ابدی نجات، (۱۷۱) ویدک ایشور کی حقیقت، (۱۷۲) اخبار مسلمان، (۱۷۳) ہندو، آریہ اور مولانا ثناء اللہ، (۱۷۴) عید میلاد کی شرعی حیثیت۔





## ابوالکلام آزاد

عمر ہادر کعبہ بت خانہ می نالد حیات

تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ سرآمد روزگار حکیم تھے۔ امراض ملت کے ماہر طبیب تھے۔ علوم قدیم و جدید کی جامع ہستی تھے۔ دنیائے اسلام کے جید عالم تھے۔ وہ فلسفیانہ فکر اور مجتہدانہ دماغ کے حامل تھے۔ جنگ آزادی کے عظیم راہنما تھے۔ استقامت کے پہاڑ تھے۔ عفو و حلم کے پیکر تھے۔ مختلف علوم و فنون کے امام تھے، مجتہد تھے، دانائے راز تھے، مفسر قرآن تھے، محدث تھے، مؤرخ و محقق تھے، جادو بیان مقرر تھے، شعلہ نوا خطیب تھے، مخلص و بے لوث زعیم تھے۔ ذہانت و ذکاوت، فہم و فراست، فکر و تیز برکی گہرائی، دیدہ وری اور نکتہ رسی میں ان کا کوئی معاصر نہ تھا۔ وہ ہندو پاک کے مسلمہ امام تھے۔ علوم اسلامیہ کا بحر ذخار تھے اور علم و فضل کے اعتبار سے اپنے دور میں ان کا کوئی ہم پائہ نہ تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: ؎

جہان اجتہاد میں سلف کی راہ گم ہو گئی

ہے تجھ کو اس میں جستجو تو پوچھ ابو الکلام سے

مولانا ابوالکلام سیاست میں ہی عبقری نہ تھے، علم میں بھی کامل اور فلسفہ و کلام کے بادشاہ تھے۔ خطابت میں جلال و جمال کی حسین آمیزش، طرز نگارش و الہانہ بھی اور عالمانہ بھی، اس میں نقل بھی اور عقل بھی اور نظم و نثر میں بے مثل، مولانا حسرت موہانی نے سچ فرمایا تھا: ؎

جب سے دیکھی ابو الکلام کی نثر

نظم حسرت میں کچھ مزا نہ رہا

مولانا ابوالکلام آزاد جیسی جلیل القدر اور نادرہ روزگار ہستی اور عہد آفرین شخصیتیں مدتوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ جو افکار و تصورات کی دنیا اور قوموں و ملتوں کی زندگی میں انقلاب

پیدا کر دیتی ہیں اور تاریخ کا نیا دور شروع کرتی ہیں اور تعمیر و ترقی کی ہر راہ میں اپنے نقش قدم راہنمائی کے لیے چھوڑ جاتی ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا نام محی الدین احمد تھا۔ تاریخی نام ”فیروز بخت“ ہے۔

۱۷ اگست ۱۸۸۸ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں گزرا۔ چودہ سال کی عمر میں جامعہ ازہر مصر سے مشرقی علوم کا نصاب پڑھا۔ اور اس میں اس قدر استعداد پیدا کر لی کہ آپ کا شمار ان طلباء میں ہونے لگا کہ جن کو اب اسناد کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی ادبی زندگی کا آغاز پندرہ سال کی عمر میں ہوا۔ ۲۰ نومبر ۱۹۰۳ء میں ”لسان الصدق“ کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا۔ مولانا حالی کی نظر سے جب یہ رسالہ گزرا تو انہوں نے اس کی بہت تعریف کی۔ ”لسان الصدق“ مئی ۱۹۰۵ء تک جاری رہا۔ ۱۹۰۵ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کی پہلی ملاقات بمبئی میں مولانا شبلی سے ہوئی اور ان کی تحریک پر اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے آرگن ”الندوۃ“ کے سب ایڈیٹر ہوئے۔ مارچ ۱۹۰۶ء میں الندوہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپریل ۱۹۰۶ء میں سہ روزہ وکیل امرتسر سے وابستہ ہو گئے اور نومبر ۱۹۰۶ء میں ”وکیل“ امرتسر سے بھی علیحدگی اختیار کر لی اور کلکتہ واپس آ گئے۔ اگست ۱۹۰۷ء میں دوبارہ اخبار ”وکیل“ امرتسر سے وابستہ ہوئے اور ایک سال بعد اگست ۱۹۰۸ء میں ”وکیل“ امرتسر سے استعفا دے کر واپس کلکتہ چلے آئے۔

### الہلال کا اجراء:

۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو اپنا ہفت روزہ اخبار ”الہلال“ کلکتہ سے جاری کیا۔ ”الہلال“ مختلف حیثیتوں سے اس وقت آزاد صحافت میں ایک نیا اور درخشاں باب تھا۔ ”الہلال“ صحیح معنوں میں ہماری سیاسی، صحافتی اور ادبی تاریخ میں سنگ میل ثابت ہوا۔ یہ ہندوستان میں اپنی طرز کا واحد اخبار تھا جو اپنی ترتیب و لوازمہ کے لحاظ سے اس وقت کے انگریزی اخبارات سے لگا کھاتا تھا۔ ”الہلال“ نے اہل علم و قلم کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ اس کی مقبولیت اور شہرت

وعظمت کا سہرا مولانا ابوالکلام آزاد کی تابغہ روزگار شخصیت کے سر ہے۔ مشہور الحمدیث عالم اور محقق مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم و مغفور لکھتے ہیں:

”الہلال“ کے مقالات کے ذریعہ آپ نے قدیم علماء کو جو ۱۸۵۷ء کے بعد عام طور پر تدریس و تبلیغ ہی کے ہو کر رہ گئے تھے، پھر سے سیاست کے میدان میں لا کھڑا کر دیا۔ ان کو محسوس کرادیا کہ سیاست بھی مذہب ہی کا ایک اہم حصہ ہے اور اصحاب سیاست جدید کو بتلایا کہ اصلاً سیاست وہی ہے جو قرآن و حدیث اور خلافت راشدہ کی راہنمائی میں ہو۔“ (ماہنامہ، ریحق مارچ ۱۹۵۸ء)

”الہلال“ عصری صحافت میں محض ایک اور اخبار کا اضافہ نہ تھا بلکہ درحقیقت وہ اپنی ذات میں ایک مستقل علمی و ادبی تحریک تھا۔ جس نے طوفان حوادث میں اسلامیان عالم اور بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کی ناخدائی کا فریضہ انجام دیا۔

”الہلال“ محض ایک اخبار نہیں دراصل ایک صور قیامت تھا جس کی ”صدائے رعد آسائے غفلت شکن“ نے مردہ دلوں میں ایک نئی جان ڈال دی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ”الہلال“ کے ذریعہ کلمہ حق بلند کیا اور جرأت و حق گوئی و راست بازی کی وہ مثال قائم کی جو ہماری صحافت کی تاریخ میں بالکل نئی ہے۔ انہوں نے قرآن کی معرفت اور تفسیری ترجمہ سے اسلام کی سچی تعلیم کے احیاء کی کوشش کی۔

مولانا عطاء اللہ حنیف لکھتے ہیں کہ:

”سر سید کی جو فکری گمراہیاں ”تہذیب الاخلاق“ اور تفسیر قرآن کی ججہ سے انگریزی تعلیم یافتگان میں رواج پارہی تھیں، اور ان سے ان کے ذہن مسموم ہو رہے تھے، الہلال نے ان کے اثرات زائل کرنے میں بڑا کام کیا۔ اسلامی معاشرت اور تفسیر صحیح کی طرف ان کی راہنمائی کی۔“ (ماہنامہ، ریحق مارچ ۱۹۵۸ء)

”الہلال“ نے بڑے بڑے کہنہ مشق سیاستدانوں کے مذہبی و سیاسی افکار میں زبردست تبدیلی پیدا کی اور ہندوستانی مسلمانوں کے معتقدات میں ایک عظیم انقلاب پیدا

کیا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

”یہ اخبار مسلمانان ہند کی انقلابی سیاست کا آئینہ دار تھا۔ مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے ملکی اور بین الاقوامی امور کی آزاد ترجمانی کا شرف اس کو حاصل تھا۔ چنانچہ ترکی کے جدید انقلاب، طرابلس اور بلقان کی لڑائیوں کے واقعات اور پھر جنگ عظیم میں ترکی کی حکمت عملی کے متعلق ”الہلال“ میں طویل بحثیں موجود ہیں۔“

اسی طرح ملکی سیاست میں مسلم لیگ اور کانگریس کے جھگڑے، حقوق و مراعات کے قصے اور انگریزوں کے ”پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو“ کی تشریحیں بھی الہلال کے اوراق میں پھیلی ہوئی ہیں۔ تعلیمی معاملات میں ندوہ اور علی گڑھ کی سرگرمیاں اور ان میں سرکار پرستوں کی سیاہ کاریاں بھی الہلال نے اچھی طرح واضح کی ہیں۔ (ابوالکلام آزاد مرتبہ عبداللہ بٹ ص: ۹۲)

۱۶ نومبر ۱۹۱۳ء کو ”الہلال“ حکومت کی طرف سے دس ہزار کی ضمانت جمع نہ کرانے پر بند ہو گیا۔ ۱۳ نومبر ۱۹۱۵ء کو مولانا آزاد نے ”البلاغ“ جاری کیا جو اپریل ۱۹۱۶ء تک جاری رہا۔ اپریل ۱۹۱۶ء کو حکومت بنگال نے آپ کو صوبہ بدر کر دیا۔ ۱۰ جون ۱۹۲۷ء کو ”الہلال“ دوبارہ جاری ہوا اور ۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کو ہمینہ کے لیے بند ہو گیا۔

### علمی کارنامے:

مولانا ابوالکلام آزاد علم و فضل کے اعتبار سے اپنے وقت کے ابن تیمیہ تھے۔ ان کا سب سے عظیم کارنامہ ”ترجمان القرآن“ ہے جو مولانا کی تفسیر ہے۔ اس کو تفسیر کی بجائے ترجمہ و حواشی کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ آپ کے بعض حواشی ان کی مفسرانہ بصیرت کے آئینہ دار ہیں۔ مولانا عطاء اللہ حنیف لکھتے ہیں کہ:

”ترجمان القرآن“ مولانا کی بہترین تفسیری یادگار ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا

ہے کہ قرآن حکیم سے آپ کو کس قدر شغف تھا اور کہ قحط علم کے اس دور میں کیسی قرآنی بصیرت آپ کو ودیعت فرمائی گئی تھی۔ تاہم یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ عصری نظریات سے غالباً غیر شعوری تاثر کی وجہ سے اس میں ”الہلان“ اور ”تذکرہ“ جیسا معیار قائم نہ رہ سکا۔“ (ماہنامہ، رسیق مارچ ۱۹۵۸ء)

مولانا ابوالکلام آزاد کا عظیم شاہکار سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ اس میں مولانا کی ادبیت اور خطابت عروج پر ہے اور بلاشبہ یہ مولانا کا عظیم شاہکار ہے۔ مولانا ابوالکلام نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں اللہ کی ربوبیت، اس کی رحمت اور اس کی ہدایت پر جو بحثیں کی ہیں، اس کے مطالعہ سے مولانا آزاد کے علمی تبحر، وسعت مطالعہ اور ذوق تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے۔

ترجمان القرآن سورہ المؤمنون تک دو جلدوں میں لکھی گئی، اس کی پہلی جلد ستمبر ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی جو سورہ فاتحہ تا سورہ انعام پر مشتمل ہے۔ اور دوسری جلد اپریل ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی جو سورہ اعراف تا سورہ مومنون پر محیط ہے۔

ترجمان القرآن کی تیسری جلد جو بارہ پاروں پر مشتمل تھی، اس بارے میں مختلف آراء ہیں کہ آیا لکھی گئی یا نہیں لکھی گئی۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”مولانا آزاد کی اس تفسیر کے اب ۱۸ پارے شائع ہوئے ہیں، ۱۲ پارے، باقی رہ گئے، ان کی داستان یہ ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں اور میں بھی ان کے اندر شامل ہوں کہ مولانا آزاد نے بتلایا تھا کہ انہوں نے ان پاروں کی تفسیر مکمل کر لی ہے اور میں نے یہ بات خود اپنے کانوں سے سنی ہے۔ لیکن وہ شائع نہیں ہوئی اور اب تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں ہے؟ مولانا آزاد کا ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو انتقال ہوا تھا اور یہ سانحہ تین دن کے ”کوما“ (بے ہوشی) کے بعد ہوا تھا۔ مولانا کے یہ تین دن جو ”کوما“ میں گزرے، تو ان میں ان کی کوٹھی میں مختلف لوگ آتے جاتے رہے۔ ان کے سامان وغیرہ کوٹھولتے اور دیکھتے رہے، تو اندیشہ یہ ہے کہ

بعض لوگوں نے مولانا کے بہت سے مسودات کو غائب کر دیا جن میں آخری بارہ پاروں کی تفسیر بھی شامل تھی، چونکہ مولانا خود فرما چکے تھے کہ انہوں نے اس کی تکمیل کر لی ہے۔ ”واللہ اعلم (مولانا ابوالکلام آزاد ص: ۶۰)

مولانا ابوالکلام آزاد کی تصانیف کا ایک خاص مقام و مرتبہ ہے۔ علمی حلقوں میں مولانا کی تصانیف کو غیر معمولی فضیلت حاصل ہے۔ مولانا کی تمام تصانیف زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں۔ بیشتر کتابوں کے مسودات جب مولانا آزاد جیل یا ترائے کے لیے تشریف لے جاتے تو پولیس گھر سے اٹھا لے جاتی۔ اس طرح بہت سی کتابوں کے مسودات ضائع ہو گئے، یہاں آپ کی چند مشہور کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

### ☆ تذکرہ:

یہ آپ کی شاہکار تصنیف ہے اور اردو ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب ایک طرف علمی نکات، مذہبی اشارات، تاریخی بصائر اور اخلاق و حکم کا گنجینہ ہے اور دوسری طرف بداعت اسلوب اور لطافت بیان کا خزینہ ہے۔ پہلی بار اپریل ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی۔

### ☆ مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب:

یہ بنگال خلافت کانفرنس، منعقدہ کلکتہ فروری ۱۹۲۰ء کا خطبہ صدارت ہے۔ اگرچہ ایک خاص نقطہ نظر کے تحت لکھی گئی ہے، تاہم تحقیقات نادرہ پر مشتمل ہے۔

### ☆ قول فیصل:

۱۹۲۱ء کے مقدمے میں مولانا کا انقلاب آفریں تحریری بیان ہے۔

### ☆ جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد:

مولانا کا یہ علمی مقالہ پہلے رسالہ معارف اعظم گڑھ کے مئی اور جون ۱۹۱۹ء کے دو شماروں میں شائع ہوا۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ غیر مسلموں کے مساجد میں داخل ہونے کا کیا حکم ہے۔

## ☆ غبارِ خاطر:

(احمد نگر جیل میں مولانا کے مکاتیب مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے نام) ادبی اعتبار سے اردو ادب میں منفرد کتاب ہے۔ ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کا بہترین ایڈیشن مالک رام نے مرتب کر کے شائع کیا۔ ایک مستند روایت کے مطابق مالک رام نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا اور عبدالمالک نام اختیار کیا۔

## ☆ کاروانِ خیال:

مولانا کے مکاتیب کا مجموعہ جو ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔

## ☆ انڈیا ونز فریڈم (India Wins Freedom):

اس کتاب کے بارے میں مولانا غلام رسول مہر مرحوم لکھتے ہیں کہ ”انڈیا ونز فریڈم“ مولانا کی تصانیف میں محسوب ہے مگر بصورت موجودہ صرف مطالب کے اعتبار سے اس کی یہ حیثیت تسلیم کی جاسکتی ہے نہ کہ اسلوب بیان کے اعتبار سے۔ بہ الفاظ دیگر اسے ”تصنیف“ نہیں ملفوظات قرار دیا جاسکتا ہے۔

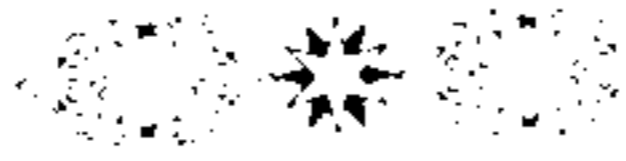
## ☆ سیاسی خدمات:

مولانا ابوالکلام آزاد سیاست میں عبقری تھے۔ آل انڈیا کانگریس میں شامل ہوئے اور اپنی پوری زندگی اسی جماعت کے ساتھ وابستہ رہے۔ کانگریس میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ کانگریس کے کئی سالانہ جلسوں کی صدارت فرمائی۔ ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۶ء کانگریس کے صدر رہے۔ ۱۹۳۵ء میں شملہ کانفرنس میں شامل تھے۔ ۱۹۳۷ء میں جب عبوبی حکومت کی تشکیل ہوئی تو اس میں کانگریس کی طرف سے وزیرِ تعلیم مقرر ہوئے۔ اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جب ہندوستان آزاد ہوا تو اس کی پہلی حکومت میں وزیرِ تعلیم مقرر ہوئے اور اس کے ساتھ ڈپٹی پارلیمانی لیڈر بھی بنا دیے گئے۔

## وفات:

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو بروز ہفتہ دہلی میں انتقال کیا اور جامع مسجد لال قلعہ کے درمیان پریڈگراؤنڈ میں سپرد خاک کیے گئے۔

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ط ﴾



## محمد ابراہیم سیالکوٹی

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مفسر قرآن، مناظر، خطیب اور معلم و متکلم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و وجاہت دونوں سے نوازا تھا۔ علم و فضل اور تحقیق و مطالعہ میں درجہ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ برصغیر (پاک و ہند) میں ایک دور تھا کہ تین جلیل القدر علماء اہل حدیث اپنے علم و فضل، جلالت شان، ذوق مطالعہ، وسعت معلومات، تحریر و تقریر میں صاحب کمال اور فن مناظرہ میں امام تسلیم کیے جاتے تھے اور وہ یہ تھے:

① مولانا ثناء اللہ امرتسری (وفات ۱۹۴۸ء)

② مولانا ابوالقاسم سیف بناری (وفات ۱۹۴۹ء)

③ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی (وفات ۱۹۵۶ء)

مولانا محمد ابراہیم کثیر المطالعہ عالم تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اصول، تاریخ و سیر، ادب و لغت، فلسفہ اور تقابل ادیان وغیرہ سے متعلق ان کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ برصغیر میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف ہر اٹھنے والے فتنے کے خلاف تحریری و تقریری جہاد کیا۔ تفسیر قرآن میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔

مولانا محمد ابراہیم کا حافظہ بہت قوی تھا۔ قدرت کی طرف سے بڑا چھادل و دماغ لے کر



پیدا ہوئے تھے۔ ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔ عربی و فارسی کی بلند پایہ کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ بلند پایہ عالم اور مناظر ہونے کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ اور عالمی سیاست پر بھی ان کی معلومات بہت وسیع تھیں۔ برصغیر (پاک و ہند) کی تمام قومی و ملی اور سیاسی و غیر سیاسی تحریکات سے مکمل واقفیت تھی اور ہر تحریک کے قیام اور پس منظر سے واقف تھے۔ بلکہ ہر تحریک کے بارے میں اپنی ایک مدبرانہ رائے رکھتے تھے۔

۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ سے وابستہ ہوئے اور اپنے انتقال (۱۹۵۶ء تک) 'مسلم لیگ سے ہی وابستہ رہے۔ ۱۹۳۰ء کے اجلاس الہ آباد میں شریک ہوئے اور ۱۹۴۰ء کے اجلاس لاہور میں بھی شرکت کی۔ تحریک پاکستان کی تائید کے سلسلہ میں پورے برصغیر کا دورہ کیا اور مسلمانوں کو تحریک پاکستان سے روشناس کرایا اور تحریک پاکستان کی حمایت میں بے شمار مضامین روزنامہ نوائے وقت لاہور میں لکھے۔ یہی مضامین بعد میں "پیغام ہدایت" اور "تائید مسلم لیگ" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

مولانا محمد ابراہیم شروع ہی سے دو قومی نظریہ کے حامی تھے اور دو قومی نظریہ کی حمایت میں مضامین بھی لکھے اور تقاریر بھی کیں اور واضح الفاظ میں اس کا پرچار کیا کہ مسلمانوں کی بقا اسی میں ہے کہ وہ اپنا ایک علیحدہ خطہ برصغیر میں بنائیں۔ مولانا محمد ابراہیم نے تحریر و تقریر دونوں طرح سے مسلم لیگ کی تنظیم اور قیام پاکستان کے لیے جدوجہد کی۔

جب جمعیت العلماء ہند نے قیام پاکستان کی مخالفت کی اور دو قومی نظریہ کی بجائے متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا تو مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مل کر جمعیت علماء اسلام کے نام سے ایک جماعت بنائی اور اس جماعت کی تشکیل کا مقصد قیام پاکستان کی معاونت تھا۔ جمعیت علماء اسلام کا پہلا تالیسی جلسہ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں ہوا اور اس کی صدارت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے کی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی ناسازی طبع کے سبب شریک نہ ہو سکے۔ اس اجلاس میں قیام پاکستان کے حامی علماء نے کثرت سے شرکت کی۔ مولانا محمد ابراہیم نے "تمدن و معاشرت اسلامیہ" کے موضوع پر صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں

کتاب و سنت کی روشنی میں آزاد و خود مختار مملکت کے قیام کے لیے پاکستان کو اسلامیان ہند کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، دینی اور ملی ضرورت قرار دیا اور اس کے ساتھ ہندو ذہنیت کا پوسٹ مارٹم کیا اور گاندھی جی کے تعصب اور اس کے کردار کو بھی بے نقاب کیا۔ مولانا سیالکوٹی کا یہ خطبہ کلکتہ کے ”عصر جدید“ کی اشاعت نومبر ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔ بعد میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے کتابی صورت میں چھاپ کر وسیع پیمانے پر تقسیم کیا۔

مولانا ابوالقاسم بنارس کا شمار ممتاز علمائے اہلحدیث میں ہوتا ہے جو سیاسی اعتبار سے کانگریس سے وابستہ تھے۔ انہوں نے قیام پاکستان کے سلسلہ میں دو قومی نظریہ کے بجائے متحدہ قومیت کی حمایت کی اور اس سلسلہ میں ایک مضمون اخبار میں شائع کرایا۔ مولانا سیالکوٹی نے فوز اپنے دوست کے مضمون کا جواب دیا اور قیام پاکستان کے خلاف اعتراضات کو غیر حقیقت پسندانہ، غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ قرار دیا اور ثابت کیا کہ اہل اسلام کی قومیت کی بنیاد دین اسلام ہے۔ مولانا سیالکوٹی کا یہ مضمون اخبار ”احسان“ لاہور دسمبر ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

۱۹۳۶ء کے انتخابات جو قیام پاکستان کے نام پر لڑے گئے تھے ان میں متحدہ قومیت کے حامی علماء مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی قیام پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ دوسری طرف مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا شبیر احمد عثمانی دو قومی نظریہ کے حامی اور متحدہ قومیت کے مخالف تھے۔ مولانا سیالکوٹی اور مولانا عثمانی نے پورے ملک کا دورہ کر کے متحدہ قومیت کے علماء کا پردہ چاک کیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ دو قومی نظریہ کے حامی علماء کامیاب ہوئے اور مسلم لیگ نے قیام پاکستان کے نام پر الیکشن میں بھاری اکثریت حاصل کی۔ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے۔ تمام علوم اسلامیہ میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دین و دنیا کی دونوں نعمتوں سے نوازا تھا۔ دین اسلام کے معاملہ میں معمولی سی مہانت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ تفسیر قرآن میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا اور اس کے ترجمہ و تفسیر کو مرکز توجہ قرار دینے رکھنا ان کے مقاصد حیات کا لازمی حصہ تھا۔

برصغیر میں جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔  
دسمبر ۱۹۰۶ء میں آرہ (بہار) کے اہلحدیث جلسہ میں ”آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس“ کی تشکیل ہوئی۔ جس کے پہلے صدر مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری اور ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ امرتسری منتخب ہوئے اس کے بعد کانفرنس کو پورے ملک میں متعارف کرانے کے لیے ایک تین رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جس کے ارکان یہ تھے:

① مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (وفات ۱۹۱۹ء)

② مولانا ثناء اللہ امرتسری (وفات ۱۹۴۸ء)

③ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی (وفات ۱۹۵۶ء)

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کے علم و فضل اور تجربہ علمی کا اعتراف برصغیر کے ممتاز اہل علم و قلم نے کیا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی جو برصغیر کے نامور عالم دین، مورخ اور محقق تھے۔ جن کی تحقیقات کا مستشرقین نے بھی اعتراف کیا ہے مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے بہت محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا سیالکوٹی کی محبت و عقیدت کا ایک واقعہ مولانا ابوعلی اثری مرحوم سابق رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ نے لکھا ہے کہ ۱۹۳۵ء میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا سالانہ اجلاس مونا تھ بھجن ضلع اعظم گڑھ میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس کانفرنس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تحریک پر آپ نے یہ قرارداد منظور کرائی تھی کہ ”برصغیر کے اہلحدیث حضرات کو مسلم لیگ کی حمایت کرنی چاہئے۔“

مولانا سید سلیمان ندوی نے مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کو مونا تھ بھجن بذریعہ تارا اطلاع دی کہ واپسی پر دارالمصنفین اعظم گڑھ سے ہوتے ہوئے واپس اپنے وطن پنجاب جائیے۔ چنانچہ مولانا محمد ابراہیم میر کانفرنس کے اختتام پر اعظم گڑھ تشریف لے گئے۔  
مولانا ابوعلی اثری لکھتے ہیں:

ان سے اس وجہ ارادت تھی کہ ان کی آمد پر سید واجب الاحترام قبلہ نے خود اپنے

باتھوں سے مہمان خانہ کافر ش فروش میز کرسی اور دوسرے سامان آرائش سے سجایا تھا اور اتنا خوش تھے کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ جب موصوف کی گاڑی مہمان خانہ کے سامنے پہنچی تو آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ دیر تک بغل گیر رہے۔ خود ہی سامان اتر وایا اور گاڑی کا کرایہ اپنی جیب سے دیا۔ یہ منظر بڑا پراثر اور قابل دید تھا۔ (بحوالہ، الاعتصام لاہور ۱۶ مارچ ۱۹۵۶ء)

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کو اللہ تعالیٰ نے مختلف اوصاف و فضائل سے نوازا تھا۔ آپ مفسر قرآن بھی تھے، محدث بھی تھے، فقیہ بھی تھے، مؤرخ اور محقق بھی تھے، معلم اور متکلم بھی تھے، مبلغ و مقرر اور خطیب بھی تھے، مناظر بھی تھے اور مصنف بھی، آپ نے مختلف موضوعات پر ایک سو ۱۰۰ کے قریب چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔ آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

- ۱) واضح البیان فی تفسیر ام القرآن، ۲) تفسیر سورۃ کہف، ۳) شہادت القرآن (جلد ۲)، ۴) ریاض الحسنات، ۵) تاریخ اہل حدیث، ۶) سیرۃ المصطفیٰ (جلد ۲)، ۷) احکام المرام باحیاء مآثر علماء الاسلام، ۸) عصمت النبی، ۹) الخبر الصحیح عن قبر المسیح، ۱۰) خلافت راشدہ، ۱۱) اربعین ابراہیمی، ۱۲) افارۃ المصابیح، ۱۳) ختم نبوت، ۱۴) قادیانی مذہب، ۱۵) رسالت و بشریت۔

مولانا محمد ابراہیم میر بن سیٹھ غلام قادر ۱۸۷۴ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ مشن ہائی سکول سیالکوٹ سے میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج میں داخل ہوئے۔ علامہ محمد اقبال کالج میں آپ کے کلاس فیلو تھے۔ ٹمس العلماء مولوی میر حسن سے آپ نے اور علامہ اقبال نے خوب استفادہ کیا۔ دینی تعلیم مولانا غلام حسن سیالکوٹی اور بعد ازاں استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی سے حاصل کی۔ وزیر آباد سے حصول علم کے بعد شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضری دی اور حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔ مولانا سیالکوٹی شیخ الکل مرحوم و مغفور کے آخری دور کے شاگرد ہیں۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد واپس وطن آ کر ایک دینی مدرسہ بنام دارالحدیث قائم کیا جو کئی بار بند ہوا اور کئی بار جاری ہوا۔ مولانا سیالکوٹی مرحوم نے دو اسلامی جراند ”الہدی“

اور ”الہادی“ یکے بعد دیگرے جاری کیے۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء کو سیالکوٹ میں انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ  
وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔



## عبدالستار دہلوی

مولانا عبدالستار دہلوی بن مولانا عبدالوہاب ۱۳۱۳ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ تمام  
علوم آلیہ و عالیہ کی تحصیل اپنے والد مولانا عبدالوہاب دہلوی سے حاصل کی اور تکمیل تعلیم کے  
بعد اپنے آبائی مدرسہ دارالکتاب و السنہ میں تدریس پر مامور ہوئے ان کی ساری زندگی  
اسی مدرسہ میں تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم پڑھانے میں گزری۔

مولانا عبدالستار دہلوی علوم اسلامیہ کے قبحر عالم دین تھے۔ تمام علوم میں ان کو بہت  
زیادہ دسترس تھی۔ فن مناظرہ میں بھی ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مولانا عبدالستار بڑے عابد و  
زاہد، صالح، قائم اللیل، مبلغ، کم سخن، معلم، متکلم اور مفسر و محدث تھے۔ مسائل کی تحقیق میں ان  
کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔

مولانا عبدالستار اپنے والد مولانا عبدالوہاب کے جانشین تھے۔ آپ نے اپنے والد  
کے انتقال کے بعد ان کے قائم کردہ نظام امارت کو شرح صدر سے قائم رکھا اور ہر معاملے میں  
سنت کی اتباع کو ترجیح دی۔

مولانا محمد حنیف یزدانی مرحوم آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

مولانا عبدالستار دہلوی ۲۲ سال کی عمر میں علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ آپ  
نہایت باہمت اور محنتی عالم دین تھے۔ آپ اپنے والد کے انتقال کے بعد متفقہ طور پر امیر  
جماعت مقرر ہوئے۔ آپ نہایت خوش اخلاق، ملنسار، مہمان نواز اور متواضع عالم دین تھے۔

مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتے ہیں کہ:

مولانا حافظ عبدالستار دہلوی جماعت اہلحدیث کے جید عالم تھے۔ علماء اور ممتاز فضلاء میں نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ ان کے شب و روز اعلائے کلمۃ اللہ اور سر بلندی اسلام، توحید و سنت کے فروغ اور دین متین کی تبلیغ میں صرف ہوتے رہے۔  
مولانا عبدالستار دہلوی نے ۱۹۶۶ء میں کراچی میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔

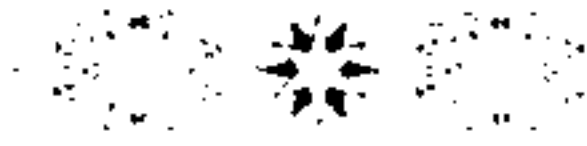
### تصانیف:

مولانا عبدالستار دہلوی ایک عمدہ مصنف تھے۔ تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- ① حواشی قرآن مجید بنام فوائد ستاریہ
- ② تفسیر سورۃ فاتحہ
- ③ سورۃ شریفہ
- ④ نصرۃ الباری شرح صحیح بخاری
- ⑤ تنبیہ اهل الفرش باستواء اللہ علی العرش
- ⑥ تکمیل البرہان مع قرأۃ القرآن
- ⑦ الدر الثمین فی الجہر بالتامین
- ⑧ الدلیل من الاثر علی اعطاء ثمن فی صدقہ الفطر
- ⑨ شمس الضحیٰ فی اعفاء اللحنی (عربی)
- ⑩ فتاویٰ ستاریہ
- ⑪ حقیقۃ التوسل والوسیلہ
- ⑫ الدلائل الواثقہ فی جواز تسلیمتہ واحداً
- ⑬ حکم رب الانام فی ابطال عمل المولد والقیام
- ⑭ شمشیر محمدیہ

- ۱۵) احقاق حق و ابطال باطل  
 ۱۶) خطبہ امارت  
 ۱۷) تاریخ مقام اربعہ (عربی)  
 ۱۸) القول الصحيح فی اثبات المسيح  
 ۱۹) ایک اہم سوال اور اس کا جواب  
 ۲۰) تحقیق حرف ”ضاد“  
 ۲۱) ملفوظات ستاریہ  
 ۲۲) تفسیر ۵ سورہ شریفہ  
 ۲۳) تفسیر سورہ یس



## نذیر احمد رحمانی

مولانا نذیر احمد بن شیخ عبدالشکور عراقی ۶ فروری ۱۹۰۶ء مطابق ۱۰ ارزی الحجہ ۱۳۲۳ھ موضع المومصل مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کی۔ بعد میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور مدرسہ فیض عالم مو میں تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ فیض عام میں آپ کے استاد مولانا محمد احمد تھے۔

شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی قائم ہوا۔ اس وقت مولانا نذیر احمد کی عمر ۱۵، ۱۶ تھی۔ چنانچہ طلباء کا جو پہلا گروپ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخل ہوا۔ اس میں آپ بھی شامل تھے۔ آپ نے دارالحدیث رحمانیہ میں سات سال تک تعلیم حاصل کی تھی۔ ۱۳۳۹ھ میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۶ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ اپنے داخلہ کی بابت مولانا نذیر احمد رحمانی خود رقمطراز ہیں کہ:

مدرسہ رحمانیہ دہلی کا افتتاح شوال ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں ہوا اور اسی سال تقریباً دو مہینے کے بعد ذی الحجہ میں مدرسہ میں بغرض تعلیم داخل ہو گیا۔ ابتداء سے انتہا تک اپنی دینی تعلیم کا بیشتر حصہ یہیں مکمل کرنے کے بعد شعبان ۱۳۲۶ء میں مدرسہ سے سند فراغت حاصل کی۔ پھر اسی سال مدرس کی حیثیت سے مدرسہ کی خدمت پر مامور ہو گیا اور اب تک بحمد اللہ اس درجے پر فائز ہوں۔ اس ۱۸ سالہ زندگی میں شاید ایک آدھ سال میں مدرسہ سے غیر حاضر رہا۔ ورنہ اکثر حصہ اسی گلشن علم کی بلبلوں، باغ حکمت کے پھولوں اور ریاض ملت کی کیاریوں میں گزرا ہے۔

مولانا نذیر احمد رحمانی نے دارالحدیث رحمانیہ میں جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، ان کے اسمائے گرامی مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی، مولانا غلام یحییٰ کان پوری اور مولانا عبدالرحمن نگر نہسوی ہیں۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولانا رحمانی واپس اپنے وطن گئے۔ تو ان کے والد شیخ عبدالشکور عراقی نے ان کی فراغت کی خوشی میں ایک جلسہ وعظ و تبلیغ اور دعوت طعام کا انتظام کیا۔ اس جلسہ میں امام حدیث مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالغفور جیراج پوری اور مولانا ابوالقاسم سیف بناری نے شرکت فرمائی۔ طعام کے بعد جلسہ کا آغاز ہوا اور رات ۱۲ بجے تک مقررین نے تقریریں کیں۔ اور محدث مبارکپوری کی دعاؤں سے جلسہ کا اختتام ہوا۔

اس کے بعد مولانا نذیر احمد بحیثیت استاد حدیث مقرر ہو کر دارالحدیث رحمانیہ دہلی تشریف لے آئے۔ آپ کو حدیث سے زیادہ شغف تھا اور معقولات سے فطری لگاؤ تھا۔ دارالحدیث رحمانیہ میں آپ نے ۱۹۲۷ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا نذیر احمد رحمانی بہت زیادہ مطالعہ کرتے تھے۔ مولوی ابویحییٰ امام خاں نوشہروی راوی ہیں کہ مولانا نذیر احمد رحمانی فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میں رات کو مطالعہ نہ کروں۔ مجھے نیند نہیں آتی۔



مولانا نذیر احمد کی تحریر و تقریر میں بلا کی اثر انگیزی تھی۔ اظہار حق میں بھی آپ نے مدہنت نہیں کی۔ تدریس میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ حدیث و تفسیر کے اسباق میں مذاہب اور ان کے مدار و ماخذ کی تشریح کے ساتھ صحیح مذہب کے دلائل بیان فرماتے تھے۔

مولانا نذیر احمد رحمانی نے جماعتی رسائل و اخبارات میں بے شمار مقالات لکھے۔ ان کے مقالات ماہنامہ ”زندگی“ رام پور، اخبار ”مدینہ“ بجنور، ماہنامہ ”مصباح“، ماہنامہ ”انصاف“ الہ آباد، ”ابجدیث“ امرتسر، ”ابجدیث“ دہلی، ”ترجمان“ دہلی، ”اخبار محمدی“ دہلی اور ”الاغتصام“ لاہور میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

مولانا نذیر احمد رحمانی کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- |   |                   |   |                                    |
|---|-------------------|---|------------------------------------|
| ۱ | چمن اسلام (جلد ۴) | ۲ | اہل حدیث اور سیاست                 |
| ۳ | رد عقائد بدعیہ    | ۴ | انوار المصانح بجواب رکعات التراويح |

مولانا نذیر احمد رحمانی نے ۲۸ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۹۵۶ء میں اس

جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ط ﴾



## حافظ محمد گوندلوی

مولانا حافظ محمد گوندلوی علوم اسلامیہ کا بحر ذخار تھے۔ آپ ایک بلند پایہ مفسر قرآن، محدث، مؤرخ، فقیہ، معلم، متکلم، فلسفی، عربی، فارسی کے مایہ ناز ادیب، بلند پایہ محقق اور صاحب فکر و تدبیر، تمام علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ و سیر، اسماء الزجال، لغت و ادب، فلسفہ و منطق، ریاضی، اقلیدس اور علم معقول و منقول پر یکساں نظر تھی۔ ائمہ اربعہ کی فقہ پر ان کو مکمل عبور تھا۔

آپ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء گوندلانوالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے

والد ماجد کا نام میاں فضل دین تھا۔

دینی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے ہوا۔ آپ نے قلیل مدت میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حافظہ کی غیر معمولی نعمت سے نوازا تھا۔ زندگی بھر جو کتاب ایک دفعہ پڑھی۔ دوبارہ اس کو پڑھنے کی نوبت نہیں آئی اور وہ کتاب سینہ میں محفوظ ہو گئی۔

۱۳ سال کی عمر میں دینی تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ غزنویہ امرتسر تشریف لے گئے۔ اس مدرسہ میں آپ نے جن اساتذہ سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا، ان کے نام یہ ہیں:

مولانا سید عبدالجبار غزنوی، مولانا سید عبدالاول غزنوی، مولانا سید عبدالغفور غزنوی اور مولانا محمد حسین ہزاروی

مدرسہ غزنویہ میں آپ کا قیام ۵ سال رہا اور اس عرصہ میں آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، فلسفہ و منطق اور صرف و نحو کی تکمیل کی۔ اس کے بعد آپ وزیر آبار تشریف لائے اور استاد پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی برائے سے حدیث میں سند و اجازت حاصل کی۔

وزیر آباد سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد حافظ صاحب دہلی تشریف لے گئے اور طبیہ کالج میں داخل ہوئے۔ چار سالہ طب کا کورس مکمل کر کے فاضل الطب والجراحت کی سند اول درجہ میں حاصل کی۔ گولڈ میڈل سے سرفراز ہوئے۔

اسی دوران دہلی میں آپ نے مولانا عبدالرزاق جو "استاد الفنون" کے لقب سے مشہور تھے۔ ان سے منطق و فلسفہ میں استفادہ کیا اور منشی فاضل و مولوی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور اپنی تمام زندگی درس و تدریس میں صرف کر دی۔ آپ نے جن دینی مدارس میں تدریس فرمائی، ان کی تفصیل یہ ہے:

❖ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

❖ دارالحدیث گوندلانوالہ ضلع گوجرانوالہ

- ۲. جامعہ دارالعلوم عمر آباد (مدارس)
- ۳. جامعہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ (ماموں کانبجن)
- ۴. جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ
- ۵. جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ
- ۶. جامعہ سلفیہ فیصل آباد
- ۷. جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

حافظ صاحب کی تدریسی مدت ۶۰ سال ہے اور اس ۶۰ سال میں کتنے آدمی آپ سے مستفید ہوئے ان کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

لَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ

تاہم آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں۔ اور ان تلامذہ میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو بعد میں خود مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ ان کے علمی کارناموں کا تذکرہ ان شاء اللہ العزیز رہتی دنیا تک رہے گا۔ مثلاً:

- ۱. مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری صاحب مرعاة المفاہج
- ۲. مولانا نذیر احمد رحمانی
- ۳. مولانا محمد یوسف کوکن عمری مصنف امام ابن تیمیہ
- ۴. مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب التعليقات التلخیص
- ۵. مولانا حافظ محمد اسحاق حسینی
- ۶. مولانا ابوالبرکات احمد مد راسی
- ۷. مولانا حافظ عبداللہ بڑھیمالوی
- ۸. مولانا محمد حنیف ندوی
- ۹. مولانا محمد عبداللہ گوجرانوالہ
- ۱۰. علامہ احسان الہی ظہیر شہید

- ۱۱) مولانا معین الدین لکھوی
- ۱۲) مولانا محمد عبدة الفلاح
- ۱۳) مولانا عبدالقادر ندوی صدر جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانبجن
- ۱۴) مولانا محمد اعظم گوجرانوالہ
- ۱۵) مولانا محمد صدیق فیصل آبادی
- ۱۶) مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری
- ۱۷) مولانا محمد علی جانباز شارح سنن ابن ماجہ
- ۱۸) مولانا عطاء الرحمن اشرف استاد حدیث جامعہ ابراہیمہ سیالکوٹ
- ۱۹) مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری
- ۲۰) مولانا محمد خالد گرجا کھی
- ۲۱) مولانا محمد اسحاق چیمہ
- ۲۲) مولانا عبدالرحمن غنیق وزیر آبادی
- ۲۳) مولانا علم الدین سوہدروی
- ۲۴) مولانا حکیم محمود سلفی
- ۲۵) مولانا عبدالعزیز غلوی
- ۲۶) مولانا قاضی مقبول احمد
- ۲۷) مولانا ارشاد الحق اثری

مولانا حافظ محمد گوندلوی جہاں ایک بلند پایہ مدرس و معلم تھے۔ وہاں آپ ایک اعلیٰ پایہ کے مصنف بھی تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر عربی اور اردو میں کتابیں لکھیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- ۱) صلوة مسنونہ
- ۲) رد مولود موجود
- ۳) شرح مشکوٰۃ المصابیح (اردو)
- ۴) تحفة الواعظین

- ۵) امالی علی صحیح بخاری (عربی) ۶) رسالہ حنفی اور اہلحدیث
- ۷) اثبات التوحید ۸) زبدة البیان (عربی)
- ۹) سنت خیر الامام
- ۱۰) خیر الکلام فی وجوب الفاتحة خلف الامام
- ۱۱) التحقیق الراسخ فی ان احادیث رفع الیدین لیس لها ناسخ (اردو)
- ۱۲) ترجمہ البدور البازغہ ۱۳) تنقید المسائل
- ۱۳) رسالہ جواب "دو اسلام" ۱۵) ابدائے ثواب
- ۱۶) رد حسن المولد ۱۷) الاصلاح (جلد ۲)
- ۱۸) رد اثبات التلیث ۱۹) ختم نبوت
- ۲۰) معیار نبوت ۲۱) ارشاد القاری الی نقد فیض الباری (عربی)
- ۲۲) بغیة الفحول (عربی) شرح اصول فقہ شاہ اسماعیل شہید دہلوی
- ۲۳) الاخوان
- ۲۴) دوام حدیث، (مستر غلام احمد پرویز کی کتاب مقام حدیث کا جواب)
- ۲۵) اسلام کی پہلی کتاب ۲۶) اسلام کی دوسری کتاب
- ۲۷) شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی) (صرف کتاب العلم تک لکھی گئی)

## محمد حنیف ندوی

مولانا محمد حنیف ندوی ایک بلند پایہ ادیب، دانشور، نقاد صحافی ہونے کے علاوہ ممتاز عالم دین بھی تھے۔ ان کے علمی و تحقیقی، دینی و مذہبی، ادبی و تنقیدی اور تاریخی مقالات "اہل حدیث" امرتسر "مسلمان" سوہدرہ "الاختصاص" لاہور اور ماہنامہ "ثقافت" لاہور کے علاوہ

کئی اور علمی و ادبی رسائل میں بھی شائع ہوئے اور پورے ملک کی اردو خواں دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا اور اس کے علاوہ ان کی تصانیف، سراج البیان، مسئلہ اجتهاد، افکار ابن خلدون، افکار غزالی، عقلیات ابن تیمیہ، مطالعہ قرآن اور مطالعہ حدیث کا شمار ان کی بہترین اور عمدہ تصانیف میں ہوتا ہے۔ ملک کے ہر طبقہ کے نامور اہل علم اور اہل قلم۔ زبان کی تعریف و تحسین کی ہے۔

مولانا محمد حنیف ندوی کو تمام علوم اسلامیہ میں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، کلام اور فلسفہ پر ان کو مکمل دسترس حاصل تھی اور ان تمام علوم پر ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔ تاریخ اور فلسفہ پر تنقیدی نظر رکھتے تھے۔

تفسیر قرآن میں بھی ان کا علم بہت وسیع تھا۔ دوران تعلیم ندوۃ العلماء کے بعد کئی عربی تفاسیر ان کے مطالعہ سے گزریں۔ چنانچہ جب ندوہ سے فراغت کے بعد انہوں نے لاہور کو اپنا مسکن بنایا، تو جامع مسجد مبارک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے درس قرآن میں تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت ہوتی تھی۔

لاہور میں تین علمائے کرام کے درس قرآن بہت مشہور ہوئے اور ان تینوں علمائے کرام کے دروس قرآن میں تعلیم یافتہ حضرات حاضر ہوتے تھے۔ اور ان کے ارشادات سے مستفیض ہوتے تھے۔ وہ علمائے کرام حسب ذیل تھے:

① مولانا محمد حنیف ندوی

② مولانا احمد علی لاہوری

③ مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی

مولانا محمد حنیف ندوی نے لاہور میں جب درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا تو اس کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر بنام سراج البیان تصنیف کی۔ جو ملک جلال الدین اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور نے شائع کی۔

مولانا محمد حنیف ندوی جہاں علوم اسلامیہ کے تبحر عالم تھے، وہاں آپ ملکی سیاسیات سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ سیاسی اور قومی وطنی تحریکات سے واقف تھے۔ بلکہ تمام تحریکات کے قیام کے پس منظر سے بھی مکمل طور پر آگاہ تھے اور ہر تحریک کے بارے میں اپنی ایک ناقدانہ رائے بھی رکھتے تھے۔ عربی ادب کا بہت سہرا مذاق رکھتے تھے۔ عربی اور اردو کے وہ بلند پایہ انشا پرداز تھے۔ تحریر میں ان کو عجیب ملکہ حاصل تھا۔ تحریر میں برجستگی، سلاست اور روانی ہوتی۔ چچے تلے الفاظ، چست تراکیب، اچھوتے استعارات، نادر تشبیہات، مولانا ندوی کی تحریر کی خاص خصوصیات تھیں۔ ان کی تحریر حشو و زوائد سے پاک ہوتی تھی۔ موقع بر موقع محاورات و امثال بھی استعمال کرتے مگر اس میں کوئی تکلف نہ ہوتا۔ پڑھنے والا محسوس کرتا جیسے جگہ جگہ موتی جڑ دیئے گئے ہوں۔

مولانا محمد حنیف ندوی قدرت کی طرف سے بڑا اچھا دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ روشن فکر، درد مند دل اور سلجھا ہوا دماغ تھا۔ ذہن و ذکاوت کے ساتھ قوت حافظہ بھی بہت قوی تھی، جو کتاب ایک دفعہ نظر سے گزر گئی اس کا نچوڑ ان کے دماغ میں محفوظ ہو جاتا اور بہت کم دوبارہ دیکھنے کی نوبت آتی۔

مولانا محمد حنیف ندوی دینی غیرت و حمیت کی زندہ مثال تھے۔ حق کے معاملہ میں کسی قسم کی معمولی سی مداخلت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ حدیث کے معاملہ میں وہ بہت سخت اور متشدد تھے اور حدیث کے معاملہ میں جب بھی کبھی کسی رسالہ میں کوئی مضمون حدیث کے خلاف ان کی نظر سے گزرتا تو فوراً "الاعتصام" میں اس کا جواب دیتے۔

مولانا محمد حنیف ندوی بہت سی خصوصیات کے حامل تھے۔ مثلاً:

حق گوئی ان کی امتیازی صفت تھی۔ لگی لپٹی بات کرنے کے عادی نہ تھے۔ ہمیشہ کھری اور دو ٹوک بات کہتے اور جس بات کو حق سمجھے اس کو پوری قوت اور زور کے ساتھ پیش کرتے۔ اور اسی شدت کے ساتھ اس پر قائم رہتے۔ اور جس بات کو غلط سمجھتے بر ملا اس کو غلط کہتے اور اس معاملہ میں کسی قسم کی رعایت نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب کو مداخلت فی

الدین سے پاک بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی فراست عطا کی تھی۔ اہل نظر کو بھانپ لیتے تھے۔

مولانا محمد حنیف ندوی کو مولانا ابوالکلام آزاد، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، سید سلیمان ندوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف سے بے پناہ محبت تھی۔ ان حضرات کا جب ذکر چھڑ جاتا تو ان کی خوبیاں بیان کرتے نہ تھکتے۔ جب سید سلیمان ندوی کا انتقال ہوا تو ان کی سیرت و کردار اور ان کے علمی کارناموں پر ”الاعتصام“ لاہور میں ایک طویل مضمون لکھا۔ جو غالباً ۱۹۵۷ اقساط میں شائع ہوا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی کے علم و فضل کے معترف تھے اور اکثر ان کی سیرت و کردار کا اعتراف کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ مولانا محمد اسماعیل سلفی میرے شفیق استاد تھے۔ مجھے ان سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ علوم اسلامیہ خاص کر تفسیر، فقہ اور تاریخ پر ان کو مکمل عبور تھا۔ انہی کے مشورہ اور حکم پر میں نے ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا۔

مولانا محمد حنیف ندوی ۱۹۰۸ء میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے اور ۵ سال ندوہ میں رہ کر علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد لاہور آئے اور جامع مسجد مبارک اہلحدیث (اسلامیہ کالج) ریلوے روڈ میں خطیب مقرر ہوئے۔ یہاں آپ نے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے ساتھ خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے۔ نبھے اور تقریباً ۲۵ سال تک آپ مسجد مبارک میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔

مولانا محمد حنیف ندوی کا صحافتی دنیا میں بھی ایک مقام ہے۔ مولانا عبدالجید سوہدروی کے اخبار ”مسلمان“ جو ان دنوں لاہور سے شائع ہوتا تھا مدیر معاون رہے۔ ایک دو علمی رسائل خود بھی جاری کیے۔ ۱۹۴۹ء میں گوجرانوالہ سے مولانا محمد عطاء اللہ حنیف نے نہفت روزہ ”الاعتصام“ جاری کیا تو اس کے پہلے ایڈیٹر آپ ہی مقرر ہوئے اور کئی سال تک آپ الاعتصام کے ایڈیٹر رہے۔



۱۹۵۵ء میں مولانا سید داؤد غزنوی، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کی سعی و کوشش سے ایک دینی درسگاہ بنام الجامعہ السلفیہ کا قیام عمل میں آیا۔ جو پہلے لاہور میں قائم ہوا بعد میں مستقل طور پر فیصل آباد منتقل ہو گیا۔ الجامعہ السلفیہ کا نام مولانا محمد حنیف ندوی نے تجویز کیا تھا۔ جو بالاتفاق اکابر علمائے اہلحدیث نے منظور کر لیا۔

مولانا محمد حنیف ندوی نے جماعت اہل حدیث کو فعال اور منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا اور جماعت اہلحدیث کی ترقی اور اس کو فعال بنانے میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔ ”الاعتصام“ کی ادارت سے کئی سال تک وابستہ رہنے کے بعد میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کی دعوت پر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے منسلک ہو گئے اور آخر عمر تک اس ادارہ سے وابستہ رہے۔ اس ادارہ سے آپ کی دس بارہ کتابیں شائع ہوئیں۔ مولانا محمد حنیف ندوی نے ۱۳ جولائی ۱۹۸۷ء کو بمقام لاہور انتقال کیا۔

### حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی جرنلہ کے تاثرات:

حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی جو ایک مشہور ادیب، دانشور، نقاد، صحافی، مبصر، مقرر، مصنف اور طبیب حاذق تھے۔ مولانا محمد حنیف ندوی کے خاص دوستوں میں تھے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

”مولانا محمد حنیف ندوی ایک جید عالم دین تھے۔ علوم اسلامیہ پر ان کی نذر وسیع تھی اور بڑی کتابیں ان کے مطالعہ میں آئی تھیں۔ مولانا ظفر علی خان کے بہت مددگار تھے اور مولانا ظفر علی کی سیاسی خدمات کی بہت تعریف کرتے تھے۔ مجھ سے جب بھی ملاقات ہوئی مولانا ظفر علی خان کے اشعار کی فرمائش کرتے، جب میں اشعار سناتا تو بہت محظوظ ہوتے۔ ان کے انتقال سے جماعت اہلحدیث کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔“ آمین

## ابوالبرکات احمد مداری

مولانا ابوالبرکات احمد مداری بن محمد اسماعیل ۱۹۲۶ء میں مدارس کے منصبہ شمتاڑ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے کیا اور قرآن مجید اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا۔ اس کے بعد صرف ونحو کی تعلیم اپنے قصبہ میں ایک عالم دین مولانا محمد عباس سے حاصل کی۔ ۲۰ سال ان کی خدمت میں رہ کر صرف ونحو میں مہارت حاصل کر لی۔ اس کے بعد آپ علامہ محمد تنکا ڈی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ محمد شافعی المسلک تھے۔ انہیں حدیث پر عبور حاصل تھا۔ مولانا ابوالبرکات احمد نے ان سے حدیث اور فقہ شافعی کی کتابیں پڑھیں اور تفسیر میں بھی ان سے استفادہ کیا۔

علامہ محمد سے استفادہ کرنے کے بعد آپ مدرسہ العالیہ مدراس میں داخل ہوئے۔ اور یہاں آپ نے علم معانی، فلسفہ، منطق اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ جامعہ ازہر مصر جانا چاہتے تھے۔ لیکن وہاں جانے کا کوئی جب نہ بن سکا تو آپ دہلی تشریف لے گئے اور مدرسہ دارالکتاب والسنة میں داخل ہوئے۔ دہلی میں قیام کے دوران آپ نے سائنس اور طبیعیات کی تعلیم بھی حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا تو مولانا ابوالبرکات احمد لاہور آ گئے اور لاہور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد آپ جامعہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ تشریف لے گئے اور یہاں آپ نے مولانا حافظ عبداللہ بڑھیمالوی اور مولانا محمد اسحاق چیمہ سے اکتساب فیض کیا۔ اوڈانوالہ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔ اور حضرت محدث گوندلوی سے صحیح بخاری کا درس لیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں تدریس کا آغاز کیا۔

اور ساری زندگی اسی مدرسہ کی تدریس میں بسر کر دی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے جس کا شمار مشکل ہے۔

مولانا ابوالبرکات علم و فضل کے اعتبار سے اعلیٰ مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اسماء الرجال، لغت و عربیت پر ان کو مکمل عبور حاصل تھا۔ تفسیر و حدیث کے علاوہ فقہ اربعہ میں بھی ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ فتویٰ بڑی تحقیق اور دلائل سے دیتے تھے۔

مولانا ابوالبرکات اتباع سنت میں اپنی مثال آپ تھے۔ زہد و ورع، تقویٰ و طہارت، حفظ و ضبط، امانت و دیانت میں بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ ذکر و فکر، ریاضت و عبادت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں بھی نمونہ سلف تھے۔

آپ نے ۲۹ جولائی ۱۹۹۱ء کو گوجرانوالہ میں انتقال کیا۔



## غلام احمد حریری

مولانا پروفیسر غلام احمد حریری بن چوہدری حسین بخش ۱۹۲۸ء بمطابق ۱۳۳۸ھ قصبہ طالب پور ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔

۱۹۳۲ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد آپ نے دینی تعلیم حاصل کرنے کا عزم کیا۔ اپنے قصبہ کی مسجد کے امام مولوی عبدالحق سے تعلیم کا آغاز کیا۔ اس کے بعد آپ نے مزید دینی کتابیں مولوی حافظ عبدالحمید آف کپورتھلہ سے پڑھیں۔ اس کے بعد حریری صاحب موضع ویرووال چلے گئے۔ وہاں آپ نے شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف آپ کے ہم درس تھے۔ ساتھ ساتھ عصری تعلیم جاری رکھی۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۳۸ء میں یونیورسٹی سے ایف اے اور ۱۹۴۱ء میں

بی اے کے امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۴۴ء میں مولوی فاضل اور ۱۹۴۵ء میں فاضل فارسی اور اردو کے امتحانات پاس کیے۔

پاکستان معرض وجود میں آنے کے بعد پاکستان آئے اور فیصل آباد میں رہائش اختیار کی۔ ۱۹۵۴ء میں آپ نے ایم اے عربی اور ۱۹۵۵ء میں ایم اے اسلامیات کے امتحانات پاس کیے۔

۱۹۵۴-۵۵ء میں اسلامیہ کالج کی ملازمت کے ساتھ ساتھ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں درس نظامی کی بلند پایہ کتب بھی پڑھاتے رہے اور ساتھ ہی آپ حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی جو ان دنوں جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث تھے، ان سے اصول فتنہ اور علم الکلام میں استفادہ بھی کرتے رہے۔

مولانا پروفیسر غلام احمد حریری تصنیف و تالیف کا عمدہ زوت رکھتے تھے۔ عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے کی ان کو بہت زیادہ مہارت تھی۔

۱۹۶۰ء میں آپ نے تصنیف و تالیف کا آغاز کیا۔ آپ کی تصانیف و تراجم کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱) حیات امام ابوحنیفہ (ترجمہ) ۲) حیات امام ابن القیم (ترجمہ)

۳) حیات امام ابن حزم (ترجمہ) ۴) حدیث رسول کا تشریحی مقام (ترجمہ)

۵) مباحث فی علوم القرآن (ترجمہ) ۶) مباحث فی علوم الحدیث (ترجمہ)

۷) اسلامی مذاہب (ترجمہ) ۸) تاریخ تفسیر و مفسرین (تصنیف)

۹) تاریخ حدیث و محدثین (ترجمہ)

۱۰) المنتقی۔ امام ابن تیمیہ کی کتاب منہاج السنہ کی حافظ ذہبی نے تلخیص کی۔ اس تلخیص

المنتقی کا ترجمہ حریری صاحب نے کیا۔

۱۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (ترجمہ) ۱۲) قرآن کریم کے فنی محاسن (ترجمہ)

۱۳) عربی اردو بول چال ۱۴) اساس اسلام

## ۱۵) فہم اسلام

۱۶) شرح الحدیث فقہ

مولانا پروفیسر غلام احمد حریری نے اردو دائرہ معارف الاسلامیہ کے۔۔۔ جو مقالات تحریر کیے ان کی تفصیل یہ ہے:

۱) اعجاز القرآن، ۲) علوم القرآن، ۳) قرآن کریم کے اثرات و برکات، ۴) علم الصرف، ۵) علم الاشتقاق، ۶) سیرت نگاری، ۷) عربی لغت نگاری، ۸) کعبہ، ۹) منبر  
مولانا غلام احمد حریری سر اپنا علمی شخصیت تھے۔ دینی حلقوں میں آپ کا بہت زیادہ احترام تھا۔ بڑے حلیم الطبع اور ملسار تھے۔ آپ نے ۱۹۹۰ء کو انتقال کیا۔



## محمد صادق خلیل

مولانا محمد صادق خلیل بن مولوی احمد الدین ۱۹۲۵ء بمطابق ۱۳۴۳ھ میں اوڈانوال تحصیل ماموں کا نجمن ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔  
دینی تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ میں داخل ہوئے۔ عصری تعلیم میٹرک ہے۔

اوڈانوالہ میں آپ نے مولانا محمد اسحاق حسینی، مولانا محمد داؤد رحمانی اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد محمد گوندلوی سے جملہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔ تعلیم کے دوران آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات بھی پاس کیے۔  
تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۵۴ء میں آپ نے تدریس شروع کی۔ آپ نے جن دینی مدارس میں درس و تدریس فرمائی ان کی تفصیل یہ ہے:

۱) مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ: ۱۵ سال

۲) جامعہ سلفیہ فیصل آباد: ۸ سال

- ۳ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کالج: ۳ سال  
 ۴ دارالحدیث رحمانیہ کراچی: ۱ سال  
 ۵ مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث راولپنڈی: ۲ سال  
 ۶ مدرسہ رحمانیہ لاہور: ۳ سال  
 ۷ دارالحدیث کوٹ رادھا کشن: ۳ سال (میزان تدریسی مدت: ۳۶ سال)

آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محمد علی جانباز، مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا عبدالحمید ہزاروی، مولانا محمد خالد سیف، علامہ احسان الہی ظہیر، مولانا قاضی محمد اسلم مولانا ظفر اللہ کراچی اور مولانا عبدالرشید ہزاروی۔

تدریس کے علاوہ آپ کو ترجمہ اور تحریر کا بھی خاص ملکہ حاصل تھا آپ نے کئی عربی کتابوں کے تراجم کیے ہیں۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

- ۱ ترجمہ ریاض الصالحین از امام نووی  
 ۲ ترجمہ الرد علی الاختائی ابن تیمیہ  
 ۳ ترجمہ الرد علی البکری ابن تیمیہ  
 ۴ افکار صوفیہ ”الفکر الصوفی“ عبدالخالق عبدالرحمن  
 ۵ ترجمہ تحذیر الساجد عن اتخاذ القبور مساجد از علامہ البانی  
 ۶ ترجمہ محبۃ النبی از علامہ البانی  
 ۷ ترجمہ صلوة التراويح از علامہ البانی  
 ۸ ترجمہ مختصر الامام احمد بن حنبل از ڈاکٹر نعش مصری  
 ۹ ترجمہ محمد بن عبدالوہاب از عبدالغفور عطار  
 ۱۰ شرح عقیدہ طحاویہ  
 ۱۱ ترجمہ صلوة النبی ﷺ از علامہ البانی

۱۲ ترجمہ اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطن ابن تیمیہ

۱۳ ترجمہ مع فوائد و حواشی مشکوٰۃ المصابیح

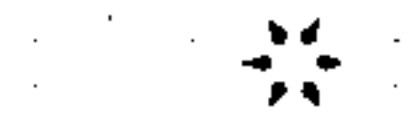
۱۴ تحقیق و تخریج المعجم الصغیر طبرانی

۱۵ تفسیر اصدق البیان (مکمل)

مولانا محمد صادق خلیل کتاب و سنت کی اشاعت میں کسی مصلحت کے قائل نہیں تھے۔  
حقائق بیان کرنے میں مدابنت سے کام نہیں لیتے تھے۔

مسائل پر بڑی تحقیق ہے اور بڑی تفصیل اور حوالہ سے مسئلہ بیان کرتے تھے۔

آپ کا انتقال فروری ۲۰۰۴ء کو فیصل آباد میں ہوا۔



## محمد علی جانباز

مولانا محمد علی جانباز بن نظام الدین ۱۹۳۴ء میں چک بدھو کے ضلع فیروز پور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔

اپنی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے کیا۔ اور اس میں آپ کے پہلے استاد مولوی محمد رحمانی تھے۔

اس کے بعد آپ نے دینی تعلیم جامعہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ، جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں حاصل کی۔ آپ نے مختلف اوقات میں جن علماء کرام سے استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

۱ مولانا محمد صادق خلیل

۲ مولانا عبداللہ مظفر گڑھی

۳ مولانا غلام احمد حریری

۴) مولانا محمد شریف اللہ سواتی

۵) مولانا ابوالبرکات احمد مداری

۶) مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی

دوران تعلیم آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے غنشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات بھی پاس کیے۔ فراغت تعلیم کے بعد آپ نے تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔

۱۹۵۹ء میں جامعہ سلفیہ میں تدریس پر مامور ہوئے اور لائبریری کے انچارج اور اساتذہ کی تنخواہ اور جملہ انتظامی امور بھی آپ کے سپرد تھے۔ ۱۹۶۲ء تک آپ جامعہ سلفیہ میں تدریس فرماتے رہے۔

۱۹۶۲ء میں سیالکوٹ تشریف لے آئے اور ۲ سال تک جامع مسجد اہلحدیث ڈپٹی باغ میں تدریس فرماتے رہے۔ ۱۹۶۳ء میں آپ جامع مسجد میانہ پورہ سیالکوٹ میں چلے گئے۔ اور وہاں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مدرسہ کا نام ”جامعہ ابراہیمیہ“ رکھا۔ ۱۹۶۹ء تک آپ یہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۹۷۰ء میں ناصر روڈ سیالکوٹ کی مسجد اہلحدیث میں منتقل ہو گئے اور مدرسہ بھی یہاں آگیا اور ۹ سال تک آپ اس مسجد میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

۲۸ جنوری ۱۹۸۰ء کو جامعہ ابراہیمیہ کی تعمیر شروع ہوئی جو ۲۹ جون ۱۹۸۰ء کو مکمل ہوئی۔

مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی نے جامعہ ابراہیمیہ کا افتتاح کیا اور اب تک یہ مدرسہ دین اسلام کی اشاعت اور کتاب و سنت کی ترقی و ترویج میں سرگرم عمل ہے۔  
مولانا محمد علی جانباڑ بڑے عالم و فاضل ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ پر مکمل عبور ہے۔ ان کا علم مستحضر ہے۔ کثیر المطالعہ ہونے کی بنا پر انہیں حدیث اور اسماء الزبالی میں بہت زیادہ عبور حاصل ہے۔

مولانا محمد علی جانباڑ تصنیف و تالیف کا بڑا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ آپ نے مختلف



موضوعات پر کئی ایک کتابیں لکھی ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) نفعات العطر فی تحقیق مسائل عید الفطر

مسائل قربانی

(۲)

(۲) احکام دعا اور توسل

تحفة الوری فی اثبات الجمعة فی القرئی

(۳)

(۳) حرمت متعہ

صلوة المصطفیٰ ﷺ

(۴)

(۴) احکام سفر

فضائل مومن

(۵)

(۵) دوران خطبہ دو رکعت پڑھنے کا حکم

معراج مصطفیٰ ﷺ

(۶)

(۶) ارکان اسلام

آل مصطفیٰ ﷺ

(۷)

(۷) توہین رسالت کی شرعی سزا

احکام عدت

(۸)

(۸) شرح سنن ابن ماجہ (عربی)

احکام نکاح

(۹)

(۹) احکام طلاق

علاوہ ازیں ان تصانیف کے آپ کے علمی و تحقیقی مقالات، جماعتی و رسائل و اخبارات

میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

آپ اخلاق حمیدہ کے پیکر زبد و ورع کا مجسمہ، بڑے خوش اخلاق، مفسر، متواضع، بردبار،

حلیم الطبع، شریف النفس، عابد و زاہد، صابر و ضابط اور مہمان نواز ہیں۔

راقم آثم کے ان سے ۱۹۸۰ء سے ذاتی تعلقات ہیں۔ میرے چار پانچ رسائل ان کی

زیر نگرانی شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ ابراہیمیہ نے شائع کیے ہیں۔ ہر دوسرے تیسرے مہینے

ان سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے۔



## ارشاد الحق اثری

مولانا ارشاد الحق اثری بن حاجی غلام رسول ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۳۶۸ھ چک نمبر ۷۷

تحصیل فقیر والی ضلع بہاول نگر میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی کتابیں مولوی بشیر احمد اور مولوی محمد حیات سے پڑھیں۔ بعد میں مولانا مفتی عبدالرحمن سابق مدرس فتح پوری دہلوی سے استفادہ کیا۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخل ہوئے۔ جامعہ سلفیہ میں آپ نے مولانا شریف اللہ سواتی سے معقولات و منقولات کا درس لیا۔ ۱۹۶۷ء میں ایک سال مولانا حافظ بنیامین کی خدمت میں رہے اور ۱۹۶۸ء میں جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ چلے آئے۔ یہاں مولانا ابوالبرکات احمد مدراستی اور حضرت العلامة مولانا حافظ محمد گوندلوی سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں مولانا عبداللہ امجد چیمٹوی، حافظ عبداللہ بڈھیما لوی، مولانا محمد صادق خلیل اور مولانا پیر محمد یعقوب قریشی سے بھی اکتساب فیض کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد ۱۹۶۹ء میں ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد سے وابستہ ہوئے۔ یہاں آپ تصنیف و تالیف کے ذریعہ دین اسلام کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔ مولانا اثری تصنیف و تالیف کا عمدہ تحقیقی ذوق رکھتے ہیں۔ آپ کی تصانیف عربی اور اردو میں ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) العلل المتناہیة فی الاحادیث الواہیة ابن جوزی (تحقیق و تخریج)

(۲) مسند الامام ابی یعلیٰ موصلی (تحقیق و تخریج)

(۳) کتاب المعجم از امام ابو یعلیٰ موصلی (تحقیق و تخریج)

(۴) جلاء العین بتخریج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین (تحقیق و تخریج)

(۵) فضائل شہر رجب از امام ابو محمد بن محمد خلال (تحقیق و تخریج)

(۶) تبیین العجب بما ورد فی فضل رجب. حافظ ابن حجر عسقلانی

(۷) اعلام اہل العصر بادکام رکعتی الفجر از مولانا شمس الحق عظیم آبادی

(۸) تخریج احادیث مجالس الابرار

① تخريج الاحاديث والآثار، ازالته الخفاء عن خلافته الخلفاء شاه ولي الله دبلوی

② التحقیب علی التقریب لابن حجر (تحقیق و تخریج)

③ فہرست احادیث اخبار السبہان

④ فہرست احادیث الفقیہ المتفقہ

⑤ فہرست احادیث الموضوع للخطیب

⑥ فہرست معجم الصغیر للطبرانی

⑦ امام دارقطنی

⑧ صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین

⑨ قادیانی کافر کیوں؟

⑩ پیارے رسول کی پیاری نماز

⑪ امام شمس الحق محدث ڈیانوی

⑫ علامہ محمد حیات سندھی

⑬ الجرح والتعدیل

⑭ توضیح الکلام فی جواب احسن کلام (۲ جلد)

⑮ برصغیر میں تحریک اہلحدیث

⑯ القول الجلی فی تحقیق سماع الحسن عن علی

⑰ حواشی الامر المبرم

⑱ برصغیر (پاک و ہند) علمائے اہلحدیث کی خدمات حدیث

⑲ امام بخاری برائے اعتراضات کا جائزہ

⑳ احادیث صحیح بخاری و مسلم برائے کونڈہبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش

㉑ مولانا سرفراز صغدر اپنی تصانیف کے آئینے میں

مسئلہ قربانی اور پرویز

۳۱۔ عدالت صحابہ

مولانا اثری کے علمی و تحقیقی مقالات مفت روزہ ”الاعتصام“ ماہنامہ محاسن لاہور اور ترجمان الحدیث فیصل آباد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔  
آپ بڑے خوش اخلاق اور حلیم الطبع ہیں۔ جب بھی راقم سے ملتے ہیں بڑی محبت سے ملتے ہیں۔



## حافظ صلاح الدین یوسف

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف بن حافظ عبدالشکور ۱۹۴۵ء میں ریاست جے پور (راجستھان) میں پیدا ہوئے۔

قیام پاکستان پر کراچی تشریف لائے۔ آپ دینی تعلیم کے حصول کے لیے جامعۃ العلوم سعودیہ کراچی میں داخل ہوئے اور سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد آپ مزید تعلیم کے حصول کے لیے لاہور تشریف لے آئے اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں داخل ہوئے۔ اور شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق حسینوی، مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے استفادہ کیا۔

سب سے زیادہ اکتساب فیض آپ نے مولانا عطاء اللہ حنیف سے کیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا عطاء اللہ حنیف ان کو اپنے ادارہ دارالعموۃ السلفیہ میں لے گئے اور اپنی نگرانی میں ان کی بہت زیادہ تربیت کی۔

حافظ صاحب نے اپنی تصنیف ”خلافت و ملوکیت تاریخی و شرعی حیثیت“ بموجب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب ”خلافت و ملوکیت“ مولانا عطاء اللہ حنیف کی زیر نگرانی تالیف کی۔

علاوہ ازیں حافظ صاحب نے تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ کی جلد چہارم قاری نعیم الحق نعیم مرحوم کے ساتھ مل کر مکمل کی۔  
حافظ صاحب کی دوسری تصانیف یہ ہیں:

- ① اہل حدیث اور اہل تقلید ② اسلامی معاشرت ③ توحید اور شرک کی حقیقت
- ④ حد رجم کی شرعی حیثیت ⑤ عورتوں کے امتیازی مسائل و قوانین
- ⑥ مسنون نماز ⑦ ماہ محرم اور موجودہ مسلمان
- ⑧ مسنون نکاح اور شادی بیاہ کی رسومات
- ⑨ مفروضہ کیوں کے نکاح اور ہماری عدالتیں
- ⑩ نیمیۃ الصبیح (تسہیل و تدوین) نواب سید صدیق حسن خاں

حافظ صلاح الدین یوسف کئی سال ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور کے ایڈیٹر رہے۔  
آپ مسائل حاضرہ پر بڑے اچھے انداز میں تبصرہ فرماتے ہیں اور آپ کے ادارے علمی حلقوں میں بہت پسند کیے جاتے تھے۔

کچھ مدت ہفت روزہ ”تنظیم الہدایت“ کے بھی مدیر رہے۔

حافظ صاحب وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد کے مشیر بھی ہیں اور پاکستان کی بیشتر علمی و تحقیقی کانفرنسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ ان کانفرنسوں میں آپ علمی و تحقیقی مقالات پڑھتے ہیں اور آپ کے یہ مقالات بڑے معلوماتی ہوتے ہیں۔

آج کل حافظ صاحب مکتبہ دارالسلام الریاض (سعودی عرب) سے وابستہ ہیں۔ مکتبہ دارالسلام کے زیر اہتمام آپ نے جو علمی خدمات انجام دے رہے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

- ① تفسیر احسن البیان: سلفی عقائد کی روشنی میں آپ نے یہ تفسیر لکھی ہے۔ نالی حلقوں نے اس تفسیر کو بہت پسند کیا ہے۔ دینی ادب میں آپ کا اسلوب نگارش ایک انفرادیت کا حامل ہے۔

② ترجمہ مع فوائد و حواشی ریاض الصالحین از امام نووی

(۳) ترجمہ بلوغ المرام از ابن حجر عسقلانی

حافظ صاحب بڑے خلیق، ملنسار، شریف النفس، حلیم الطبع، کم سخن، زہد و ورع کا پیکر اور اتقوی و طہارت کا مجسمہ ہیں۔ جامع مسجد اہلحدیث مدنی مصطفیٰ آباد کے خطیب بھی ہیں۔ راقم کو جب ملتے ہیں بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔



## محمد اسحاق بھٹی

مولانا محمد اسحاق بھٹی بن میاں عبدالحمید مرحوم جماعت اہلحدیث کے ممتاز عالم دین، مؤرخ، ادیب، دانشور، نقاد، محقق اور صحافی ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں ریاست کوٹ لپورہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ تمام علوم عالیہ و عالیہ کی تحصیل آپ نے مولانا بھوجیانی سے کی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفی اور حضرت العلامة مولانا حافظ محمد مجتہد گوندلوی سے بھی مستفیض ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد جڑانوالہ ضلع فیصل آباد کے ایک چک میں آباد ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کی تشکیل ہوئی تو مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کی سفارش پر مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے بھٹی صاحب کو ناظم دفتر جمعیت اہلحدیث مقرر کیا۔ اس وقت ہفت روزہ ”الاعتصام“ میں بھی ان کو مولانا محمد حنیف ندوی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔

مولانا محمد حنیف ندوی ”الاعتصام“ کے پہلے ایڈیٹر تھے اور کافی عرصہ ایڈیٹر رہے اور جب مولانا ندوی ادارہ ثقافت سے وابستہ ہو گئے تو بھٹی صاحب کو ”الاعتصام“ کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔ یہاں آپ تقریباً ۱۶ سال اس کے ایڈیٹر رہے۔ اس کے بعد بھٹی صاحب بھی ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے اور وہاں ادارہ کے علمی جریدے ”سہ ماہی“ ”انعارف“ کے ایڈیٹر رہے۔

مولانا بھٹی "ابحدیث" لاہور اور "توحید" لاہور کے بھی ایڈیٹر رہے ہیں۔ خود بھی بھٹی صاحب نے ۱۹۵۸ء سے روزہ "منہاج" جاری کیا اور یہ اخبار صرف ۱۴ ماہ جاری رہا۔ آج کل آپ "الاقتسام" کی مجلس ادارت میں شامل ہیں۔

بھٹی صاحب ایک کہنہ مشق صحافی اور ادیب ہیں۔ علوم اسلامیہ، خاص کر تاریخ پر ان کو بہت زیادہ عبور ہے اردو دائرہ المعارف الاسلامیہ میں بھی آپ کے کئی مقالات شامل ہیں۔

قدرت کی طرف سے بڑے اچھے دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے ہیں۔ رزق فکر، دردمند دل اور سلجھا ہوا دماغ پایا ہے۔ ذہانت و ذکاوت کے ساتھ قوت حافظہ کی نعمت سے بہرہ ور ہیں۔ ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم ہے تاریخ پر گہری اور تنقیدی نظر رکھتے ہیں۔ برصغیر کی سیاست سے نہ صرف باخبر ہیں بلکہ ہر قومی و ملی، دینی و مذہبی اور سیاسی تحریکات سے واقف ہیں۔ ہر تحریک کے قیام اور اس کے پس منظر سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ ہر تحریک کے بارے میں اپنی ایک ناقدانہ رائے رکھتے ہیں۔ جماعت اسلامی کا قیام جب عمل میں آیا تو اس میں ۷۰ علمائے کرام شامل ہوئے تھے۔ بھٹی صاحب بھی اس میں شامل تھے۔ اور سب سے کم عمر تھے۔ جو اس مجلس میں شریک ہوئے تھے۔ جماعت ابحدیث کی تاریخ سے بھٹی صاحب کو مکمل آگاہی ہے اور پرانے واقعات اپنے حافظہ کی بنا پر بیان کرتے ہیں۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ سے ریٹائرمنٹ کے بعد بھٹی صاحب نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ آج کل اپنا وقت تصنیف و تالیف ہی میں گزار رہے ہیں۔ بھٹی صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① کتاب الفہرست ابن الندیم کا اردو ترجمہ - ② فقہائے ہند (۹ جلد)

③ ارمغانِ حنیف (مولانا محمد حنیف ندوی کی سوانح حیات)

④ برصغیر کے اولین نقوش ⑤ نقوش عظمتِ رفتہ

⑥ بزمِ ارجمنداں ⑦ کاروانِ سلف

⑧ میاں فضل حق اور ان کی خدمات ⑨ قصوری خاندان

- (۱۰) چہرہ نبوت قرآن کے آئینہ میں۔ (مولانا محمد حنیف ندوی کی نامکمل کتاب کی تکمیل)
- (۱۱) محفل خرد منداں لشکر اسامہ بن زید (ترجمہ) (۱۲)
- (۱۳) سیرت قاضی محمد سلیمان منصور پوری سفرنامہ حجاز (۱۴)
- (۱۵) تحریک پاکستان میں علمائے اہلحدیث کی سیاسی خدمات
- (۱۶) سوانح صوفی محمد عبداللہ وزیر آبادی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی بڑے بااخلاق، بانداق، ملنسار، متواضع اور مہمان نواز ہیں۔ راقم آٹھ کے تقریباً ۴۰ سال سے تعلقات ہیں۔ جو پہلے دن تھے اب بھی اسی طرح ہیں۔ خدا خوش رکھے۔



## بشیر انصاری

مولانا بشیر انصاری بن میاں کریم بخش ۱۸ ستمبر ۱۹۳۲ء بمطابق ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ ضلع امرتسر کے ایک قصبہ بھنگواں متصل جنڈیالہ میں پیدا ہوئے۔ پاکستان معرض وجود میں آیا تو آپ کا خاندان ہجرت کر کے گوجرانوالہ میں آباد ہو گیا۔

انصاری صاحب کی عصری تعلیم ایم اے اردو اور ایم اے علوم اسلامیہ ہے۔ دینی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں حاصل کی۔

آپ نے جن اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا، ان کے نام یہ ہیں:

مولانا محمد علی جانباز، حافظ فتح محمد فتحی اور قاری محمد یحییٰ بھوجیانی۔ انصاری صاحب شروع ہی سے صحافت سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں جب اسلامیہ کالج گوجرانوالہ میں زیر تعلیم تھے، تو کالج میگزین ”المیزان“ کے مدیر مقرر ہوئے۔

آپ ہفت روزہ ”الیوم“ لاہور، ہفت روزہ ”الاسلام“ لاہور کے مدیر اعلیٰ رہے ہیں۔



آج کل آپ ہفت روزہ ”الہمدیث“ لاہور کے مدیر اعلیٰ ہیں ماہنامہ ”ترجمان الہدیث“ لاہور اور ماہنامہ ”والضحیٰ“ گوجرانوالہ کے مجلس ادارت کے رکن رہے ہیں۔

انصاری صاحب ایک کہنہ مشق صحافی ہیں۔ ان کے ادارے بڑے بڑے جاندار اور معلوماتی ہوتے ہیں۔ حالات پر بڑے اچھے انداز میں تبصرہ کرتے ہیں۔ بحیثیت مدیر الاسلام اور الہمدیث کئی دفعہ حکومت سعودیہ کی دعوت پر ”سعودی عرب“ کا دورہ کر چکے ہیں علاوہ ازیں ایک دو دفعہ لندن بھی تشریف لے گئے۔ کبھی کبھی ان کے علمی و تحقیقی مقالات بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کی ایک کتاب ”تحریک الہمدیث افکار و خدمات“ شائع ہو چکی ہے۔

انصاری صاحب بڑے منسار، خوش اخلاق اور متواضع ہیں۔ جب بھی ملتے ہیں بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ مہمان نواز بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے۔

## محمد خالد سیف

مولانا محمد خالد سیف بن محمد ادیس بن مولانا محمد بن مولانا محمد حنیف ۱۹۵۰ء مطابق ۱۳۶۹ھ چک ۳۶ رگ ب ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمد خالد سیف صاحب علم، محقق اور جید عالم دین ہیں۔ آج کل آپ اسلامی نظریاتی کونسل میں چیف مترجم ہیں۔ عصری تعلیم بی اے ہے اور پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل بھی ہیں۔ دینی تعلیم جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد میں حاصل کی۔ آپ نے مولانا حافظ عبداللہ بڈھیما لوی، مولانا شریف اللہ خاں سواتی، مولانا محمد عبداللہ جہال خانوآنہ، مولانا محمد عبدہ، مولانا پیر محمد یعقوب قریشی اور مولانا محمد صادق خلیل سے اکتساب کیا۔

تکمیل تعلیم کے بعد ۲ سال دارالعلوم رحمانیہ چک ۳۶ رگ ب میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد ۲ سال تک ادارہ علوم اثریہ اور ایک سال تک جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں علمی خدمات

انجام دیں۔

مولانا محمد خالد سیف تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ عربی۔ سے اردو ترجمہ کرنے میں ان کو خاصی مہارت ہے۔ علاوہ ازیں بڑے صاحب تحقیق عالم دین ہیں۔ آپ کی تصانیف و تراجم حسب ذیل ہیں:

(۱) مختصر سیرۃ رسول ﷺ

(۲) بلوغ المرام من أدلة الاحکام مع حواشی تعلیقات

(۳) تربیت نسواں

(۴) اسلام کا نظام تعزیرات

(۵) وسیلہ کے انواع و احکام

(۶) ائمہ سلف اور اتباع سنت (تالیف امام ابن تیمیہ۔ ترجمہ غلام احمد حریری، نخرتج محمد خالد

سیف)

(۷) کتابت حدیث تا عہد تابعین

(۸) تذکرہ شہید

(۹) ترتیب کلام شاہ اسماعیل شہید



## فصل دوم

امیر حسن سہوانی	۱	امیر احمد سہوانی	۲
نواب صدیق حسن خاں	۳	نواب نور الحسن خاں	۳
نواب علی حسن خاں	۵	عبدالرحیم مبارکپوری	۶
عبدالرحمن مبارکپوری	۷	عبدالسلام مبارکپوری	۸
عبید الرحمن مبارکپوری	۹	عبید اللہ مبارکپوری	۱۰
نور حسین گھر جاگھی	۱۱	خالد گھر جاگھی	۱۲
عبدالجبار کھنڈیلوی	۱۳	عبدالخالق رحمانی	۱۳
مولوی حاکم الدین	۱۵	ہدایت اللہ سوہروی	۱۶
محمد بن ابراہیم جونا گڑھی	۱۷	محمد سلیمان جونا گڑھی	۱۸
محمد اسماعیل سلفی	۱۹	حکیم محمود سلفی	۲۰
حافظ عبدالغفور	۲۱	محمد مدنی	۲۲
عبدالحمید عامر	۲۲	عطاء اللہ حنیف	۲۳
حافظ احمد شاہر	۲۳		

## سید امیر حسن سہوانی

مولانا سید امیر حسن سہوانی علمائے فحول میں سے تھے۔ ۱۲۲۳ھ میں سہوان (Sahsuan) میں پیدا ہوئے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا شاہ عبدالجلیل علی گڑھی، مولانا قاضی بشیر الدین قنوجی، صدر الدین آزرودہ دہلوی، شیخ عبدالحق محدث بنارس اور مولانا شاہ عبدالغنی مجددی سے کی۔ اور حدیث کی تعلیم حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد سہوان واپس آئے اور اپنے دولت کدہ پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بعد میں سوداگران دہلی کے اصرار پر دہلی تشریف لے گئے اور کچھ مدت دہلی میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد میرٹھ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور برسوں اس مدرسہ میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

بعد میں آپ سہوان واپس آ گئے۔ اور مسجد علی شاہ میں وعظ و تبلیغ اور درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا۔ اور آپ علی گڑھ بھی جاتے۔ وہاں بھی آپ وعظ و تبلیغ اور درس قرآن دیتے۔

مولانا سید امیر حسن سہوانی بلند پایہ عالم دین، معلم اور متکلم تھے۔ آپ عیسائی پادری اسکات مقیم بریلی سے مناظرہ ہوا اور پادری اسکات نے باوجود فطری تعصب کے آپ کے علمی تبحر کا اعتراف کیا۔ جب مولانا امیر حسن سہوانی کا ارتحال ہوا تو پادری اسکات لندن میں تھے۔ انہوں نے آپ کی خبر وفات پڑھ کر اخبارات میں آپ کی فضیلت اور تبحر علمی پر مضمون لکھا۔

تصنیف:

مولانا سید امیر حسن نے تصنیف میں ایک کتاب ”براہین اثنا عشر“ لکھی اس کتاب کی

تالیف کا پس منظر یہ ہے:

مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی نے تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین کے نام سے ایک کتاب عربی میں لکھی۔ اس کتاب میں حضرت شاہ شہید دہلوی نے اثبات۔ رفع الیدین کے بارے میں احادیث جمع کیں اور ساتھ ہی آمین بالجبر اور قرآنہ فاتحہ خلف الامام اور تقلید کی تردید میں اشارات فرمائے۔

مقلدین احناف کو اس کتاب کی اشاعت سے بہت ناگواری محسوس ہوئی اور ان کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ چنانچہ مولوی شاہ محمد پٹنی بریلوی جو ایک غالی مقلد تھے۔ اس کے جواب میں ”تنویر الحق“ کے نام سے کتاب لکھی۔ ”تنویر الحق“ کے جواب میں حضرت شیخ اکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی نے ”معیار الحق“ کے نام سے کتاب لکھی۔ جسے اہل علم نے بہت پسند کیا اور اس کی بہت تعریف و توصیف کی۔

”معیار الحق“ کی اشاعت سے علمائے تقلید بوکھلا گئے اور پہلے سے زیادہ متح پ ہو گئے۔ چنانچہ ”معیار الحق“ کے جواب مولوی ارشاد حسین رامپوری جو ایک غالی مقلد تھے۔ ”انتصار الحق“ کے نام سے جواب دیا۔

”انتصار الحق“ اس پایہ کی کتاب تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

”مجھ پر معیار الحق کی سنجیدہ اور روزنی بحث کا بہت اثر پڑا اور صاحب انتصار الحق کا

علمی ضعف صاف نظر آ گیا۔“

”انتصار الحق“ کی تردید میں حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کے چار تلامذہ نے

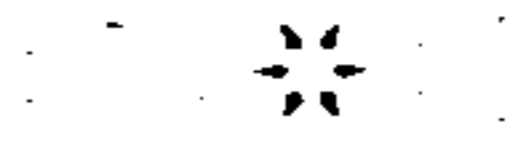
جواب لکھے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

- |   |                  |                             |
|---|------------------|-----------------------------|
| ① | براہین اثناء عشر | مولانا سید امیر حسن سہوانی  |
| ② | تلخیص الانظار    | مولانا سید احمد حسن دہلوی   |
| ③ | البحر الذخار     | مولانا شہود الحق عظیم آبادی |

اختیار الحق

مولانا احتشام الدین مراد آبادی

مولانا سید امیر حسن سہوانی نے ایک دن میں انصار الحق کا جواب لکھا تھا۔ مولانا سید امیر حسن نے ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں انتقال کیا۔



## سید امیر احمد سہوانی

مولانا سید امیر احمد بن سید امیر حسن ۱۲۶۲ھ میں سہوان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی و فارسی کی کتابیں اور صرف و نحو کی تحصیل اپنے والد مولانا سید امیر حسن سہوانی سے کی۔ اس کے بعد مواویٰ قلندر علی سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد دہلی تشریف لے گئے اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے تفسیر و حدیث کی تحصیل کی۔

مولانا سید امیر احمد سہوانی کامل الفن عالم تھے۔ تمام علوم میں ان کو یدِ نوٹی حاصل تھا اور قوی الحفظ تھے۔ عربی ادب و لغت میں ان کو کمال حاصل تھا۔ فلسفہ و منطق اور حکمت میں مکمل دسترس تھی۔ بہت بڑے متکلم اور مناظر تھے۔

مولانا سید امیر احمد بڑے عمدہ مصنف تھے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں:

① نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل (اردو)

② ذوالجلۃ فی حکم الصلوٰۃ علی العجلۃ (اردو)

مولانا سید امیر احمد سہوانی نے ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں انتقال کیا۔



## نواب سید صدیق حسن خاں

محی السنۃ امیر الملک والا جاہ السید نواب صدیق حسن خاں کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا شمار علمائے فنون میں ہوتا ہے۔ آپ بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، مؤرخ اور عربی، فارسی اور اردو کے بلند پایہ ادیب تھے۔ تمام علوم اسلامیہ میں ان کو مکمل دستگاہ حاصل تھی۔ دوسرے معنی میں آپ علوم اسلامیہ کا بحر ذخار تھے۔ ان کے علمی تبحر اور تمام علوم میں ان کی شرف نگاہی کا اندازہ ان کی تصانیف سے ہوتا ہے۔

مولانا سید نواب صدیق حسن خاں کا تعلق قنوج سے تھا۔ مگر آپ کی پیدائش بانس بریلی میں ہوئی۔ جہاں آپ کا نسیمال تھا۔ تاریخ ولادت ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۸ھ ہے اور آپ حسین سادات کے خاندان سے تھے۔ ۳۳ واسطوں سے آپ کا شجرہ نسب آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہے۔

صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ بن عزیز اللہ آپ کے والد مولانا سید اولاد حسن کا شمار ممتاز علمائے کرام میں ہوتا ہے۔ پہلے شیعہ تھے۔ مولوی عبد الباسط بن مولوی رستم علی کی تحریک سے شیعہ مذہب سے غلیجہ کی اختیار کی۔ مولانا مرزا حسن علی ہاشمی محدث اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے استفادہ کیا اور مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی سے بھی اکتساب فیض کیا۔ بعد ازاں امیر المؤمنین حضرت السید احمد شہید بریلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت سے سرفراز ہوئے اور اس کے بعد اسلام کی نشر و اشاعت اور توحید و سنت کی ترقی و ترویج میں اپنی زندگی صرف کر دی۔ ۱۲۵۳ھ بمطابق ۱۸۳۸ء میں انتقال کیا۔

حضرت مولانا سید نواب صدیق حسن خاں کے ایک بڑے بھائی مولانا سید احمد حسن عرشی تھے۔ ان کا شمار بھی ممتاز علمائے کرام میں ہوتا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا سید اولاد حسن سے حاصل کی۔ بعد ازاں حضرت شاہ عبدالجلیل سے علوم اسلامیہ میں تکمیل کی۔

اس کے بعد حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں حضرت شیخ عبدالغنی مجددی اور شیخ محمد عابد سندھی سے حدیث میں استفادہ کیا۔ تمام علوم اسلامیہ میں ان کو کمال حاصل تھا۔ عمل بالسنۃ کے بڑے شیدائی تھے۔ تصنیف میں بلوغ المرام کی شرح اور ردّ تقلید میں شباب ثاقب کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۸۶۰ء کو ۳۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

آغاز تعلیم:

مولانا نواب سید صدیق حسن خان ۵ سال کے تھے کہ ان کے والد مولانا سید اولاد حسن خان نے انتقال کیا۔ تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا۔ ان کے پہلے استاد ان کے برادر اکبر مولانا سید احمد حسن عرشی تھے۔ اس کے بعد ابتدائی عربی و فارسی کی کتابیں مولوی سید احمد علی فرخ آبادی، مولوی محمد حسین شاہ جہان پوری، محمد مراد بخاری اور مولوی محبت اللہ پانی پتی سے پڑھیں۔

دارالعلوم دہلی میں:

۱۲۲۹ھ میں نواب صاحب دہلی تشریف لے آئے اور فاضل اجل مفتی صدر الدین دہلوی کی خدمت میں ایک سال ۸ ماہ رہ کر علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔

اساتذہ حدیث:

مولانا سید نواب صدیق حسن خان نے حدیث کی تعلیم جن اساتذہ کرام سے حاصل کی ان کے نام یہ ہیں:

شیخ زین العابدین بن محسن بن محمد السبعمی الانصاری، شیخ عبدالحق محدث بناری تلمیذ امام شوکانی، شیخ یحییٰ بن محمد احمد بن حسن الحازمی (قاضی عدن)، شیخ العلامة سید نعمان خیر الدین آلوسی (مفتی بغداد)، شیخ العلامة حسین بن محسن الانصاری الیمانی، مولانا شاہ محمد یعقوب



دہلوی نبیرہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔

### فراغت تعلیم کے بعد:

۲۱ سال کی عمر میں نواب صاحب علوم متداولہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن قنوج پہنچے اور قنوج میں چند ماہ قیام کے بعد بہ سلسلہ تلاش معاش آپ بھوپال تشریف لے گئے۔ بھوپال کا اس وقت علم پروری میں غلغلہ بلند تھا۔ چنانچہ نواب صاحب تیس روپے ماہوار پر ملازم ہو گئے مگر ایک سال بعد ملازمت سے سبکدوش کر دیئے گئے اور نواب صاحب واپس قنوج چلے گئے۔ بعد میں دوبارہ بھوپال تشریف لے گئے۔ مگر اس بار بھی بھوپال میں ان کا قیام زیادہ عرصہ نہ رہا اور آپ ریاست ٹونک تشریف لے گئے اور مبلغ پچاس روپے ماہوار پر ملازم ہو گئے۔ تیسری مرتبہ صفر ۱۲۷۶ھ میں بھوپال پہنچے اور اب کی بار ان کا قیام مستقل طور پر بھوپال میں ہو گیا۔ مدارالمہام نشی محمد جمال الدین کی صاحبزادی سے نکاح بھی ہو گیا اور دوسری طرف حضرت نواب صاحب کے قیام کی ایک مستقل صورت اس طرح پیش آئی کہ نواب شاہ جہاں بیگم صاحب رئیسہ بھوپال نے جو پوہ ہو چکی تھیں ان سے نکاح کر کے شریک امور سلطنت بنا لیا۔ جس کی وجہ سے آپ دین و دنیا کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے اور اس کی بدولت دین اسلام کی خدمت میں وہ حصہ لیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

### علمی خدمات:

مولانا سید نواب صدیق حسن خان نے اشاعت دین اسلام، توحید و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید و توثیح میں جو گرانقدر علمی خدمات سرانجام دیں، وہ تاریخ اہلحدیث کا ایک زریں باب ہے۔ قرآن و حدیث کی اشاعت میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

علمائے اہلحدیث کی تدریسی و تصنیفی خدمات بھی قدر کے قابل ہیں۔ پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے قلم اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا، بھوپال ایک زمانہ تک علمائے حدیث کا مرکز رہا۔ قنوج، سہوان اور اعظم لڑھ کے بہت

سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کر رہے تھے۔ شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے۔

حضرت نواب صاحب مرحوم و مغفور نے زر کثیر صرف کر کے فتح الپاری شرح صحیح بخاری، تفسیر ابن کثیر مع فتح البیان فی مقاصد القرآن، اور نیل الاوطار چھپوا کر علمائے اسلام میں منت تقسیم کیں۔

تصانیف:

مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے عربی، فارسی اور اردو میں ۲۲۲ کتابیں لکھیں۔  
مولوی ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی نے ان کی تفصیل حسب ذیل جدول کے مطابق  
”تراجم علمائے حدیث ہند“ میں نقل کی ہے:

تعداد	نام فن
۶	تفسیر
۳۳	حدیث
۳۰	عقائد
۲۳	فقہ
۱۱	تردید تقلید
۶	سیاست
۲۲	تاریخ و سیر
۱۳	مناقب
۲۲	علوم و ادب
۱	تردید شیعیت
۵۵	تصوف و اخلاق
۲۲۲	میزان

## نواب صاحب کی بہترین تصانیف:

حضرت نواب صاحب مرحوم خود فرماتے ہیں کہ میری تالیفات میں جو کتابیں معتبر یا

علم الہدی کا درجہ رکھتی ہیں وہ یہ ہیں:

- |  |                          |
|--|--------------------------|
| ۱۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن                | ۲۔ عون الباری            |
| ۳۔ السراج الوہاج                             | ۴۔ حضرات التجان          |
| ۵۔ التاج المکمل                              | ۶۔ مسک الختام            |
| ۷۔ نیل الرام                                 | ۸۔ اللیل الکرامہ         |
| ۹۔ حصول المامول                              | ۱۰۔ ذخیر المحتسب         |
| ۱۱۔ الروضۃ الندیہ                            | ۱۲۔ ظفر اللاضی           |
| ۱۳۔ الجنة فی الاسوۃ الحسنۃ                   | ۱۴۔ رسالہ دوزخ           |
| ۱۵۔ نزل الابرار                              |                          |
| ۱۶۔ افادۃ الشیوخ بقدر الناسخ والمنسوخ        | ۱۷۔ بدور الابلہ          |
| ۱۸۔ تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار |                          |
| ۱۹۔ جحجج الکرامہ                             | ۲۰۔ دلیل الطالب          |
| ۲۱۔ ریاض المرتاض                             | ۲۲۔ ضوء الشمس            |
| ۲۳۔ خیرۃ الخیرہ                              | ۲۴۔ لسان العرفان         |
| ۲۵۔ الدر البہیہ                              |                          |
| ۲۶۔ الانتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح   |                          |
| ۲۷۔ الحطہ فی ذکر الصحاح ستہ                  |                          |
| ۲۸۔ رسالۃ ذم علی الکلام                      | ۲۹۔ اربعون اخبار متواترہ |
| ۳۰۔ المعتقد المنقد                           | ۳۱۔ اجویۃ بعض الاسئلۃ    |
| ۳۲۔ رسالہ احتوی                              | ۳۳۔ اتحاف النبلاء        |

۳۳۔ الاکسیر فی اصول التفسیر

۳۵۔ ترجمان القرآن

۳۶۔ ابجد العلوم

۳۷۔ ابقاء المنن بالقاء المحن

۳۸۔ فتح العلام بشرح بلوغ المرام

۳۹۔ لقطه العجلان مماتمس الی معرفته حاجته الانسان

۴۰۔ الروض البسام من ترجمه بلوغ المرام

نواب صاحب نے ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۷ فروری ۱۸۹۰ء بھوپال میں

انتقال کیا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

## نواب نور الحسن خاں

رضی الدولہ مصاصم الملک نواب سید نور الحسن خاں حضرت والا جاہ امیر الملک مولانا سید  
نواب صدیق حسن خاں کے فرزند اکبر تھے۔  
مولانا سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں کہ:

مولانا نواب نور الحسن خاں امیر الملک والا جاہ نواب سید صدیق حسن خاں کے بڑے  
بیٹے تھے۔ ۲۰ رجب ۱۲۷۸ھ کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد و دیگر علماء و محدثین  
سے علوم عالیہ کی تحصیل کی اور افتخار الشعراء حافظ خان محمد خاں شہیر سے مشق سخن کی۔

ایک مدت تک اپنے والد اور نواب شاہ جہان بیگم عالیہ بھوپال کے سارے عاطفت میں  
نہایت عیش و آرام سے زندگی بسر کی۔ بچپن ہی سے مزاج میں بے تعلقی اور وارگی تھی۔ جمال  
الدین خاں کے بعد نواب شاہ جہان سے بیگم مرحومہ نے چاہا کہ ان کو مدارالمہام مقرر کریں۔  
مگر اس کو منظور نہیں کیا۔ حقائق و معارف کے دلدادہ تھے۔ مطالعہ یا مذاکرہ میں صرف اوقات

کو پسند کرتے تھے۔

نواب شاہ جہان بیگم کے انتقال کے بعد لکھنؤ میں آ کر بود و باش اختیار کی اور اسی بے تعلقی اور وارفتگی میں زندگی بسر کر دی۔ آخر زمانہ میں گونا گوں امراض میں مبتلا ہو جانے خصوصاً اختلاج قلب اور خفقان کی وجہ سے کاوش فکر کی عادت جاتی رہی تھی۔ مگر اس پر بھی تھوڑے تامل کے بعد نہایت آبدار شعر کہہ لیتے، زود نویس ایسے تھے کہ جب بیٹھ جاتے تو جز دو جز ایک جلسہ میں لکھ کر اٹھتے۔ زود نویسی کے ساتھ شیریں قلم بھی تھے۔ اور ان دونوں باتوں میں اپنے والد ماجد کی یادگار تھے۔ ذہن نہایت سلیم تھا۔ حافظہ کی کیفیت یہ تھی کہ ۲۵/۳۰ برس پہلے حدیث شریف کی کتابیں پڑھی تھیں۔ مگر موقع آ جاتا تو متن اور اسناد۔۔۔ ساتھ روایت پیش کر دیتے۔

فیاضی اور سیر چشمی میں اپنے نانا (منشی محمد جمال الدین خاں مدار المہام) کے نظیر تھے۔ امیر، فقیر، بچہ، بوڑھا جو آتا اس کو کچھ دیئے بغیر نہ رہتے اور دینا بھی ایسا جو اس کے مناسب حال ہو اور دیتے بھی اس طرح کہ ایک ہاتھ سے دیں اور دوسرے کو خبر نہ ہو۔ ان کے بچوں کو معلوم نہ تھا کہ بیوی کو کیا دیا اور بیوی کو معلوم نہ تھا کہ بیٹی کو کیا دے آئے ہیں۔ اسی پر باہر والوں کا قیاس کرو۔

بڑی خصوصیت ان کے دینے کی یہ تھی کہ دیتے اس طرح سے تھے کہ لینے والے کو شرمندگی ہوتی اور اس کو بغیر لیے نہ بن پڑتا۔ دینے کی اور کوئی تدبیر نہ بن پڑنی تو جس کو کچھ دینا ہوتا اس کی شکستہ اور بوسیدہ چیز کی تعریف کرتے اور کہتے کہ یہ مجھے پسند ہے، ہیری فلاں چیز سے بدل لیجئے۔ وہ کہتا کہ بدلنے کی کیا ضرورت ہے آپ اس کو یونہی قبول فرمائیے۔ تو اس کو نہ مانتے اور بدل کر چھوڑتے اور اس کو دوسرے وقت کسی اور حاجت مند کو دے دیتے۔

دستر خوان بڑا وسیع تھا اور مزے دار کھانوں کے تیار کرانے کا شوق تھا۔ اپنے باورچی خانہ میں بہ روز طرح طرح کے کھانے پکائے جانے کا حکم دیتے۔ علاوہ اس کے شہر میں جہاں کہیں ہوشیار کا بدار آ جاتا تو بلا کر اس سے پکواتے۔ یا عرب و عجم سے کوئی سیاح آ جاتا تو اس

سے ترکیبیں پوچھتے اور پکانے کی فرمائش کرتے اور بے تکلف دوستوں کو مدعو کر کے خود بہت کم کھاتے، مگر دوسروں کو اصرار کر کے کھلاتے۔

مرنے سے تقریباً ۱۵ سال پہلے مجھ سے شناسائی ہوئی۔ اور وہ یونانیو منائی کہ ان کو بغیر مجھ سے ملے چین نہ آتا تھا۔ ہر روز ایک دو بار ضرور تشریف لاتے۔ اور گھڑیوں بیٹھتے اور اس فکر میں رہتے کہ مجھ کو ساتھ لے جائیں۔

گھر میں اگر کسی کو چھینک آگئی اور ان کو معلوم ہو گیا تو فوزا تشریف لاتے اور کہتے کہ چلئے کہ فلاں مریض کو دکھانا ہے۔ وہاں پہنچتے تو اکثر ایسا ہوتا کہ علمی اذکار یا کھانے پینے کے شغل میں سارا وقت کٹ جاتا اور کسی مریض کو دیکھنے کی نوبت نہ آتی اور کچھ بہانہ نہ ملتا۔ تو حسب معمول صبح سے آ کر مطب میں بیٹھ جاتے۔ جس وقت بھیڑ چھٹ جاتی۔ کہتے کہ میں نے فلاں کتاب نئی منگوائی ہے چل کر دیکھو یا میں نے تمہارے لیے خاص کر فلاں فلاں کھانے پکوائے ہیں۔ غرض کہ ہر روز کوئی نہ کوئی بہانہ لے جانے کا تلاش کر لیتے۔ مگر باوجود اس کے کہ ہر وقت یکجائی رہتی۔ دور باش اور ادب کا رکھ رکھاؤ اخیر وقت تک قائم رہا۔ جس سے زیادہ تصور میں نہیں آ سکتا۔ میں ان سے عمر میں چھوٹا اور فضیلت علمی میں کم پار تھا۔ مگر محبت کا قانون نرالا قانون ہے۔ خدا جانے کیوں وہ میرا ادب کرتے تھے۔ گاڑی میں کبھی میرے پاس نہیں بیٹھے۔ میرے سامنے کبھی ننگے سر نہیں بیٹھے۔ مرض الموت میں بھی باز جو شدت تنفس کے جس وقت گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کرتے اور خود نہ اٹھ سکتے تو آدمیوں کو حکم دیتے کہ وہ اٹھا کر بٹھادیں۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اس وضعداری کو اب ترک کر دیں۔ مگر نہیں مانا۔ صرف اس وقت لیئے۔ جب سکرات کی حالت میں اٹھ نہ سکتے تھے اور حیف عمد ہزار کہ گنج خوبی محرم ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹۱۸ء کو پیوند زمین ہو گیا۔

تصانیف:

مولانا سید نور الحسن خاں عالم، ادیب، شاعر اور بہت نقاد تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں دسترس تھی۔ شعر و سخن سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ آپ فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔

شعراء میں خواجہ میر درد سے بہت زیادہ عقیدت تھی اور خواجہ میر درد کی بہت سی کتابیں سرکار عالیہ بھوپال سے کہہ کر چھپوائیں۔

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- ① الرحمة المهداة الی من یزید بزيادة العلم علی احادیث المشکوٰۃ (عربی)
- ② منتخب علم الیوم واللیلہ لابن السنی (عربی)
- ③ انوار المشارق (عربی)
- ④ الجوائز والصلوة من جمیع الاسامی والصفات (عربی)
- ⑤ کتاب السننہ ببشارة الجنة اهل السنة (عربی)
- ⑥ المنهج المقبول من شرائع الرسول (عربی)
- ⑦ عرف الجادی من جنان ہدی البادی (فارسی)
- ⑧ سلطان الاذکار
- ⑨ منتخب عوارف المعارف
- ⑩ منتخب تاریخ الخلفاء
- ⑪ تذکرہ شعراء الفرس
- ⑫ تذکرہ شعراء البند
- ⑬ تذکرہ طور کلیم (فارسی)
- ⑭ طراز عشق (اردو) منظوم
- ⑮ مجموع لطیف



## نواب علی حسن خاں

مولانا سید نواب علی حسن خاں بن مولانا سید نواب صدیق حسن خاں ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۶ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔

۱۲۸۷ھ بمطابق ۱۸۷۰ء میں ان کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ فشی محمد جمال الدین مدار الہمام

جونواب علی حسن کے نانا تھے اور مولانا عبدالقیوم بھوپالی نے جو مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی کے داماد تھے، رسم بسم اللہ کرائی

مولانا سید نواب علی حسن خاں نے جن اساتذہ کرام سے علوم عالیہ کی تکمیل کی ان کے نام یہ ہیں:

حافظ پیر محمد صاحب، مدار المہام منشی محمد جمال الدین خاں، مولانا محمد حسن بلگرامی، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری، مولوی الہی بخش مرحوم، مولانا سید ذوالفقار احمد بھوپالی، مولانا حافظ عبدالعزیز بھوپالی، مولوی عبدالرشید شوبانی کشمیری، مولانا عبدالبری سہوانی، مولانا بدیع الزمان لکھنوی، مولانا سید نواب صدیق حسن خاں، مولانا حکیم محمد اسحاق لکھنوی، مولوی علی حسین بنگالی، حکیم معز الدین، حکیم عبدالعلی لکھنوی، منشی حسین خاں، ماسٹر فیاض الدین، ماسٹر عبدالرحمن بیگ، ماسٹر بھاری لعل، غلام محبوب خاں، سید امیر علی۔

تکمیل تعلیم کے بعد کچھ مدت بھوپال میں رہے۔ ۱۳۰۵ھ میں آپ کو مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے آپ کو اپنے آبائی مکان کی تعمیر کے لیے قنوج بھیجا۔ قنوج میں آپ کچھ دن قیام پذیر رہے اور مکان کی تعمیر مکمل کرائی۔ واپسی پر آپ مراد آباد تشریف لے گئے اور مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی بیعت ہوئے۔ اس کے بعد آپ واپس بھوپال تشریف لائے۔

نواب علی حسن خاں کا زیادہ وقت مطالعہ میں گزرتا تھا۔ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی میں اچھی دسترس تھی۔ اس لیے زیادہ وقت مطالعہ میں گزارتے۔ نواب علی حسن خاں اصلاحی و ملی تحریکوں میں حصہ لیتے رہتے تھے۔ ۱۹۱۳ء بمطابق ۱۳۳۲ھ میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اسٹرائیک ہو گئی۔ جس سے مسلمان لیڈروں اور مشاہیر اسلام کو سخت کوفت ہوئی۔ ان سب نے مل کر کوشش کی کہ اسٹرائیک کو ختم کرایا جائے۔ چنانچہ حکم اجمل خاں اور مولانا محمد علی جوہر نے اس میں پوری دلچسپی لی اور دہلی میں ایک مجلس مشاورت بلائی گئی۔ اس مجلس مشاورت کا اجلاس ۱۰ مئی ۱۹۱۳ء کو دہلی میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کی صدارت میں منعقد ہوا اور



اسرائیک کو ختم کرانے اور اس کے ساتھ ندوہ کے لیے ایک دستور العمل بنانے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ کمیٹی کے ارکان یہ تھے:

سیح الملک حکیم اجمل خاں، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی، مولانا ثناء اللہ امرتسری خواجہ غلام الثقلین، نواب علی حسن خاں اور حکیم عبدالولی لکھنوی۔

۱۷ فروری ۱۸۹۰ء میں نواب سید صدیق حسن خاں نے بھوپال میں انتقال کیا۔ اس کے بعد نواب علی حسن خاں ۱۰ سال تک بھوپال میں مقیم رہے۔ ۱۹۰۱ء میں بھوپال سے ترک سکونت کر کے لکھنؤ آ گئے۔ وہیں لال باغ میں ایک کوٹھی خریدی اور اس میں توسیع و اضافہ کر کے سکونت اختیار کی، جو عرصہ تک اہل علم و اہل کمال کی فرودگاہ رہی اور علمی و ملی خدمات میں مشغول ہو گئے۔

نواب علی حسن خاں کو ندوہ کی تحریک سے ہمیشہ شغف رہا۔ علامہ شبلی نے قلبی لگاؤ تھا۔ اس لیے ندوہ کے کاموں میں دلچسپی رکھتے تھے۔ مولانا سید عبداللحی الحسنی کے وہ نظامت میں ندوہ کے معتمد مال تھے۔ مولانا عبداللحی الحسنی کے انتقال ۲ فروری ۱۹۲۳ء کے بعد آپ ندوہ کے ناظم مقرر ہوئے اور اپنی عمر کے آخری دن تک ندوہ کے کاموں میں دلچسپی لیتے رہے۔

مولانا سید نواب علی حسن خاں نے ۳ رمضان ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹ نومبر ۱۹۳۶ء (۷۲ سال) کی عمر میں لکھنؤ انتقال کیا۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے آپ کی وفات پر معارف دسمبر ۱۹۳۶ء میں لکھا کہ:

”صفی الدولہ حسام الملک شمس العلماء نواب سید محمد علی حسن خاں نے ۱۹ نومبر ۱۹۳۶ء مطابق ۳ رمضان ۱۳۵۵ھ کی صبح کو اپنی کوٹھی بھوپال ہاؤس لال باغ لکھنؤ میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ افسوس ہے کہ ایک پرانے خاندان کے فضل و کمال اور جاہ و جلال کی یادگار آج مٹ گئی۔“

مرحوم ان لوگوں میں سے تھے جن کی آنکھوں نے مسلمانوں کے علمی و تعلیمی سیاسی و تمدنی انقلاب کے مناظر دیکھے۔ وہ پیدا تو ایک کنزرویٹیو گھرانے میں ہوئے اور اسی حوال میں تعلیم

و تربیت پائی لیکن فطرت کی طرف سے وہ ایک اثر پذیر احساس دل میں لائے تھے۔ وہ سرسید کی جدید تعلیمی تحریک اور پھر ندوۃ العلماء کی مذہبی تحریک میں شریک ہوئے اور ہر قسم کی جانی و مالی خدمتیں انجام دیں۔ مدت تک ندوہ کے اعزازی ناظم رہے۔ دارالمصنفین کے اساسی ارکان میں تھے اور لکھنؤ کی ہر سنجیدہ تحریک میں ان کا نام سرفہرست رہتا تھا۔

وہ عربی زبان کے عالم، فارسی زبان کے ماہر اور اردو کے مشاق تھے۔ فارسی شعر و سخن اور محاورات پر ان کو عبور کامل حاصل تھا۔ فارسی کا مشکل سے کوئی اچھا شعر ہوگا جو ان کو یاد نہ ہو۔ خود بھی فارسی میں اکثر اور اردو میں کم تر شعر کہتے تھے۔ انہوں نے اپنے والد ماجد کے زمانہ عروج میں دنیا بھر کے مشرقی علماء، فنسلا، کی صحبتیں اٹھائی تھیں اور سوائے علمی و ادبی چہ چوں کے ان کے کانوں میں کوئی بات پڑی بھی نہ تھی۔ ان کے لیے ان کے والد نے ہر فن کے باکمال استاد مقرر کیے تھے۔ جن کے سایہ تربیت میں پل کر وہ جوان ہوئے۔

مذہبی خیالات میں گو وہ عقلیت کی طرف مائل تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ مذہبی پابندی ان میں اتنی سخت تھی کہ ان کی ایک نماز بھی ان کے مقررہ وقت سے ٹلنے نہیں پاتی تھی۔ رسم و رواج و بدعات کا ان کے گھر میں نشان تک نہ تھا اور اس بارے میں وہ نہایت سخت تھے۔ ان کی محفل میں علم و فن، شعر و سخن اور قومی مسکلوں کے سوا کوئی اور مذکور نہ تھا۔

صفی الدولہ حسام الملک اب تو وہاں ہے جہاں کسی کی دولت ہے اور نہ کسی کا ملک ہے۔ تیرے اعمال نیک کی دولت تیرے کار خیر کی مملکت تیرے ساتھ ہے۔ دعا ہے کہ وہ شہنشاہ علی الاطلاق اپنے ملک کی لازوال دولت جاوید سے تجھ کو سرفراز فرمائے۔“

تصانیف:

مولانا نواب سید علی حسن خاں ادیب، عالم، سخن فہم، سخن سنج اور صاحب قلم تھے۔ ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) حضیرۃ القدس و ذخیرۃ التاسیس (عربی) (۲) فطرۃ الاسلام

- ۳ دین دار اور دنیا دار ۴ المدینہ فی الاسلام  
 ۵ کتاب تفریح الوصایا من خیابا الزوایا (عربی)  
 ۶ سیرۃ الاسلام ۷ ماثر صدیقی (۴ جلد)  
 ۸ طالع المقذور من مطالع الدهور ۹ مذاق سخن  
 ۱۰ ہدیۃ شاہجہانیہ حل مرقات میزانیہ (فارسی)  
 ۱۱ موارد المصادر ۱۲ تعلیم و تربیت  
 ۱۳ البیان ۱۴ مردم دیدہ



## عبدالرحیم مبارکپوریؒ

مولانا حافظ عبدالرحیم مبارکپوری بن شیخ بہادر علی مبارکپوری ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ہوش سنبھالا تو سب سے پہلے قاضی امام الدین جون پوری کے زیر نگرانی قرآن مجید حفظ کیا اور ساتھ ہی ان سے قراءت اور تجوید کی تعلیم بھی حاصل کی۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل پہلے مدرسہ ”چشمہ رحمت“ غازی پور میں کی۔ بعد ازاں مولانا فیض اللہ اور مولانا حسام الدین اور مولانا قاضی محمد مچھلی شہری سے بھی اکتساب فیض کیا۔

حافظ عبدالرحیم پر اپنے اساتذہ کا رنگ بہت غالب تھا۔ اس لیے اتباع سنت میں پیش پیش رہتے تھے اور مبارکپور میں عمل بالسنۃ کی رسم آپ ہی کی وجہ سے ہوئی۔

ان کی زیادہ تدریس ”حفظ قرآن“ تھی اس اعتبار سے مبارکپور اور اس کے گرد و نواح میں تمام حافظان کے شاگرد تھے۔

اولاد میں مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی کو کون نہیں جانتا، یہ ان کے نور نظر تھے۔

حافظ صاحب نے رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۱۲ء مبارکپور میں انتقال کیا۔

## عبدالرحمن محدث مبارکپوری

شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ میں مولانا عبدالرحمن مبارکپوری محتاج تعارف نہیں۔ آپ ایک بلند پایہ عالم دین، محدث، فقیہ اور مفتی تھے۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری اپنے علم و فضل کے اعتبار سے نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں مشہور و معروف تھے بلکہ عالم اسلام کے دینی و علمی حلقوں میں ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و عمل کے لحاظ سے صاحب کمالات بنا دیا تھا۔ آپ علوم اسلامیہ میں اپنے تبحر علمی کے اعتبار سے جامع الکمالات تھے۔ تفسیر، حدیث، ذنہ، اصول فقہ، ادب و لغت، تاریخ و انساب، فلسفہ و منطق اور صرف و نحو میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ علم حدیث میں ان کو امامت کا درجہ حاصل تھا۔ حافظہ بہت قوی تھا۔ آخری عمر میں مکفوف البصر ہونے کے باوجود ہر قسم کے فتاویٰ زبانی لکھواتے تھے۔ فقہ پر بھی ان کو مکمل عبور حاصل تھا اور اپنی تصانیف میں مجہدانہ شان رکھتے تھے۔ فقہائے احناف کے بارے میں تشدد تھے اور بڑی شد و مد سے ان کا رد کرتے تھے مگر یہ معاملہ صرف تصانیف کی حد تک تھا جو سراسر علمی و تحقیقی ہوتا تھا۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صحیح معنوں میں منبع سنت تھے اور صفات باری تعالیٰ کے معاملہ میں ماورد بہ الكتاب والسنتہ پر ایمان رکھتے تھے۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری بن حافظ عبدالرحیم ۱۲۸۳ھ میں مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا اور قرآن مجید کی تعلیم اپنے والد حافظ عبدالرحیم سے حاصل کی ان کے والد مولانا قاضی محمد مچھلی شہری کے شاگرد تھے اور انہی سے

ان کے خاندان میں عمل بالحدیث شروع ہوا۔

قرآن مجید پڑھنے کے بعد ابتدائی عربی و فارسی کی کتابیں مبارکپور کے اطراف کے علماء و اساتذہ یعنی مولوی خدا بخش اعظم گڑھی، مولوی محمد سلیم فراہی، مولانا عبدالرحمن جیراج پوری، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری اور مولانا محمد فیض اللہ مٹوی سے پڑھیں۔ مولانا فیض اللہ مٹوی سے فقہ و اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں داخل ہوئے، یہ مدرسہ اس وقت بہت مشہور تھا۔ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری اور مولانا محمد فاروق چریا کوٹی کا اس مدرسہ میں فیض جاری تھا۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری سے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم معقول و منقول، ادب و معانی اور ہیئت میں استفادہ کیا۔ مدرسہ چشمہ رحمت میں آپ کا قیام ۵ سال رہا۔ اس کے بعد آپ حضرت محدث غازی پوری کے ایماء پر حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی، ہدایہ، نخستہ الفکر اور مکمل صحاح ستہ بشمول بلوغ المرام، مشکوٰۃ اور مؤطا امام مالک پڑھیں۔ دہلی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا عبدالرحمن مبارکپوری بھوپال تشریف لے گئے۔ اور علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، سنن دارمی، مسند امام شافعی، مسند احمد بن حنبل، ادب المفرد بخاری، معجم صغیر طبرانی کے اطراف پڑھ کر، ان کتابوں کی روایت کی اجازت حاصل کی اور ۱۳۱۳ھ میں قاضی محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری سے حدیث ”مسلسل بالاولیۃ“ کی سند لی۔

تدریس:

فراغت تعلیم کے بعد مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی ساری زندگی تدریس میں صرف ہوئی۔ اپنے پہلے آبائی گاؤں مبارکپور میں پڑھایا۔ اس کے بعد قصبہ بلرام پور (گوٹھہ) میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد اللہ نگر (گوٹھہ) میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد مدرسہ سراج العلوم گوٹھہ، مدرسہ

احمدیہ آریہ، مدرسہ دارالقرآن والسنۃ کلکتہ اور مدرسہ میاں صاحب دہلی میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

تلاذہ:

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کے تلاذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان میں چند حضرات کے نام پر اکتفا کرتا ہوں، جو اپنے علم و فضل کے اعتبار سے بعد میں خدمتِ حدیث کے وارث بنے اور قرآن و حدیث کی خدمات میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو تاریخ اہل حدیث میں ایک زریں باب ہے:

❁ مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرۃ البخاری

❁ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری صاحب مرعۃ المفاتیح

❁ مولانا عبدالجبار محدث کھنڈیلوی

❁ مولانا ذریا احمد دہلوی

❁ شیخ علامہ تقی الدین المراکشی

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے تقریباً ۴ سال تک مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب ”عون المعبود“ کے ساتھ رہ کر عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد کی تالیف میں معاونت کی۔ عون المعبود کے مقدمہ میں ہے:

کتب العلامة ابو الطیب شمس الحق العظیم آبادی وقوف علی معاونتہ فی اکمالہ العلامة ابو العلی محمد عبدالرحمن بن عبدالرحیم المبارکپوری صاحب تحفة الاحوذی مدتہ اربع سنین۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے ۱۶ شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۳۵ء مبارکپور میں انتقال کیا۔ ان کے جنازہ میں بہت ہجوم تھا۔ ابویحییٰ امام خان نوشہروی لکھتے ہیں کہ:

”جنازہ پر زائرین کا ہجوم علاقہ بھر میں اپنی نظیر تھا۔ بلا تفریق مشرب تمام فرقہ

اسلامیہ شامل تھے۔ قصبہ منو سے جو مبارکپور سے چوتھا ریلوے اسٹیشن ہے، زائرین سے بھری ہوئی ٹرین آئی اور راہ میں کسی اسٹیشن پر نہر کی مبادا کہ زائرین نماز جنازہ سے محروم رہ جائیں۔“

### تصانیف:

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کے تبحر علمی اور حدیث میں یگانہ روزگار ہونے پر ان کی تصانیف شاہد ہیں۔ ان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف کی تعداد ۱۹ ہے۔

### مطبوعہ:

- ① تحفۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی (عربی)
- ② مقدمہ تحفۃ الاحوذی (عربی)
- ③ نور الابصار (اردو)
- ④ تنویر الابصار فی تائید نور الابصار (اردو)
- ⑤ کتاب الجنائز (اردو)
- ⑥ تحقیق الکلام فی وجوب القراءة خلف الامام (اردو)
- ⑦ اعلام اہل الزمن من تبصرہ آثار السنن (اردو)
- ⑧ ابکار المنن فی تنقید آثار السنن (عربی)
- ⑨ نساء الابصار فی رد تبصرہ ”الانظار“ (اردو)
- ⑩ خیر الماعون فی منع الفرار من الطاعون (اردو)
- ⑪ الذرائع المکنون فی تائید خیر الماعون (اردو)
- ⑫ المقالة الحسنی فی سنیۃ المصافحہ بالید الیمنی
- ⑬ شفاء العلل فی شرح کتاب العلل (عربی)

### غیر مطبوعہ:

- ⑭ ارشاد الہام الی اخصاء البہائم (اردو)

- ⑮ الوشاح الابریزی فی حکم الدواء الانکلیزی (اُردو)  
 ⑯ الکلمة الحسنی فی تائید المقالة الحسنی (اُردو)  
 ⑰ رسالہ در حکم دعا بعد صلوة مکتوبہ (اُردو)  
 ⑱ رسالہ عشر

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے اپنے اساتذہ شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی اور مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کے فتاویٰ بھی جمع کیے، جن میں مولانا سید محمد نذیر حسین کے فتاویٰ بنام ”فتویٰ نذیریہ“ دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں اور فتاویٰ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری ابھی تک چھپ نہیں سکا۔



## عبدالسلام مبارکپوریؒ

مولانا حکیم عبدالسلام مبارکپوری بن شیخ خان محمد بن شیخ امان اللہ بن شیخ حسام الدین مبارکپوری مشہور علمائے دین میں سے تھے۔ جنہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ساتھ حکمت و طبابت میں زندگی بسر کی۔

مولانا عبدالسلام ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے مولانا عبدالرحیم مبارکپوری سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے جن اساتذہ کرام سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی

مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری

مولانا محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری

شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی



فراغتِ تعلیم کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اس سلسلہ میں یوپی کے مختلف دینی مدارس میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ جن دینی مدارس میں آپ نے تدریس فرمائی ان کی تفصیل یہ ہے:

مدرسہ دارالحدیث صادق پورینہ ۱۵ سال

مدرسہ فیض عام مصلح اعظم گڑھ ۳ سال

مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث بونڈھیال ۴ سال

دارالحدیث رحمانیہ دہلی (زندگی کے آخری قیام تک قریناً ۱۸ سال)

مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب علم و فضل تھے۔ تمام علوم اسلامیہ میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① تاریخ منوال و اہلہ (یہ کتاب آپ نے صادق پور پٹنہ میں تالیف کی)

② سیرۃ البخاری ③ تصوف

④ اسلامی تمدن ⑤ الاجازۃ بتکرار صلوٰۃ الجزۃ

مولانا عبدالسلام مبارکپوری نے ۱۰ رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۴ فروری ۱۹۲۳ء دہلی

میں انتقال کیا۔



## عبید الرحمن مبارکپوریؒ

مولانا عبید الرحمن بن مولانا عبدالسلام مبارکپوری مبارک پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم گھر میں اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ بعد میں تین سال تک مدرسہ فیض عام منو میں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد آپ مدرسہ مظاہر الاسلام سہارن پور

چلے گئے۔ وہاں آپ نے جملہ علوم و فنون کی تکمیل کر کے ۱۳۵۶ھ میں سند دریافت حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دارالحدیث رحمانیہ دہلی تشریف لائے اور دو سال اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کر کے سند حاصل کی۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان کے نام یہ ہیں:

مولانا سکندر علی، مولانا شریف اللہ، شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی تکمیل تعلیم کے بعد دارالحدیث رحمانیہ ہی میں مدرس ہو گئے۔ تھوڑا ہی عرصہ پڑھایا کہ مدرسہ مل و دق میں مبتلا ہو گئے اور اپنے وطن مبارکپور چلے گئے۔ یہاں آپ نے ۱۰/۱۰/۱۳۶۲ھ میں انتقال کیا۔



## عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

مولانا عبید اللہ رحمانی بن مولانا عبدالسلام مبارکپوری محرم ۱۳۲۷ھ میں مبارکپور ضلع اعظم ٹڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا عبدالسلام مبارکپوری سے حاصل کی۔ بعد ازاں دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے مولانا غلام یحییٰ کانپوری مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی اور مولانا عبدالرحمن سے مختلف علوم اسلامیہ میں تکمیل کی۔ مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری سے حدیث میں تعلیم حاصل کی اور حضرت مولانا حافظ محمد محدث کوندلوی سے تفسیر میں استفادہ کیا۔

تکمیل تعلیم کے بعد شیخ عطاء الرحمن متہم دارالحدیث رحمانیہ دہلی نے آپ کو دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں مدرس مقرر فرمایا۔ اور جب مولانا احمد اللہ صاحب دارالحدیث سے چلے گئے تو آپ ان کی جگہ شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری جامع ترمذی کی شرح بنام تحفۃ الترمذی لکھ رہے

تھے۔ آخری عمر میں آپ مکفوف البصر ہو گئے تھے۔ انہیں تحفۃ الاحوذی کی تکمیل کے سلسلہ میں ایک ایسے عالم کی ضرورت تھی جو فنون حدیث سے خاص مناسبت اور عربی ادب کا خاص ذوق رکھتا ہو اور آپ سے اس سلسلہ میں خاطر خواہ تعاون کر سکے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری نے آپ کا انتخاب کیا اور اس سلسلہ میں شیخ عطاء الرحمن سے گفتگو کی۔ چنانچہ شیخ صاحب نے مولانا عبید اللہ کو مبارکپور بھیج دیا اور ان کو جو تنخواہ مدرسہ سے ملتی تھی وہ بحال رکھی۔ آپ نے ۲ سال تک مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کو بطور معاون رکھ کر تحفۃ الاحوذی کی آخری ۲ جلدوں کی تکمیل کی۔ اس کے بعد فارغ ہو کر واپس دار حدیث رحمانیہ جلی تشریف لائے۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کے ساتھ دو سال تک کام کرنے کے بعد آپ کو فنون حدیث میں خاص ملکہ حاصل ہو گیا اور فنون حدیث سے خاص ذوق پیدا ہو گیا۔ یوں محدث مبارکپوری کی خاص رہنمائی سے تصنیف و تنقید کا سلیقہ بھی حاصل ہو گیا۔

### تصانیف:

مولانا عبید اللہ رحمانی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ مشکوٰۃ مصابیح کی شرح 'مرعۃ المفاتیح' ہے جو آپ صرف کتاب المناسک تک لکھ سکے اور ۹ جلدیں مکمل ہوئیں۔ یہ شرح اہم خصوصیات کی حامل ہے۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحی اس شرح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

اس شرح میں مولانا عبید اللہ نے حدیثوں کی مفصل تشریح کر کے ان کے معانی و مطالب کی پوری وضاحت کی ہے۔ اس ضمن میں حدیث کے منکرین اور محدثین پر طعن و تشنیع کرنے والوں اور حدیثوں سے غلط نتائج مستنبط کرنے والوں کا جواب بھی دیا ہے اور ان کے نقص و تضاد کو بھی رفع کیا ہے۔

فتہی اختلافات کو نقل کر کے قوی مسلک کی تعیین بھی کی ہے اور محدثین کے مذاہب کی تصویر بھی کی ہے۔ احادیث کی مشکلات اور لغوی و نحوی مسائل کو بھی حل کیا ہے۔ ان پر بقدر

ضرورت بحث کر کے ان کے درجہ و مرتبہ اور قوت و ضعف کی وضاحت بھی کی ہے۔  
شروع میں ایک علمی و تحقیقی و جامع مقدمہ لکھا ہے جس پر اصول حدیث پر بڑی عالمانہ  
گفتگو کی ہے۔

مولانا عبید اللہ کی دوسری تصنیف ”رمضان المبارک کے فضائل و احکام“ ہے جو ۱۹۸۰ء  
جامعہ سلفیہ بنارس نے شائع کی۔ صفحات کی تعداد ۵۶ ہے۔

مولانا عبید اللہ رحمانی نے ۴ جنوری ۱۹۹۴ء کو اپنے وطن مبارک پور ضلع عظیم گڑھ میں  
قمری حساب سے ۸۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔



## نور حسین گھر جا کھی

مولانا نور حسین گھر جا کھی بن کرم الہی ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۱ء بم ۱۸ سال ان  
کی شادی ہوئی۔ اس کے بعد دینی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ مولانا علاؤ الدین خطیب مسجد  
الہند یٹ چوک نیائیں گوجرانوالہ جو ایک جید عالم دین تھے جو حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین  
دہلوی کے شاگرد تھے۔ ان سے ترجمہ قرآن مجید اور دوسری کتابیں پڑھیں۔ ہاتھ ساتھ دینی  
کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور وعظ و تبلیغ بھی کرنے لگے۔

۱۹۱۰ء میں شیخوپورہ چلے گئے۔ وہاں ورکاں والی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے۔ آپ  
کے بھائی مولوی محمد علی جن کو اللہ تعالیٰ نے لحن داؤدی عطا کیا تھا، وہ امامت کراتے تھے۔  
شیخوپورہ میں مولانا نور حسین مدتوں رہے۔ مطالعہ کے بہت زیادہ شوقین تھے۔

آپ فن مناظرہ میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کے شاگرد تھے۔ مولانا امرتسری نے ان کی  
مناظرہ میں خاص تربیت کی تھی۔ آپ نے سیکڑوں مناظرے عیسائیوں، قادیانیوں، شیعوں  
اور تقلیدیانِ احناف سے کیے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر مناظرے میں جیتا۔

کا مران ہوئے۔

مولانا نور حسین حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید دہلوی کی تحریک مجاہدین سے بھی وابستہ تھے اور مجاہدین کی مالی اعانت بھی کرتے تھے۔ مولانا نور حسین چار حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

۱۹۲۶ء میں پہلا حج کیا اور سلطان ابن سعود کے شاہی مہمان ہوئے۔ انہوں نے آپ

کو اجل العلماء کا خطاب دیا۔

دوسرا حج ۱۹۳۹ء میں کیا اور مکہ میں مولانا فضل الہی وزیر آبادی سے ملاقات کی۔

تیسرا حج ۱۹۴۶ء میں اور چوتھا حج ۱۹۴۸ء میں کیا۔

مولانا نور حسین اپنے علم و فضل کے اعتبار سے بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ عوام و

خواص میں بہت مقبول تھے۔ تمام مسالک کے لوگ ان کا احترام کرتے تھے، حتیٰ کہ ہندو اور

سکھ بھی ان کی بہت عزت اور ادب کرتے تھے۔ جب کہیں سے گزرتے تو جھک کر سلام

کرتے۔ آپ نے ۹ دسمبر ۱۹۵۱ء کو وفات پائی۔

### تصانیف:

مولانا نور حسین پنجابی زبان کے بے مثل خطیب تھے۔ اس کے ساتھ پنجابی زبان کے

نامور شاعر بھی تھے۔ آپ کی بیشتر تصانیف پنجابی نظم میں ہیں، تفصیل یہ ہے:

۱) وفات نامہ (بروفات مولوی محبوب عالم بانی محبوب عالم اسلامیہ ہائی سکول، گوجرانوالہ)

۲) شہادت حسینؑ ۳) تحقیق الایمان

۴) عید الفطر ۵) معراج جسمانی و تردید تا دیانی

۶) مناظرہ پھلو کے ۷) مرزے داترل منارہ

۸) اختلاف الائمہ و رد تقلید ۹) بجلی آسمانی بر ملاسمانی

۱۰) گلدستہ نور ۱۱) امام اعظم

۱۲) کامن ۱۳) آسمانی گولہ بر بدعتی ٹولہ

- ۱۳ رسالہ قبر پرستی  
 ۱۴ احوال گور  
 ۱۵ فضائل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم  
 ۱۵ نصیحت بے نمازاں  
 ۱۴ چودھویں صدی کا دجال

### اُردو تصانیف:

- ۱۹ آئین بالجبر  
 ۲۰ مسائل رمضان معہ تحقیق تراویح  
 ۲۱ معراج النبی ﷺ  
 ۲۲ تحریف بائبل  
 ۲۰ رسالہ علم غیب  
 ۲۳ رفع الیدین  
 ۲۴ اربعین با حدیث سید المرسلین  
 ۲۶ ختم نبوت
- ۲۷ تقابل اربعہ (منکرین حدیث کی تردید میں ہے۔)



## خالد گھر جاہی

مولانا خالد گھر جاہی بن مولانا نور حسین گھر جاہی ۱۹۲۱ء مطابق ۱۲ ۴۰ھ گھر جاہی گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا نور حسین گھر جاہی سے حاصل کی۔ بعد ازاں جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں مولانا محمد اسماعیل السلفی اور حضرت العلامة مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی سے جملہ علوم اسلامیہ میں اکتساب فیض کیا۔

۱۹۵۱ء میں اپنے والد مولانا نور حسین کے انتقال کے بعد درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔

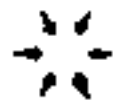
مولانا خالد گھر جاہی بڑے سرسبز و درفعال ہیں۔ دین اسلام کی شامت، کتاب و

سنت کی ترقی و ترویج اور مسلک اہلحدیث کی اشاعت میں بڑی تڑپ رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بڑے اچھے مصنف بھی ہیں۔

تصانیف یہ ہیں:

- ① سیرۃ الاخوان (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی سوانح حیات)
- ② صلوة النبی ﷺ
- ③ سیرت المجاہدین (۲ جلد) مولانا فضل الہی وزیر آبادی کی سوانح حیات
- ④ کتاب التوحید
- ⑤ اتباع سنت
- ⑥ المنتقى امام زيلعى / تلخیص منهاج السنة ابن تیمیہ کا ترجمہ
- ⑦ العواصم من القواصم کا اردو ترجمہ
- ⑧ تخریج و تحقیق مسند امام احمد بن حنبل

مولانا خالد حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی کی نژاد مجاہدین سے وابستہ ہیں۔ جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں بھی ان کی خردت قابل قدر ہیں۔ آپ متحدہ جمعیت اہلحدیث (لکھوی گروپ) سے وابستہ ہیں۔ ایک زمانہ میں دارالعلوم تعلیم الاسلام ماموں کالج کے سرپرست بھی رہے۔



## عبدالجبار کھنڈیلوی

مولانا ابو محمد عبدالجبار بن حکیم دارالابحش بن حکیم جمال الدین ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں راجپوتانہ کے ایک شہر کیسٹری میں پیدا ہوئے۔

عصری تعلیم پر اٹھری تھی۔ پہلے ناظرہ قرآن مجید حافظ اللہ بخش سے پڑھا۔ ابتدائی

عربی، فارسی کی کتابیں اور صرف و نحو کی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ اندازاً آپ دہلی تشریف لے گئے۔

دہلی میں آپ مولانا عبدالوہاب صدیقی دہلوی، مولانا حکیم عبدالوہاب نابینا دہلوی، مولانا احمد اللہ دہلوی، مولانا حافظ عبدالرحمن شاہ پوری، مولانا عبدالرحمن ذابیتی اور مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔

دہلی میں تحصیل تعلیم کے بعد آپ لکھنؤ کے ضلع فیروز پور تشریف لائے۔ مولانا عبدالقادر لکھنوی اور مولانا عطاء اللہ لکھنوی سے استفادہ کیا۔ لکھنؤ کے سے آپ روپڑ تشریف لائے اور مولانا حافظ عبداللہ روپڑی سے اکتساب فیض کیا۔

۱۹۱۷ء مطابق ۱۳۳۵ھ آپ درس نظامی کی تکمیل سے فارغ ہوئے۔ اور اس کے بعد آپ نے تعلیم و تدریس کے لیے زندگی وقف کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ آپ نے ۲۵ سال تک مختلف دینی مدارس میں تدریس فرمائی۔ آپ نے جن دینی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں ان کی تفصیل یہ ہے:

- |                              |                 |
|------------------------------|-----------------|
| ① مدرسہ اشاعت القرآن والنہی  | کھنڈیلہ         |
| ② مدرسہ مصباح العلوم         | دہلی            |
| ③ مدرسہ حمیدیہ               | دہلی            |
| ④ مدرسہ دارالاسلام           | رنگون (برما)    |
| ⑤ جامع مسجد اہلحدیث کلاں     | رنگون (برما)    |
| ⑥ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ     | در بھنگہ (بہار) |
| ⑦ دارالحدیث مسجد چیدیا نوالی | لاہور           |
| ⑧ دارالعلوم تقویۃ الاسلام    | لاہور           |
| ⑨ دارالحدیث                  | اوکاڑہ          |

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کی تدریسی مدت ۲۵ سال ہے۔



اس مدت میں سیکڑوں طلباء آپ کے فیوض علمیہ سے مستفیض ہوئے۔ آپ کے مشہور

تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا قاری عبدالخالق رحمانی، مولانا محمد اسماعیل ذبیح، مولانا حافظ محمد اسحاق حسینی، مولانا حافظ عبدالرحمن صافوی، مولانا حافظ محمد اسحاق خائف۔

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- ① ازالة الحیرہ عن تصانیف ابی ہریرہ (عربی)
- ② البیان فی مسئلہ الايمان (عربی)
- ③ اظہار حجۃ اللہ علی ملا عظمت اللہ معروف بہ نسبت محمدی (اردو)
- ④ مقاصد الامتہ (اردو)
- ⑤ اتمام الحجۃ (اردو)
- ⑥ الانصاف فی رفع اختلاف معروف بہ خاتمہ اختلاف (اردو)
- ⑦ شرح مقدمہ صحیح بخاری (عربی)
- ⑧ حواشی صحیح بخاری (عربی)

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اخلاق حمیدہ اور اوصاف ستودہ کے حامل تھے۔ مولانا محمد

عطاء اللہ حنیف مرحوم لکھتے ہیں:

شخصیت بارعب اور وجہ تھی۔ بود و باش سادہ، لیکن نفس قناعت پسند، فقرا ردرویشی کا مرقع، خاموش طبع، خلوت گزین، متدین عوام سے رابطہ کو ترجیح دیتے تھے۔ دینی معاملات میں غیور اور ارباب دولت سے نفور تھے۔ طلباء پر شفقت فرماتے تھے۔ ان کو اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ان کی علمی و اخلاقی تربیت پر خاص زور دیتے تھے۔ مزاج مرنجاں اور معتدل پایا تھا۔

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی بڑے جید عالم دین تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ دوران تدریس جو مشکل مقامات آتے تو ان کی مزید وضاحت کے لیے آپ مشاہیر علمائے کرام جن میں آپ کے اساتذہ کرام بھی شامل ہیں ان کو خطوط لکھ کر اشکال کا حل طلب کرتے۔

آپ جن علمائے کرام کو خطوط لکھتے ان میں مولانا حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی، مولانا احمد اللہ دہلوی، مولانا محمد زکریا سہارن پوری (حنفی) مولانا عبدالجلیل، مولانا عبید اللہ رحمانی، مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا حافظ محمد محمدت گوندلوی شامل ہیں۔

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی نے ۲ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۶۲ء اوکاڑہ میں انتقال فرمایا۔

حضرت العلام مولانا حافظ محمد محمدت گوندلوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اوکاڑہ میں مدفون ہوئے۔



## عبدالخالق رحمانی

مولانا عبدالخالق رحمانی بن مولانا عبدالجبار محمدت کھنڈیلوی ۲۵ نومبر ۱۹۲۵ء مطابق ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ کھنڈیلہ ریاست جے پور (راجستھان) میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم نڈل تک ہے۔ دینی تعلیم کا آغاز اپنے آبائی مدرسہ مصباح العلوم کھنڈیلہ سے کیا۔ حفظ قرآن مجید کی سعادت مدرسہ فتح پوری دہلی میں رہ کر حاصل کی۔

بعد ازاں آپ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے مولانا عبدالخلیم، مولانا نذیر احمد دہلوی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی بہار کپوری سے

تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں استفادہ کیا۔

فراغتِ تعلیم کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تدریس کا آغاز مدرسہ قاسم العلوم آگرہ سے کیا۔ یہاں آپ ۸ سال تک شیخ الحدیث رہے۔

قیام آگرہ کے دوران آپ نے وعظ و تبلیغ اور شرک و بدعت کی تردید میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آگرہ میں مشرکانہ رسوم بہت زیادہ ہوتی تھیں اور وہاں آپ جا کر تبلیغ کرتے اور توحید و سنت کی دعوت دیتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد کراچی تشریف لائے۔ اپنا کاروبار کرتے رہے اور اس کے ساتھ کتاب و سنت کی اشاعت میں بھی کوشاں رہے۔



## مولوی حاکم الدین

مولوی حاکم الدین بن ملک امام الدین سوہدرہ کے رہنے والے تھے۔ اور ککے زئی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی مرحوم اور پیر میر حیدر آف خان پور ضلع جہلم سے مستفیض تھے۔ اتباع سنت میں پیش پیش رہتے تھے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ان کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ حق گوئی اور بے باکی میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے اور ڈنکے کی چوٹ علانیہ قرآن و حدیث کی روشنی میں مسئلہ بیان کرتے تھے۔

ان کی حق گوئی کا ایک واقعہ ان کے صاحبزادہ مولوی ابوالحمود ہدایت اللہ سوہدروی بیان کرتے تھے کہ:

”ایک دفعہ والد صاحب ہندوستان سے واپس وطن آ رہے تھے اور ریل گاڑی تقریباً ایک بجے دوپہر وزیر آباد اسٹیشن پر پہنچی۔ جمعہ کا دن تھا۔ اسٹیشن کے قریب ہی بریلوی مکتب فکر کی مسجد ہے۔ جمعہ کی نماز کھڑی ہونے والی تھی۔ والد صاحب نے سوچا چلو

جمعہ کی نماز اس مسجد میں ہی ادا کر لی جائے۔ چنانچہ والد صاحب مسجد میں اچلے گئے۔ اور وہاں جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔ جب نماز ختم ہوئی تو راجہ فقیر اللہ خاں جو وزیر آباد کے رئیس تھے وہ کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے اعلان کیا کہ مسجد کی تعمیر ہو رہی ہے اور اس سلسلہ میں میاں فضل الہی صاحب نے پانچ سو روپے کا عطیہ دیا ہے۔“

والد صاحب نے جب یہ اعلان راجہ صاحب کی زبان سے سنا تو آپ نے اٹھ کر کہا: ”راجہ صاحب! میاں فضل الہی نے جو عطیہ دیا ہے وہ مسجد کی تعمیر پر خرچ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ رقم حرام طریقہ سے میاں صاحب نے جمع کی ہے۔ (ان دنوں میاں فضل الہی نے وزیر آباد میں طوائفیں رکھی ہوئی تھیں اور ان کے ناچ گانے سے یہ رقم میاں صاحب کے پاس آئی تھی۔)

راجہ فقیر اللہ نے جب یہ الفاظ والد صاحب کی زبان سے سنے تو بڑے تیخ پا ہو گئے اور دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے تو والد صاحب نے کہا کہ میرا نام ملک حاکم الدین ہے اور میں سوہدرہ کارہنے والا ہوں۔

راجہ صاحب آپ یہ رقم میاں فضل الہی کو واپس کر دیں۔ نہیں تو قیامت کے روز آپ بھی مجرم ہوں گے۔ چنانچہ راجہ صاحب نے اسی وقت تمام لوگوں کے سامنے میاں فضل الہی کے پانچ سو روپے واپس کر دیئے۔ راجہ صاحب نے کہا کہ سوہدرہ کے ملک صاحبان حق بات کہنے میں بہت مشہور ہیں۔

مولوی حاکم الدین بڑے حلیم الطبع، شریف النفس، عابد و زاہد اور تقویٰ، لہارت کا پیکر

تھے۔

۱۹۵۲ء میں جب راقم آٹم نے مولانا علم الدین مرحوم تلمیذ خاص حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی سے ترجمہ قرآن مجید پڑھ کر مشکوٰۃ المصابیح پڑھنی شروع کی تو آج دن میرے سبق کے دوران مسجد میں تشریف لائے اور مولانا علم الدین مرحوم سے فرمایا کہ اس کو تین

احادیث سے زیادہ سبق نہ دیا کریں۔ اگر حدیث لمبی آجائے تو پھر ایک تہہ کافی ہے اور روزانہ پچھلا سبق اس سے سنا کریں۔

مولوی حاکم الدین نے طویل عمر پائی۔ میرے خیال میں ان کی عمر ۸۰ سال کے قریب تھی۔ ۱۹۵۳ء میں آپ کا انتقال ہوا۔



## ہدایت اللہ سوہدروی

مولوی ابوالمحمود ہدایت اللہ بن مولوی حاکم الدین ۱۶ مئی ۱۸۹۳ء میں سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ بعد ازاں علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی، مولانا عبدالحمید سوہدروی اور استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی سے کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد بسلسلہ کاروبار ہندوستان کے مختلف شہروں میں آپ کا قیام رہا اور ساتھ ساتھ مضمون نگاری کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

آپ نے بے شمار مضامین اہل حدیث امرتسر، اخبار محمدی دہلی، اور اخبار مسلمان سوہدرہ میں لکھے۔

۱۹۱۶ء میں آپ بسلسلہ کاروبار سیور چھاؤنی ریاست بھوپال میں مقیم تھے کہ آپ کا فلسفہ اور معجزہ کے عنوان سے مولوی عبدالعزیز تحصیل دار وردہ (سی۔ پی) نے ایک بحث چل نکلی۔ اسی بحث اور خط و کتابت کو آپ نے ۱۹۲۲ء میں کتابی شکل میں فلسفہ اور معجزہ کے نام سے شائع کیا۔ علامہ اقبال نے اس کتاب کی بہت تعریف کی۔

۱۹۲۲ء میں آپ نے دوسری کتاب شبیر نامہ لکھی اور شائع کی۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ایک ماہ میں ختم ہو گیا۔ اور تین ماہ بعد دوسرا ایڈیشن شائع کیا جو ۶ ماہ میں ختم ہو گیا۔

۱۹۳۳ء میں آپ کی مشہور کتاب ہدایت افغانی المعروف تاریخ ککے زئی شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کے علم تاریخ میں ذوق تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۱۹۵۱ء میں آپ کی مشہور کتاب ”اسلامی اخلاق“ دو حصوں میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب مولانا عبدالمجید سوہدروی مرحوم نے اپنے اشاعتی ادارہ مسلمان کمپنی سوہدرہ کے زیر اہتمام شائع کی۔

اسلامی اخلاق کے پہلے حصہ میں ایک ہزار آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ اخلاق حسنہ سے متعلق ہیں اور دوسرے حصہ میں غیر مسلموں پر مزید حجت قائم کرنے کے لیے ۲۳ عنوانات کے تحت غیر مسلم اکابرین کی ان تحریروں کو جمع کیا گیا ہے جو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں لکھی ہیں۔

۱۹۶۱ء میں آپ کی آخری کتاب ”اسلام اور عیسائیت“ شائع ہوئی۔ یہ کتاب آپ نے مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل السلفی کی تحریک پر لکھی۔ یہ کتاب حافظ محمد یوسف بن مولانا عبدالمجید سوہدروی نے، مکتبہ اہلحدیث سوہدرہ کے زیر اہتمام شائع کی۔ اس کتاب میں عیسائیوں کی طرف سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر جو ناروا اعتراضات کیے گئے ہیں، ان کا جواب دیا گیا ہے۔

مولوی ہدایت اللہ نے بے شمار مضامین قادیانیت، عیسائیت، آریہ سماں، شیعہ، منکرین حدیث اور فرقہ بریلویہ کے خلاف لکھے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ کے مضامین اہلحدیث سوہدرہ، الاعتصام لاہور اور ماہنامہ رقیق لاہور وغیرہ میں شائع ہوئے۔

اخبار زمیندار اور نوائے وقت میں بھی آپ کے مضامین کبھی کبھی شائع ہوتے تھے۔ مولوی ہدایت اللہ بڑے شریف النفس، ملنسار، کم سخن، حلیم الطبع اور اخلاق حمیدہ اوصاف ستودہ کے حامل تھے۔ بڑے متواضع تھے۔ آپ نے ۱۶ مئی ۱۹۶۷ء مطابق ۶ صفر ۱۳۸۷ھ سوہدرہ میں انتقال کیا۔

مولانا محمد سلیمان انصاری مرحوم نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے والد محترم کے پہلو میں

اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

مقدور ہوں تو خاک سے پوچھوں اے لئیم!  
تو نے وہ گنج ہائے گرا نمایہ کیا کیا؟



## محمد بن ابراہیم جو ناگڑھی

مولانا محمد بن ابراہیم میمن جو ناگڑھی ۱۸۹۰ء میں جو ناگڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جو ناگڑھ میں مولانا عبداللہ جو ناگڑھی سے حاصل کی۔ بعد ازاں تحصیل علم کے لیے دہلی کا رخ کیا۔ دہلی ان دنوں علوم و فنون کا مرکز تھا۔ چنانچہ آپ ۱۹۱۲ء میں دہلی پہنچے اور مدرسہ امینیہ (حنفیہ) میں داخل ہوئے۔ مگر عامل بالحدیث ہونے کی وجہ سے مدرسہ سے فارغ کر دیئے گئے۔ اور مدرسہ دارالکتاب والسنتہ صدر بازار دہلی جس کے مہتمم و منتظم اور صدر مدرس مولانا عبدالوہاب ملتانی تھے داخل ہو گئے۔ اس مدرسہ میں آپ نے مولانا عبدالوہاب صاحب ملتانی سے اکتساب فیض کیا۔ اس کے بعد آپ نے مسجد پھانک جیش ذال میں مولانا عبدالرحیم غزنوی اور مولانا عبدالرشید سے استفادہ کیا۔ منطق کی تعلیم مولانا محمد اسحاق منطقی سے حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد جمیری گیٹ دہلی میں سکونت اختیار کی اور مدرسہ محمدیہ کے نام سے ایک دینی مدرسہ جاری کیا۔ اور ایک رسالہ ”گلدستہ محمدیہ“ جاری کیا۔ جو روز فریہ ترقی کرتا ہوا۔ ”اخبار محمدی“ کی شکل اختیار کر گیا۔

مولانا محمد جو ناگڑھی بے مثال خطیب تھے۔ ان کو ”خطیب الہند“ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خطابت کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ وہ ہر موعظ پر نہایت مدلل و موثر

خطاب فرماتے تھے۔ دوران وعظ خود بھی روتے تھے اور سامعین کو بھی رلاتے تھے۔  
حکیم عنایت اللہ نسیم مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ:

”مولانا محمد جونا گڑھی کا وعظ بڑا موثر ہوتا تھا۔ آواز بڑی سریلی تھی۔ وعظ فرماتے تو خود بھی روتے اور سامعین کو بھی رلاتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ خوش خوراک، خوش لباس، اور حسن اخلاق کا پیکر تھے۔ میں نے علماء میں اتنا بڑا مہمان نواز نہیں دیکھا۔ آپ کے وعظ سے دہلی میں تو حید و سنت کا پرچار ہوا۔ تقلید جامد اور شرک و بدعت اور محدثات کا خاتمہ ہوا اور بلا مبالغہ ہزاروں آدمی آپ کے وعظ سے قمع سنت بن گئے۔“

مولانا محمد جونا گڑھی نے یکم صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء جونا گڑھ میں انتقال کیا۔

### تصانیف:

مولانا محمد بن ابراہیم جونا گڑھی صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ حافظ ابن کثیر کا اردو ترجمہ بنام ”تفسیر محمدی“ اور حافظ ابن قیم کا کتاب ”اعلام الموقعین عن رب العالمین“ کا ترجمہ بنام ”دین محمدی“ ہے۔

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- (۱) تفسیر محمدی (۲) تفسیر سورہ فاتحہ (۳) اربعین محمدی (۴) سیف محمدی (۵) برہان محمدی (۶) شمع محمدی (۷) عقائد محمدی (۸) ایمان محمدی (۹) حیات محمدی (۱۰) تعویذ محمدی (۱۱) وضو محمدی (۱۲) صلوٰۃ محمدی (۱۳) سنت محمدی (۱۴) جماعت محمدی (۱۵) عید محمدی (۱۶) خطبہ محمدی (۱۷) موت و میت کے مسائل (۱۸) دلائل محمدی (۱۹) رکوع محمدی (۲۰) غزیتہ محمدی (۲۱) رفع الیدین اور آمین (۲۲) زکوٰۃ محمدی (۲۳) صیام محمدی (۲۴) اذان محمدی (۲۵) انعام محمدی (۲۶) تحفہ محمدی (۲۷) مرغ کی قربانی (۲۸) بیخ محمدی (۲۹) نکاح محمدی (۳۰) آئینہ محمدی (۳۱) مذمت سود (۳۲) تقویٰ (۳۳) کتب الاکراہ



(۳۴) الحزب المقبول (۳۵) وظیفہ محمدی (۳۶) حقوق محمدی (۳۷) صمصام محمدی  
 (۳۸) قربان محمدی (۳۹) برأت محمدی (۴۰) تائید محمدی (۴۱) درایت محمدی (۴۲)  
 محراب مسجد (۴۳) ذمہ محمدی (۴۴) رسالہ صلوٰۃ و سلام (۴۵) فیصلہ محمدی (۴۶) رحمت محمدی  
 (۴۷) نور محمدی (۴۸) کرامات محمدی (۴۹) معراج محمدی (۵۰) قبروں پر پھول (۵۱)  
 عذاب الہون علی الفاتن المفتون (۵۲) میاں محمدی (۵۳) ارشاد محمدی (۵۴) دین  
 محمدی (۵۵) ضرب محمدی (۵۶) طریق محمدی (۵۷) مشکوٰۃ محمدی (۵۸) ملت  
 محمدی (۵۹) مناظرہ محمدی (۶۰) فتح محمدی (۶۱) حقیقت محمدی (۶۲) صراط محمدی (۶۳)  
 نصیحت محمدی (۶۴) ریحان محمدی (۶۵) توحید محمدی (۶۶) قبیلہ محمدی (۶۷) در محمدی  
 (۶۸) ہدایت محمدی (۶۹) سیف محمدی (۷۰) عصائے محمدی (۷۱) لولو  
 محمدی (۷۲) صدائے محمدی (۷۳) خطبات محمدی ۵ جلد (۷۴) سیرت محمدی (۷۵) امام  
 محمدی (۷۶) شہادت محمدی (۷۷) تاریخ بغداد (اردو مع متن عربی) (۷۸) سراج محمدی  
 المعروف تاریخ محمدی (۷۹) خلافت محمدی (۸۰) ظل محمدی (امامت محمدی) (۸۱) مملکت  
 محمدی (۸۲) فضائل محمدی (۸۳) درہ محمدی (۸۴) ظفر محمدی (۸۵) تعلیم محمدی

## محمد سلیمان جو ناگرھی

مولانا محمد سلیمان بن مولانا محمد جو ناگرھی ۱۹۲۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم  
 دہلی میں اپنے والد مولانا محمد بن ابراہیم جو ناگرھی سے حاصل کی۔ عصری تعلیم حاصل تھی۔  
 ۱۹۴۷ء میں کراچی تشریف لائے اور مدرسہ اسلامیہ کراچی سے علوم اسلامیہ کی تکمیل  
 کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالستار سلفی مرحوم، مولانا عبدالغفار سلفی مرحوم، مولانا  
 عبدالجبار سلفی مرحوم اور مولانا محمد یونس دہلوی مرحوم شامل ہیں۔

تحصیل علم کے بعد آپ کو رییس الناطقین اور رییس شعبہ الارشاد والدعوة جماعت غرباء، اہلحدیث کراچی مقرر کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ آپ جامع مسجد اورنگی ٹاؤن کراچی میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے پر مامور ہوئے۔ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں آپ نے ہندوستان، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کے دورے کئے۔

مسجد اورنگی ٹاؤن میں تدریس بھی فرماتے رہے۔ بڑے پُر جوش مبلغ تھے۔ ۱۹۹۷ء میں کراچی میں انتقال کیا۔



## محمد اسماعیل سلفی

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفی ”جماعت اہلحدیث کے ممتاز عالم تھے، ان کی شخصیت ہمہ گیر تھی۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کی نظر بہت وسیع تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب و لغت، فلسفہ و منطق، تاریخ و سیر، صرف و نحو میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ آپ بیک وقت مفسر، محدث، مؤرخ، محقق، متکلم، معلم، ادیب، مصنف، خطیب، مترجم، نقاد، مبصر، دانشور اور سیاست دان تھے۔

مولانا محمد اسماعیل ۱۳۱۴ھ بمطابق ۱۸۹۵ء تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ کے قصبہ ڈھونڈلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد ابراہیم تھا۔ جو ایک طبیب حاذق ہونے کے ساتھ ساتھ عربی و اردو کے بلند پایہ کاتب بھی تھے۔ امام عبدالرحمن محدث مبارپوری کی شرح جامع الترمذی آپ ہی کی خوش نویسی کا شاہکار ہے۔

مولانا محمد اسماعیل نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مرحوم مولوی محمد ابراہیم سے، حاصل کی، بعد ازاں استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں اور سنن نسائی کا ربع اول مولانا عبدالستار بن مولانا حافظ

عبدالمنان وزیر آبادی سے پڑھا اور صحاح ستہ کی تکمیل استاد پنجاب سے کی۔

وزیر آباد میں تکمیل کے بعد دہلی چلے گئے۔ دہلی میں مولانا عبدالجبار عمر پوری سے اکتساب فیض کیا۔ دہلی میں تکمیل کے بعد امرتسر تشریف لائے۔ امرتسر میں مولانا اسید عبدالغفور غزنویؒ حدیث میں تحصیل کی۔ مولانا مفتی محمد حسن امرتسری سے فقہ اور اصول فقہ میں استفادہ کیا۔ امرتسر سے آپ سیالکوٹ چلے گئے اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سے تفسیر قرآن کا مطالعہ کیا۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی تحریک پر مسجد اہلحدیث حاجی پورہ گوجرانوالہ کے خطیب مقرر ہوئے۔ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں مولانا علاؤ الدین خطیب مسجد نیا میں گوجرانوالہ نے انتقال کیا تو مولانا محمد اسماعیل کو اس مسجد کا خطیب مقرر کیا گیا۔ (یہ مسجد اب مرکزی مسجد اہلحدیث کے نام سے معروف ہے۔) آپ نے اس مسجد میں روزانہ بعد نماز فجر درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے ساتھ ایک دینی درسگاہ بنام جامعہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ اب بھی دین اسلام کی نشر و اشاعت، توحید و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت و محدثات کی تردید میں کوشاں ہے۔

جامعہ محمدیہ میں مولانا محمد اسماعیل سلفی خود بھی تدریس فرماتے تھے اور آپ کے ساتھ مولانا عبدالحکیم قصوری اور مولانا حافظ علی محمد مرحوم بھی طلباء کو اسباق پڑھاتے تھے۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

- ❁ مولانا محمد حنیف ندوی
- ❁ حکیم عبداللہ خاں نصر سوہدروی
- ❁ مولوی قادر بخش پٹیلوی
- ❁ مولوی ابویحییٰ امام خاں نوشہروی
- ❁ مولانا خالد گھر جاگھی
- ❁ مولانا حکیم محمود سلفی

مولانا محمد اسحاق بھٹی

مولانا عبدالعزیز حنیف

درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے ساتھ ساتھ ملکی و قومی تحریکات میں بھی حصہ لیتے رہے۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس سے بھی تعلق رہا۔ آپ اس کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ تقسیم ملک سے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے مغربی پاکستان جمعیت اہلحدیث کے نام سے جماعت قائم کی۔ جس میں آپ کا تبادون شامل تھا۔ ابتداء میں پروفیسر عبدالقیوم کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ لیکن بعد میں وہ سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے مستعفی ہو گئے تو آپ کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ آپ ناظم اعلیٰ کے منصب پر مرلا سید داؤد غزنوی کے انتقال (دسمبر ۱۹۶۳ء) تک فائز رہے۔

اس کے بعد آپ کو جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کا امیر منتخب کیا گیا اور اپنے انتقال (فروری ۱۹۶۸ء) تک آپ امیر جماعت رہے۔

۱۹۵۲ء میں حکومت پاکستان نے اسلامی آئین کی تشکیل کے لیے ۳۱ علماء پر ایک کمیٹی مولانا سید سلیمان ندوی کی سربراہی میں بنائی۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی اس کمیٹی کے رکن تھے۔ علمائے کرام میں بعض علماء اس ذہن کے ہوتے ہیں کہ ان کو تقریر کا زیادہ ملکہ ہوتا ہے اور تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کم ہوتی ہے اور بعض حضرات تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں اور تقریر کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں اور بعض علمائے کرام اپنی تقریر عوامی ماحول میں کرتے ہیں مگر علمی موضوع پر بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد اسماعیل سلفی نے یہ خصوصیت بدرجہ اتم پائی تھی کہ عوامی اور علمی تقریر یکساں روانی سے کرتے تھے اور تصنیف و تالیف میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ ملکی سیاست میں کئی بار اسیر زندان بھی رہے۔ ۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک میں چھ ماہ جیل میں رہے۔ جماعت اہلحدیث کو منظم و فعال بنانے میں ان کی مساعی جمیلہ کو بہت زیادہ دخل ہے۔ الجامعۃ السلفیہ کے قیام و انصرام میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی ایک کامیاب مصنف تھے۔ ان کی تمام تصانیف حدیث

نبوی ﷺ کی حمایت و تائید میں ہیں۔ ان کی تصانیف کی تفصیل یہ ہے:

- |  |     |                     |
|--|-----|---------------------|
| خطبات سلفیہ  | (۱) | امام بخاری کے مسلک  |
| مشکوٰۃ المصابیح ترجمہ (ربیع اول)   | (۲) | واقعا فک            |
| مسئلہ حیات النبی ﷺ   | (۳) | رسول اکرم ﷺ کی نماز |
| زیارۃ القبور (اس کا عربی ترجمہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری نے "مسئلہ زیارۃ القبور فی صنو الكتاب والسنة" کے نام سے کیا ہے۔) |     |                     |



## حکیم محمود سلفی

مولانا حکیم محمود سلفی بن شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی ۱۹۲۸ء میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم میٹرک تھی۔ اور اس کے بعد طبیہ کالج انجمن حمایت اسلام لاہور میں داخل ہوئے اور زبدۃ الحکماء کی ڈگری اعلیٰ نمبروں میں حاصل کی۔ کالج میں ازل آئے۔ اور انہیں کالج کی طرف سے گولڈ میڈل دیا گیا۔

دینی تعلیم جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں اپنے والد محترم شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفی حضرت العلامة مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی اور مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی سے حاصل کی۔ تکمیل کے بعد طب کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ میں اپنا مطب کھولا۔ ان کا مطب بڑا کامیاب تھا۔ طبیب حاذق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی۔

تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ میں "مسجد مکرم" کے نام سے اپنی نگرانی میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔ جس کے ساتھ ایک شاندار لائبریری اور مدرسہ بھی تعمیر کرایا۔ مدرسہ کا نام "جامعہ اسلامیہ سلفیہ" رکھا۔ وہاں آپ تدریس بھی

فرماتے۔ خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے تھے۔ اور مسجد مکرم کی لائبریری میں اپنا اور اپنے والد محترم مولانا سلفی مرحوم کا کتب خانہ وقف کر دیا۔

مولانا حکیم محمود سلفی کا علم مستحضر تھا۔ بڑے سادہ الفاظ میں تقریر کرتے۔ مسائل پر گہری نظر تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ سلفی عقیدہ رکھتے تھے۔ بڑے طبع سنت تھے۔

علاوہ ازیں بڑے حلیم الطبع، شریف النفس، صبر و تحمل کا پیکر، کم سخن اور متواضع تھے۔ جب بھی ملتے۔ بڑی خندہ پیشانی سے ملتے۔ بڑے مہمان نواز تھے۔

حکیم محمود سلفی اچھے مصنف تھے۔ اور تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تین کتابیں اس وقت شائع ہو چکی ہیں۔

① علمائے دیوبند کا ماضی و حال (تاریخ کے آئینے میں)

② نصیحت سلفی

③ قرآن تحفظ دیتا ہے (انسانیت اور تمام کائنات کو)

حکیم صاحب نے ۱۰ اگست ۱۹۹۳ء کو گوجرانوالہ میں انتقال کیا اور قبرستان کلاں میں اپنے والد مولانا محمد اسماعیل مرحوم کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تصانیف کا مختصر تعارف:

۱۔ علمائے دیوبند کا ماضی و حال

حکیم صاحب مرحوم اس کتاب کا آغاز ان اشعار سے کرتے ہیں:

کچھ لوگ ہیں جو مر کر بھی نہیں مرتے

اور موت سے زندہ جاوید ہو جاتے ہیں

کچھ لوگ ڈر کے حجروں میں گھسے جاتے ہیں

اور زندہ رہ کر بھی جیتے جی مر جاتے ہیں

حکیم صاحب مرحوم اس کتاب کی وجہ تالیف میں لکھتے ہیں:

مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے دین کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے اور: ہ بلا وجہ اور بلا اشتعال دوسروں کے خلاف کتابیں لکھتے رہتے ہیں اور دین کو بیچ کر اس سے، اپنے پیٹ کا دوزخ بھرتے ہیں۔ اس طائفہ کے سربراہ مولانا سرفراز صاحب گلکھڑوی ہیں۔ اس سے پہلے وہ خود اپنے نام سے لکھتے اور اپنے نام سے شائع کرتے تھے۔ اب وہ خود لکھ کر اپنے بیٹوں کے نام پر شائع فرماتے ہیں۔

اس سے پہلے میں نے ان کے دور سالوں کا تعاقب کیا۔ ان میں بھی میں نے تمام دیوبندی علماء سے معذرت کی تھی کہ میں مسلک دیوبند کے خلاف نہیں۔ میں صرف مولانا سرفراز صاحب گلکھڑوی کے خلاف لکھ رہا ہوں اور اس میں بھم اللہ کبھی پہل نہیں کی اور نہ آئندہ ایسا ارادہ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بلا وجہ میرے مسلک کو نشانہ بنا۔ئے اور میرے بزرگ اکابرین کے خلاف کچھ اچھالے، جھوٹ بولے تو مجھے حق حاصل ہے کہ میں صرف اس کا دفاع کروں اور الزامات کی تردید کروں۔ ایسے ہی کم ظرف اور تنگ نظر، ماء کی وجہ سے اسلام کو یہ دن دیکھنا پڑا ہے۔ کوفہ، بغداد اور اندلس کی عبرت ناک داستانیں تاریخ عالم میں ایسے ہی علماء کی روسیاہی کی یاد تازہ کر دیتی ہیں۔ بقول اقبال

گلہ جنائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے

کسی بتکدے میں بیان کروں تو کہیں کہے صنم بھی ”ہری ہری“

مولانا سرفراز صاحب محقق ہیں۔ لیکن اپنی تحریروں میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ ان کو نقل کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

حکیم صاحب مرحوم اس سلسلہ میں مولانا سرفراز صاحب کی خدمت عرض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”مولانا سرفراز صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اس طرز تکلم کو بند کر دیں۔ اس

سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آپ کی وجہ سے آپ کے شاگردوں نے بھی زبان کھولی

ہے اور جس قدر اخلاقی پستی، انحطاط، زبان درازی نے آج کے علماء میں راہ پائی ہے اس سے ان کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ لہذا اس بدزبانی اور بد اخلاقی کے آگے بند باندھیں۔ نہ آپ شرمسار ہوں۔ نہ ہمیں شرمسار کریں اور اگر یہ روش نہ بدلی گئی تو پھر ہم کو بھی مجبور سمجھیں۔“

”علمائے دیوبند کا ماضی و حال“ جمیعۃ اہلحدیث گوجرانوالہ نے شائع کی۔ صفحات کی

تعداد ۳۶۸ ہے۔ سن اشاعت ندارد۔

## ۲۔ نصیحت سلفی:

یہ حکیم محمود سلفی کی دوسری تصنیف ہے۔ یہ ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ادراہ احیاء السنۃ گر جاگھ، گوجرانوالہ نے شائع کی ہے۔ اس کتاب پر بھی سن اشاعت نہیں لکھا گیا۔ اس کتاب کی وجہ تالیف کے بارے میں حکیم صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ:

”مولانا عبدالحق بشیر صاحب فرزند ارجمند جناب مولانا ابوزاہد محمد سرفراز خاں صاحب صفدر نے ایک کتابچہ تحریر فرمایا۔ جس کا نام ”فتاویٰ ربانی برمرزا قادیانی“ رکھا ان دنوں کسی اہلحدیث نے مولانا گنگوہی صاحب کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ جن بزرگوں کا نام لے کر اس کتاب میں برا بھلا کہا گیا نہ ہی انہوں نے گنگوہی کے متعلق کہا۔

مگر مولانا عبدالحق صاحب جن کو حق بات کہنے ہی چاہیے تھی ناحق مولانا ثناء اللہ صاحب، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی، مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب اٹری اور مولانا مودودی صاحب وغیرہ کو اس کتاب میں مطعون کیا اور ان کے سفید کفن کو داغدار کرنے کی کوشش کی۔ علاوہ ازیں سید عنایت اللہ شاہ گجراتی، سرسید احمد خاں مرحوم اور عبد اللہ چکڑالوی کو ہمارے ساتھ نتھی کیا اور خوب کوسا۔ انہوں نے بشیر بننے کی بجائے خوب نفرت پھیلانی۔

مجھ جیسے آدمی کو جسے تصنیف و تالیف سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات ناگوار گزری۔ میں نے

محض ان کی صفائی پیش کی اور ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام ”علمائے دیوبند کا ماضی و حال تاریخ کے آئینے میں“ رکھا۔ میری توقع کے خلاف اس کے دو ایڈیشن فورا نکل گئے۔ احباب نے



اسے پسند کیا۔

مولانا عبدالحق بشیر صاحب نے جو کتابچہ لکھا۔ اس میں کیا لکھا۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں:

”کوئی اہم مسئلہ نہیں۔ نہ ہی اعتقادی ہے۔ نہ اس پر راہ نجات، نہ اس کا علم ہونا ضروری ہے۔ نہ اس کا ایمان و اعتقاد سے کوئی تعلق ہے۔ سارا زور فوت شدہ بزرگوں کے عیوب تلاش کرنے پر صرف کر دیا ہے جس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔“

علمائے دیوبند کا خاصا ہے کہ ہر وقت تعصب کی عینک سے دیکھتے ہیں اور اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اپنے ہی علماء جو کبھی کبھی حقیقت کو تسلیم کر لیتے ہیں، ان کی تحریروں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مولانا عبدالحق بشیر کا خاصا یہ ہے کہ انہوں نے کبھی تعصب کی عینک نہیں اتاری اپنی کتاب ”سیف حنفی“ میں مولانا محمد حسین بٹالوی پر ”۷ صفحات سیاہ کر دیئے ہیں اور ان کی تنقیص کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ (۱۲۲ تا ۲۱۲)

مگر ان کے ایک عالم مولانا محمد رفیق دلاوری دیوبندی حنفی اپنی کتاب ”بیس قادیاں“ ج ۲ ص ۱۳۲ پر لکھتے ہیں کہ:

”مولانا بٹالوی نے قبول مرزائیت سے اعراض کیا۔ بلکہ الٹا آخری وقت

مرزائیت کے جسم پر چر کے لگاتے رہے اور مرزا کے سینے پر مونگ دلتے رہے۔“

کتاب کے آخر میں حکیم صاحب مرحوم ”نصیحت سلفی“ کے عنوان سے مولانا سرفراز

خاں کے فرزند ارجمند مولانا عبدالحق بشیر صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں:

☆ آپ صرف اور صرف حضور ﷺ کی اطاعت کریں۔ اوان ہی کی طرف نسبت کرتے

ہوئے اہل سنت کہلائیں۔ امام ابوحنیفہؒ بے شک بہت بڑے امام تھے۔ ان کی طرف

نسبت (حنفی) سے اہل سنت کہلانا بہر حال بہتر ہے۔ لیکن آپ اہل سنت سے زیادہ

حنفی کہلا کر خوش ہوتے ہیں اور یہ ترجیح مناسب نہیں۔

☆ آپ پر فرض ہے کہ آپ حبیب اللہ ڈیروی کو مسجد سے نکال دیں جس نے بخاری

شریف کے متعلق بدزبانی کی ہے اور والد بزرگوار کو میری طرف سے دست بستہ گزارش کریں کہ وہ حدیث پاک، محدثین اور رواۃ حدیث کے متعلق اپنے لکھے ہوئے الفاظ سے توبہ کریں۔ موت قریب ہے کہیں ان کی صورت مسخ نہ ہو جائے اور ہم سب کے لیے ذلت کا سبب نہ بنے۔

فوت شدگان کی عیب جوئی ترک کر دیں۔ وہ لوگ جنہوں نے دین کی خدمت کر کے نام پیدا کیا ہے، اگر انہوں نے مسائل بیان کرتے وقت غلطی بھی کی ہے تو وہ بھی ثواب کے مستحق ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو غلطی پر بھی ثواب کا مستحق گردانتا ہے تو مجھے اور آپ کو کیا حق ہے کہ ہم ان کو گندہ کریں۔

پاکستان کو صرف اور صرف وہابیت سے خطرہ ہے۔ اس لیے وہابیت کے استیصال کے لیے جس کے ذہن میں کوئی تجویز ہو۔ وہ اس سے ہمیں مطلع کرے۔ مگر اس کا ذکر اخبارات یا پریس میں نہیں آنا چاہئے۔

حکیم صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ:

”شیعہ حضرات، بریلوی حضرات کو اپنی مجالس میں بلاتے ہیں اور سنی اعموام اپنے علماء کے پیچھے ان کی مجالس میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس سے شیعہ عقائد بریلوی اہل سنت میں نفوذ کرنے لگے اور اقلیتی فرقہ ایک اکثریتی فرقے میں اپنی پالیسی نافذ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اب یہ اقلیتی فرقہ اپنی پالیسی کی وجہ سے اس ملک میں بالادست ہے اور بیوقوف اکثریت لایعنی مسائل پر لڑ کر اپنا ہی نقصان کر رہی ہے۔ افسوس! اس بات پر ہے کہ اسے احساس زیاں نہیں رہا۔“

ایک عبدالستار نیازی کے علاوہ باقی تمام سابقہ اور موجودہ سنی سیاسی لیڈ اس روش پر چل کر اپنی قد رکھو چکے ہیں۔

اس شیعہ قیادت کو آگے لانے میں مولانا فضل الرحمن، مولانا نورانی اور ساجد میر جیسے

لوگ پیپلز پارٹی کے بالواسطہ اور بلاواسطہ مددگار بنے ہیں۔

اور یہ سب اپنوں کو جمع کرنے کی بجائے آپس میں محاذ آرائی میں جتے ہوئے ہیں اور پاکستان، اسلام اور اپنے مستقبل کو تباہ کر رہے ہیں۔

حکیم صاحب مرحوم عورت کی سربراہی کو کسی بھی لحاظ سے جائز نہیں سمجھتے تھے اور عورت کی سربراہی کو اسلام کے منافی قرار دیتے تھے۔

عورت گھر کی ملکہ ہے۔ اس کی عزت گھر میں ہے۔ اس کی ضرورت بھڑکھڑ میں ہے۔ اس لیے ملازمت کی ضرورت نہیں۔ خاوندان کے کھانے پینے کا ذمہ دار ہے۔ بیگانوں میں جا کر کام کرنا ان کے مذاق اور دست درازی کو برداشت کرنا باعزت اور غیرت مند عورت کو کیسے قبول ہو سکتا ہے۔

شریعت میں بھی ان کے ذمے کوئی ایسا کام نہیں لگایا جو گھر سے باہر ہو۔

① کوئی عورت نبی نہیں بنی۔

② جماعت کی امامت نہیں کر سکتی۔

③ اذان نہیں دے سکتی۔

④ جمعہ اور عیدین نہیں پڑھا سکتی۔

⑤ نکاح میں ولی نہیں بن سکتی۔

⑥ طلاق اس کے اختیار میں نہیں۔

⑦ محرم کے بغیر حج و عمرہ کے لیے نہیں جا سکتی۔

⑧ قاضی نہیں بن سکتی۔

خطبہ کے آخر میں حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ:

رضیہ سلطانہ کا باپ فوت ہو گیا۔ بھائی نالائق تھے۔ مگر مسلمان پبلک کے عتاب کا شکار ہو کر قتل ہو گئی۔

قدوسیہ بیگم، سکندر جہاں بیگم، ریاست بھوپال کا جب کوئی زینہ وارث نہ رہا۔ تو ان کو

تخت نشین ہونا پڑا۔ اگر نہ ہوتیں تو ریاست مسلمانوں کے ہاتھ سے انگریزوں کے پاس چلی جاتی۔ نواب صدیق حسن خاں سے شادی کی اور وہی ریاست کا کام چلاتے رہے۔



## حافظ عبدالغفور

مولانا حافظ عبدالغفور بن محمد اسماعیل ۱۰ اپریل ۱۹۲۴ء مطابق ۵ شعبان ۱۳۴۲ھ ضلع اوکاڑہ کے ایک گاؤں بستی اٹھوال جاگیر میں پیدا ہوئے۔  
تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا اور ۶ سال کی عمر میں آپ نے ناظرہ قرآن مجید ختم کیا۔ آپ کی عصری تعلیم پرائمری تھی۔

۱۹۳۸ء میں اپنی تعلیم کا باقاعدہ آغاز کیا۔ آپ نے دینی تعلیم مدرسہ چھوک دادو، مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ، مدرسہ محمدیہ لکھو کے اور مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ میں حاصل کی۔ آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان کے نام یہ ہیں:

① حضرت میاں محمد باقر جھوک دادو

② مولانا عطاء اللہ لکھوی

③ مولانا حافظ محمد اسحاق حسینی

④ مولانا حافظ عبداللہ بڈھیما لوی

⑤ مولانا حافظ عبدالرحمن صافوی

⑥ مولانا محمد چراغ صاحب گوجرانوالہ

⑦ حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی

تکمیل تعلیم کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ آپ نے جن مدارس میں وقتاً فوقتاً تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

- ۱۹۵۰ء، ۱۹۵۳ء مدرسہ تدریس القرآن والحديث جھوک۔ دادو
- ۱۹۵۲ء، ۱۹۵۵ء مدرسہ تدریس القرآن والحديث راولپنڈی
- ۱۹۵۶ء، ۱۹۵۷ء تانڈلیانوالہ ضلع فیصل آباد
- ۱۹۵۸ء جامع مسجد اہلحدیث جہلم
- ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۱ء جامعہ سلفیہ فیصل آباد
- ۱۹۶۲ء، ۱۹۸۶ء جامعہ اثریہ جہلم
- ۱۹۶۲ء میں حافظ صاحب نے مستقل طور پر جہلم میں رہائش اختیار کر لی اور ایک عظیم الشان دینی مدرسہ بنام جامعہ العلوم الاثریہ قائم کیا۔ جس کا سنگ بنیاد ۲۹ ستمبر ۱۹۷۹ء بروز ہفتہ امام کعبہ الشیخ عبداللہ بن سبیل نے رکھا۔
- حافظ عبدالغفور کی ساری زندگی تدریس میں صرف ہوئی۔ اس لیے آپ کی تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:
- مولانا محمد مدنی ایم اے، مولانا محمود احمد غففر، مولانا عبدالخالق قدوسی شہید، مولانا حفیظ الرحمن لکھوی اور محمد عبداللہ ہزاروی وغیرہم۔
- حافظ عبدالغفور صاحب نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ملک میں دینی و سیاسی تحریکات میں بھی حصہ لیا۔ ۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک، تحریک نفاذ اسلام ۱۹۷۰ء، تحریک ختم نبوت ۱۹۷۳ء اور تحریک نظام مصطفیٰ ۱۹۷۷ء میں نمایاں کردار ادا کیا۔
- جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں بھی حافظ صاحب کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ حافظ عبدالغفور اخلاق حمیدہ اور اوصاف ستودہ کے حامل تھے۔ آپ جامع الکلمات شخصیت تھے۔ ان کی شخصیت بیک وقت مدرس، مفسر، محدث، مؤرخ، خطیب، متکلم، معلم، مصنف، مفتی اور سیاست دان کی تھی۔ ذہانت و فطانت، دیانت و خلوص، جرأت و راستبازی، حق گوئی و بے باکی میں اپنی مثال آپ تھے۔
- بہت زیادہ عابد و زاہد تھے۔ حج بیت اللہ کی سعادت سے کئی بار مشرف ہوئے۔
- حافظ عبدالغفور نے ۱۱ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز جمعرات ۶۳

برس کی نبوی عمر میں جہلم میں انتقال کیا۔ مولانا محمد عبداللہ گوجرانوالہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔  
جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کئی ہزار تھی۔

اولاد میں پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہے اور پانچوں بیٹے علمائے دین ہیں۔ بڑے فعال  
اور متحرک اور دینی خدمات میں ایک دوسرے کے معاون اور بازو ہیں۔

مولانا محمد مدنی، قاری عبدالرشید، حافظ عبدالحمید عامر، حافظ احمد اور حافظ عبدالرؤف۔



## محمد مدنی

مولانا محمد مدنی بن مولانا حافظ عبدالغفور ۵ جنوری ۱۹۳۶ء مطابق یکم فروری ۱۳۶۵ھ کو  
پیدا ہوئے۔

عصری تعلیم میں ایم اے۔ ایم او ایل اور مولوی فاضل تھے۔

دینی تعلیم کا آغاز اپنے والد مولانا حافظ عبدالغفور مرحوم سے کیا۔ اس کے بعد دارالعلوم  
تعلیم الاسلام ماموں کانبجن، جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور جامعہ شرعیہ دال بازار گوجرانوالہ میں  
دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد عبداللہ جہال خانوآنہ، مولانا حافظ  
عبداللہ بڈھیما لوی، مولانا ابوالبرکات آزاد احمد مداری اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد  
محدث گوندلوی کے نام ملتے ہیں۔

پاکستان میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور کلیۃ  
الشرعیہ کا امتحان امتیازی نمبروں میں پاس کیا۔ اس لیے مدنی کہلاتے تھے۔

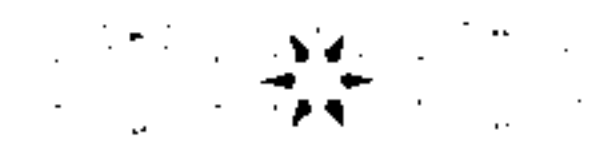
ادارہ جامعہ العلوم الاثریہ فیصل آباد سے تخصص فی الحدیث کا امتحان بھی پاس کیا۔ قیام  
مدینہ منورہ کے دوران آپ نے ۳ سال تک مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے رہے۔ پاکستان  
آنے کے بعد درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ اور دعوت و ارشاد میں مصروف رہے۔ اور اس کے

ساتھ ساتھ آپ جامعہ العلوم الاثریہ جہلم کے مہتمم اور نگران تھے۔

مولانا محمد مدنی بڑے اچھے مبلغ، خطیب اور مقرر تھے۔ علوم دینیہ پر مکمل دسترس تھی۔ اور دینی مسائل پر اچھا خاصا عبور تھا۔ تصنیف و تالیف میں آپ کے اب تک درج ذیل رسائل شائع ہو چکے ہیں:

مرزائی غیر مسلم کیوں؟ مسنہ کی قربانی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نماز۔ قرآن مجید اور شیعہ (عربی)

مولانا محمد مدنی بڑے خلیق، ملنسار، مہمان نواز اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ راقم سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔ ۱۸ فروری ۲۰۰۲ء مطابق ۵ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ جہلم میں انتقال کیا۔



## عبدالحمید عامر

مولانا حافظ عبدالحمید عامر بن مولانا حافظ عبدالغفور ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء مطابق ۳۰ محرم ۱۳۷۶ھ تاندلیانوالہ ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم مولانا حافظ عبدالغفور سے حاصل کی۔ بعد ازاں جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ اور جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد میں زیر تعلیم رہے۔ آپ نے جن اساتذہ کرام سے استفادہ کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

مولانا محمد الیاس اثری، مولانا عبدالحمید ہزاروی، مولانا محمد اعظم، حضرت شیخ الحدیث مولانا ابوالبرکات احمد مداری۔

فراغت تعلیم کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور وہاں آپ نے ”کلیۃ الشرعیہ“ کی سند حاصل کی۔

مدینہ منورہ میں واپسی کے بعد آپ مدرسہ ”جامعۃ العلوم الاثریہ“ جہلم میں تدریس بھی فرماتے ہیں اور جامعہ کے نگران بھی ہیں۔ ماہنامہ ”حرین“ کے مدیر بھی ہیں۔ اس میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

حافظ صاحب بڑے خوش اخلاق اور مہمان نواز ہیں۔ تصنیف میں ”کانگریس لائبریری واشنگٹن میں موجود مخطوطہ“ المسترة البشارة فی السلطنة والوزارة للمریعی کی تحقیق کی۔ یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہو سکی۔

## عطاء اللہ حنیف

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی جماعت الہدیث کے بلند پایہ عالم دین تھے۔ آپ علوم اسلامیہ کے بحر عالم تھے۔ تمام علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اسماء الرجال، تاریخ و انساب، ادب و لغت، علم منقول، فلسفہ اور منطق اور صرف و نحو میں ان کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ فن جرح و تعدیل اور اسماء الرجال میں ان کو ید طولی حاصل تھا۔ حدیث اور متعلقات حدیث پر ان کی نظر وسیع تھی۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بیک وقت مفسر بھی تھے اور محدث بھی۔ مؤرخ بھی تھے اور فقیہ بھی، محقق بھی تھے اور ادیب بھی، معلم بھی تھے اور متکلم بھی، نقاد بھی تھے اور دانشور بھی، صحافی بھی تھے اور مبصر بھی، مصنف بھی تھے اور انشاء پرداز بھی، اور اس کے ساتھ ساتھ عابد بھی تھے اور زاہد بھی، حسن اخلاق کا پیکر بھی تھے اور جسمہ شرافت بھی۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بن میاں صدر الدین ۱۹۱۰ء میں قصبہ بھوجیاں تحصیل ترنارن ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید مع ترجمہ اپنے والد سے پڑھا۔ اس کے بعد مولانا عبدالرحمن بھوجیانی بن مولانا فیض اللہ بھوجیانی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں آپ



نے مختلف علوم میں جن حضرات سے استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

مولانا عطاء اللہ لکھوی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی،

مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی۔

فراغتِ تعلیم کے بعد کوٹ کپورہ، فیروز پور، اوڈانوالہ اور تقویۃ الاسام لاہور میں

تدریسی خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصہ گوندلانوالہ میں مقیم رہے اور

بعد ازاں لاہور شیش محل روڈ مستقل سکونت اختیار کی۔ گوندلانوالہ کے قیام کے دوران

گوجرانوالہ سے ہفت روزہ ”الاختصام“ جاری کیا۔ جو بعد میں جمعیتہ اہلحدیث پاکستان کا

آرگن بھی رہا۔ مگر بعد میں جمعیتہ اہلحدیث سے اختلاف کی وجہ سے الاختصام کو اپنے قبضہ میں

لے لیا اور اپنی نگرانی میں اس کی اشاعت جاری رکھی۔ آج کل ان کے صاحبزادہ حافظ احمد

شاکر کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔

الاختصام جب جاری ہوا، تو اس کے پہلے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندوی مقرر ہوئے۔

بعد میں مولانا اسحاق بھٹی، مولانا محی الدین سلطانی، علامہ احسان الہی ظہیر شہید، حافظ صلاح

الدین یوسف، مولانا علیم ناصری، قاری نعیم الحق نعیم اس کے ایڈیٹر رہے۔ مولانا سید محمد داؤد

بھی اس کے نگران رہے ہیں۔ آج کل حافظ عبدالوحید اس کے ایڈیٹر ہیں۔

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ٹھوس اور تحقیقی مطالعہ ان کا سرمایہ علم

تھا۔ حدیث اور اسماء الزجال پر ان کی نظر بہت وسیع تھی۔ حدیث نبوی ﷺ سے ان کو خاص

شغف تھا۔ اور حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداخلت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ مجھ

سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

علمائے اہلحدیث میں شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ مرحوم و مغفور اور شیخ الحدیث

مولانا محمد اسمعیل اسمعیل السلفی مرحوم و مغفور حدیث کے معاملہ میں بہت سخت تھے اور کسی قسم کی

معمولی سی مداخلت برداشت نہیں کرتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کا اخبار اہلحدیث

اس سلسلے میں بطور شہادت پیش کیا جاسکتا ہے۔ فتنہ انکار حدیث کی سرکوبی کے لیے مولانا

امرتسری کی خدمات نمایاں ہیں۔ منکرین حدیث سے تقریری اور تحریری مناظرے بھی کیے۔ اور ان کی کتابوں کے جوابات بھی دیئے۔

جہاں تک شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی کا تعلق ہے۔ آپ نے حدیث کی بہت خدمت کی۔ آپ بھی معمولی سی مدابنت برداشت نہیں کرتے تھے۔ جب بھی حدیث سے متعلق کوئی ایسا مضمون ان کی نظر سے گزرتا جس میں حدیث کی تنقیص ہوتی تو فوراً اس کا نوٹس لیتے اور الاعتصام میں اس کا جواب دیتے۔ آپ کی کتاب ”حجیت حدیث“ میں جو مقالات شائع ہوئے ہیں وہ سب حدیث کی حمایت و تائید میں ہیں۔ اور اس کے علاوہ آپ کی کتاب ”جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث“ بہت عمدہ کتاب ہے، جس میں مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے نظریات حدیث کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اپنے رسالہ ”خطاب مودودی“ میں مولانا مودودی کے نظریہ حدیث کی وضاحت کی ہے۔

انکار حدیث کا فتنہ عبداللہ چکڑالوی نے پیدا کیا۔ اس کے ساتھ دو تین حضرات مولوی احمد الدین امرتسری اور مستری محمد رمضان گوجرانوالہ نے اس فتنہ کو ہوا دی۔ تو مولانا ثناء اللہ مرحوم نے ان سب کا نوٹس لیا۔ اسی دوران پٹنہ کے ایک بدعتی شخص ڈاکٹر عمر کریم نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب صحیح بخاری اور حدیث کے خلاف کئی کتابیں اور اشتہار شائع کئے۔ تمنا نمادی اور مسٹر غلام احمد پرویز نے بھی فتنہ انکار حدیث کو خوب ہوا دی۔ علماء اہل حدیث نے ان دونوں کی تحریروں کا بھی نوٹس لیا اور حدیث کی نصرت و حمایت میں مضامین اور کتابیں لکھیں۔ حضرت العمام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی نے مسٹر پرویز کی کتاب ”مقام حدیث“ کا جواب ”دوام حدیث“ سے دیا۔ جو ماہنامہ ”ترجمان الحدیث“ میں قسط اور شائع ہو چکی ہے۔ تمنا نمادی کے مضامین کا جواب مولانا اسماعیل سلفی نے الاعتصام میں دیا۔

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ حدیث کے دفاع اور اس کی تائید و حمایت و نصرت میں علمائے اہل حدیث کی خدمات نمایاں ہیں۔

## علمی مقام:

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کا علمی مقام بہت بلند تھا۔ حقیقت میں علوم اسلامیہ کا بحرِ خار تھے۔ مسائل کی تحقیق و تدقیق میں ان کی حیثیت مسلم تھی۔ اور برصغیر (پاک و ہند) کے ممتاز اہل علم و قلم نے ان کی علمی قبح کے معترف تھے۔ مولانا عبدالقادر ندوی صدر جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کالج نے ایک بار راقم سے فرمایا کہ:

میں نے مولانا عطاء اللہ حنیف جیسا محقق اور صاحب علم و فضل عالم نہیں دیکھا ان کا مطالعہ بہت وسیع اور ٹھوس ہے۔ مسائل کی تحقیق و تدقیق کے سلسلے میں ان کی معلومات بہت وسیع ہیں اور میں انہیں اپنا مرشد مانتا ہوں۔

## شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ:

مولانا عطاء اللہ حنیف کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم اور ان کی تصانیف سے والہانہ عشق تھا۔ آپ نے اپنے کتب خانہ میں ان دونوں ائمہ کرام کی تمام مطبوعہ تصانیف جمع کی تھیں اور ان کی تمام تصانیف کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا۔ ان دونوں ائمہ کرام سے عقیدت کی بنا پر ان کی کئی تصانیف اپنے اشاعتی ادارہ المکتبہ السلفیہ سے شائع کیں۔

## کتب خانہ:

مولانا عطاء اللہ حنیف کو کتابیں جمع کرنے کا جنون تھا۔ قیام پاکستان کے قبل فیروز پور میں ایک کتب خانہ بنایا۔ مگر وہ سارا کتب خانہ فسادات میں ضائع ہو گیا۔ پاکستان میں آ کر مولانا نے دوبارہ کتابیں جمع کرنی شروع کیں اور ایک مثالی کتب خانہ بنایا۔ نئی السنہ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں ۲۲۲ کتابیں تصنیف کیں۔ آپ نے یہ سب کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کیں۔ اگر کوئی کتاب قیمتا دستیاب نہیں ہوئی۔ تو اس کا فوٹو سٹیٹ حاصل کر کے اس کی جلد بنوائی۔

اردو رسائل میں ”معارف اعظم گڑھ“ اور ”بہانِ دہلی“ کے فائل بھی مولانا مرحوم نے

جمع کیے۔ آپ کے کتب خانہ سے سب سے زیادہ ذخیرہ شرح حدیث اور اسماء الزجال کے متعلق ہے۔ تفاسیر قرآن مجید پر بھی کافی کتابیں ان کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

مولانا عطاء اللہ حنیف / پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم کی نظر میں:

پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی مرحوم اپنے دور کے ایک نامور طبیب اور ادیب و دانشور، صحافی، شاعر، نقاد اور سیاست دان تھے۔ اور تحریک پاکستان میں ان کی گرانقدر خدمات کے سلسلے میں حکومت پاکستان نے انہیں گولڈ میڈل دیا تھا۔ مولانا عطاء اللہ مرحوم کے دیرینہ اور مخلص دوست تھے۔ حکیم صاحب مرحوم جب بھی لاہور جاتے تو مولانا عطاء اللہ کے مہمان ہوتے۔ حکیم صاحب مرحوم اکثر مجھ سے مولانا عطاء اللہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

میں نے مولانا عطاء اللہ حنیف جیسا ذی علم، محقق، مدبر اور صاحب بصیرت عالم نہیں دیکھا۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ملکی سیاست اور برصغیر کی تمام سیاسی و غیر سیاسی تحریکات سے کما حقہ واقف تھے۔ ہر تحریک کے بارے میں اپنی ایک ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔ تحریک ندوۃ العلماء، جمعیتہ العلماء ہند، مجلس خلافت اور مجلس احرار کے بارے میں ان کو بہت زیادہ معلومات تھیں اور کبھی کبھی وہ ان تحریکات کے متعلق اظہار خیال بھی فرماتے تھے۔ میری طرح مولانا ابوالکلام آزاد، سید سلیمان ندوی اور مولانا ظفر علی خاں سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ اس لیے مولانا عطاء اللہ سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت تھی۔

وفات:

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف پر ۱۹۸۳ء میں فالج کا حملہ ہوا۔ جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ علاج معالجہ ہوتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد سہارے سے چلنے پھرنے لگے۔ آخر آپ نے ۳ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو انتقال کیا۔ مولانا حافظ محمد یحییٰ میری محمدی نے نماز جنازہ پڑھائی اور میانی صاحب کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

## تصانیف:

مولانا عطاء اللہ حنیف ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ ان کی تمام تصانیف ان کے علم و فضل، ذوق تحقیق اور وسعت مطالعہ کی آئینہ دار ہیں۔ آپ کی تصانیف عربی اور اردو میں ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

- ① اصول تفسیر (اردو) تالیف امام ابن تیمیہ ترجمہ مولانا عبدالرزاق بلیح آبادی (اس کے حواشی آپ نے لکھے)
- ② التعليقات السلفية (شرح سنن نسائی (عربی))
- ③ تنقیح الرواة فی تخریج احادیث المشکوٰۃ (عربی) جلد ثالث
- ④ فیض الودود تعلیق علی سنن ابی داؤد (عربی)
- ⑤ رہنمائے حجاج (اردو)
- ⑥ احادیث رفع الیدین کا کوئی نسخ نہیں ہے۔ (اردو)
- ⑦ قربانی کی شرعی حیثیت اور چند نفل فہمیوں کا ازالہ (اردو)
- ⑧ پیارے رسول کی پیاری دعائیں
- ⑨ اسلام اور قبروں پر عرس
- ⑩ تعلیق الاتباع (عربی)
- ⑪ ترجمۃ الايقان فی اسباب الاختلاف (اردو)
- ⑫ کربلا کی کہانی حضرت امام ابو جعفر باقر کی زبانی
- ⑬ امام شوکانی (اردو)
- ⑭ حیات امام احمد بن حنبل۔ تالیف: پروفیسر ابوزہرہ مصری، ترجمہ: رئیس احمد جعفری، تنقیح و تحقیق اور تخریج و حواشی: مولانا عطاء اللہ حنیف
- ⑮ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ تالیف: پروفیسر ابوزہرہ مصری، ترجمہ: رئیس احمد جعفری، مقدمہ: غلام رسول مہر، تنقیح، تخریج اور تحقیق و حواشی: مولانا عطاء اللہ حنیف

(۱۶) حیات امام ابوحنیفہ۔ تالیف: پروفیسر ابوزہرہ مصری، ترجمہ: غلام احمد حریری، تنقیح و تحقیق اور تخریج و حواشی: مولانا عطاء اللہ حنیف

(۱۷) اتحاف النبیہد فیما یحتاج الیہ المحدث والفقہ (عربی)

استدراک:

مولانا عطاء اللہ حنیف کی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں گزرا۔ اس لیے آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محمد اسحاق بھٹی  
 سابق مدیر ہفت روزہ الاعتقاد لاہور  
 مولانا محمد الدین سلفی مرحوم  
 سابق مدیر ہفت روزہ الاعتقاد لاہور  
 مولانا حافظ صلاح الدین یوسف  
 سابق مدیر ہفت روزہ الاعتقاد لاہور  
 مولانا محمد سلیمان انصاری مرحوم  
 سابق منتظم ہفت روزہ الاعتقاد لاہور  
 مولانا حافظ نعیم الحق نعیم مرحوم  
 سابق مدیر ہفت روزہ الاعتقاد لاہور  
 مولانا حافظ احمد شاہر  
 سابق مدیر ہفت روزہ الاعتقاد لاہور

حافظ عبدالرحمن گوہڑوی  
 مولانا حافظ محمد اسحاق حسینی  
 مولانا معین الدین لکھوی  
 مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری مرحوم  
 مولانا محمد یحییٰ شرق پوری

مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم رویت ہلال کمینی، مجلس شوریٰ اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی رہے۔ جمعیۃ اہلحدیث لاہور کے امیر اور مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ آخری عمر میں جمعیۃ اہلحدیث پاکستان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔



## حافظ احمد شاکر

حافظ احمد شاکر، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے گھر ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوئے۔  
دینی تعلیم کی ابتداء حفظ قرآن مجید سے کی۔ بعد ازاں اپنے والد محترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف  
سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا ابوالبرکات احمد مداری اور حضرت العلام  
مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی سے بھی استفادہ کیا۔

مولانا عطاء اللہ حنیف نے جب اپنا اشاعتی ادارہ المکتبۃ السلفیہ قائم کیا تو اس کا سارا  
انتظام آپ نے حافظ صاحب کے سپرد کر دیا۔ حافظ نعیم الحق نعیم کے انتقال کے بعد الاعتصام  
کی ذمہ داری آپ پر آ پڑی۔ آج کل آپ ہی الاعتصام کے روح رواں ہیں۔ ان کے  
اداریے بڑے معلوماتی ہوتے ہیں۔ حالات حاضرہ پر بڑے اچھے انداز میں اظہار خیال  
کرتے ہیں۔

حافظ احمد شاکر بڑے ملنسار، خوش اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے حامل ہیں۔ جب بھی  
ملتے ہیں بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ بڑے متواضع ہیں۔



## فصل سوم

شاه محمد یعقوب دہلوی	۲	شاه محمد اسحاق دہلوی	۱
وحید الزمان حیدرآبادی	۴	بدیع الزمان حیدرآبادی	۳
ابو عبد اللہ محمد خان پوری	۶	عبدالاحد خان پوری	۵
عبدالرحمن بقا	۸	یوسف حسین خان پوری	۷
فقیر اللہ مدراسی	۱۰	عبدالمنان وفا	۹
محب اللہ شاہ راشدی	۱۲	عبدالرحمن شاہ پوری	۱۱
احسان الہی ظہیر	۱۳	بدیع الدین شاہ راشدی	۱۳
عبدالرحمن راسخ	۱۶	ڈاکٹر فضل الہی	۱۵
محمد سلیمان اثری	۱۸	عبدالستار حامد	۱۷
عبدالرحمن سلفی	۲۰	عبدالمنان راسخ	۱۹
		محمد اسحاق سلفی	۲۱





## شاہ محمد اسحاق دہلویؒ

حضرت شاہ محمد اسحاق بن شیخ محمد افضل فاروقی ۱۱۹۲ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے تھے۔

علوم دینیہ کی تعلیم مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی، مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد مدرسہ رحیمیہ دہلی میں مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ اور مسلسل ۲۰ سال تک حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی نگرانی میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۲۳۹ھ میں حضرت شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے۔

۱۲۴۰ھ میں حرمین شریفین تشریف لے گئے تو شیخ عمر بن عبدالکریم مکی سے حدیث میں استفادہ کیا۔ ۱۲۴۲ھ میں واپس ہندوستان آئے اور دوبارہ مدرسہ رحیمیہ کی مسند تدریس پر فائز ہوئے اور ۱۶ سال تک کتاب و سنت کی اشاعت میں مصروف رہے۔

۱۲۵۸ھ میں آپ نے اپنے برادر خورد مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔ مکہ معظمہ میں بھی اپنی وفات ۱۲۶۲ھ تک حدیث کی تدریس و خدمت میں سر تاپا منہمک رہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق نے ۳۰ سال تک تدریس فرمائی اور اس عرصہ میں آپ سے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔ آپ کے تلامذہ کا شمار ممکن نہیں۔ تاہم آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا احمد علی سہارن پوری محشی صحیح بخاری، نواب صدر الدین خاں دہلوی، نواب قطب الدین دہلوی، مولانا عالم علی مراد آبادی، مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی، مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی، مولانا قاری عبدالرحمن پانی پتی، مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی، مولانا شاہ محمد

عمر بن شاہ محمد اسمعیل شہید دہلوی، مولانا عبدالخالق دہلوی، مولانا شاہ عبدالنئی مجددی، مولانا حافظ محمد جون پوری، مولانا عبدالقیوم بھوپالی، مولانا محمد فاضل سواتی اور سر سید احمد خاں دہلوی مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی علم و فضل کے اعتبار سے بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ سید رئیس احمد جعفری ندوی لکھتے ہیں کہ:

شاہ محمد اسحاق علم حدیث کے تمام گوشوں میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ انتہائی متقی اور پرہیزگار تھے اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ اس میں ان کی محویت و استغراق کا یہ عالم تھا کہ شاہ عبدالعزیز جب مدرسے میں تشریف لاتے اور دریافت کرنے کہ اس وقت مدرسے میں کون ہے۔ اگر خدام کہتے کہ حضوں فلاں ہے تو فرماتے خیر۔ اگر وہ لوگ کہہ دیتے میاں اسحاق ہیں تو فرماتے کہ مدرسے کی حفاظت کا انتظام کرو۔ اسحاق کے بھروسے پر نہ رہو۔ اسباب تو اسباب اگر کوئی مدرسے کی دیواریں اٹھا کر لے جائے گا۔ تب بھی اسے خبر نہ ہوگی۔

گویا محویت اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ ارد گرد کے ماحول سے بالکل بے خبر ہوتے۔ اس لیے تو حضرت شاہ عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے:

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ﴾  
 ”اللہ کی بے پناہ تعریف کہ جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسمعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔“

حضرت شاہ محمد اسحاق کے زہد و ورع اور علم و فضل کی بنا پر حضرت شاہ عبدالعزیز اپنی زندگی میں نماز پنجگانہ کی امامت ان سے کرایا کرتے تھے۔

تصانیف میں مسائل اربعین، مائتہ مسائل اور تذکرۃ الصیام لکھی۔

مولوی رحمن علی نے فتاویٰ ہندی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور مولوی محمد محسن تریبی نے ترجمہ

مشکوٰۃ کا بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق نے ۲۷ رجب ۱۲۶۲ھ کو مکہ معظمہ میں انتقال کیا اور جنت المعلى

میں حضرت خدیجہ بنت النبیؓ کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔

آپ کے غسل جنازہ پر شیخ عبداللہ سراج مکی نے فرمایا:

” وَاللّٰهِ اِنَّهُ لَوْ عَاشَ وَقَرَاتِ عَلَيْهِ الْحَدِيثُ طَوَّلَ عُمُرِيْ قَانَلْتُ مَا نَالَهُ.“

”بخدا! اگر یہ زندہ رہتے اور میں تمام عمران سے حدیث پڑھتا تو اس رتبے کو نہ پہنچ سکتا تھا، جس پر یہ پہنچ چکے ہیں۔“



## شاہ محمد یعقوب دہلویؒ

مولانا شاہ محمد یعقوب بن شیخ محمد افضل فاروقی حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کے چھوٹے بھائی اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسے تھے۔

۲۸ رذی الحجہ ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۶ء دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم دینیہ کی تعلیم اپنے نانا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی اور برادر بزرگ، شاہ محمد اسحاق سے حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تمام امور میں اپنے برادر بزرگ حضرت شاہ محمد اسحاق کے معاون و مددگار رہے۔ حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی سے بیعت تھے۔ ان کی تحریک جہاد میں ان سے ہر ممکن تعاون کیا۔

محترمہ ڈاکٹر ثریا ڈار صاحبہ رقمطراز ہیں کہ:

”شاہ محمد یعقوب تحریک جہاد کے دوران میں ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۳ء اپنے بڑے بھائی شاہ محمد اسحاق کے ساتھ فریضہ حج کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے تھے۔ دو سال بعد ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں وطن واپس آئے۔ اور سلسلہ تعلیم و

تدریس جاری رکھا۔“

ان کے تلامذہ میں حکیم عبدالحمید خاں رام پوری اور مکہ کے اجازہ سے نخی السنۃ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں شامل ہیں۔

۱۲۵۸ھ میں آپ نے اپنے برادر بزرگ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کی وہاں بھی آپ علم حدیث و تفسیر، فقہ و اصول اور تصوف و طریقت کی تعلیمات میں مصروف و منہمک رہے اور بہت سے باشندگان عرب آپ سے مستفیض ہوئے۔  
مولانا شاہ محمد یعقوب اپنے زمانے کے عالم کامل، فاضل اجل، صادق و امین، قانع و مستغنی اور عابد و زاہد، محدث و فقیہ اور مفسر تھے۔

آپ نے ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۷ء مکہ معظمہ میں وفات پائی اور اپنے برادر بزرگ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی کے پہلو میں دفن ہوئے۔



## بدیع الزمان حیدرآبادی

مولانا بدیع الزمان بن مسیح الزمان بن نور محمد علمائے مشہورین میں سے تھے۔ بڑے عالم فاضل، علوم اسلامیہ کے تبحر عالم اور صاحب فہم و بصیرت تھے۔ ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔  
علوم دینیہ کی تحصیل مولانا عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی، مولانا محمد زمان سہارن پوری، مولانا محمد عباس پشاور سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ مولانا ولایت علی عظیم آبادی کی بیعت ہوئے۔ بعد ازاں آپ حج بیت اللہ کے لئے حجاز تشریف لے گئے۔  
وہاں آپ نے شیخ محمد بن عبدالرحمان سہارن پوری مہاجر سے حدیث کی تحصیل کی۔ اس کے بعد واپس ہندوستان تشریف لائے اور حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد آپ کو مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے بھوپال بلا لیا اور ان کی خدمت میں کافی عرصہ رہے۔ اس کے بعد بوجہ آپ بھوپال سے حیدرآباد دکن چلے گئے اور زندگی کا بقیہ حصہ وہیں گزارا۔

مولانا بدیع الزمان نے تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔

آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

- ① مرآة القرآن فی قصص القرآن
- ② ترجمہ جامع ترمذی
- ③ ترجمہ سنن ابن ماجہ
- ④ رسالہ استواء علی العرش
- ⑤ ریاض الجنۃ
- ⑥ فتح المسبین علی رد مذہب المقلدین
- ⑦ فتح المنان فی لغات القرآن
- ⑧ سیکہ الذهب الابریز

مولانا بدیع الزمان کا شمار ان علماء میں ہوتا تھا جو تقلید شخصی کے سخت مخالف تھے اور حنفی مذہب سے بہت زیادہ تعصب رکھتے تھے۔ آپ نے ۱۳۰۴ء میں حیدرآباد میں انتقال کیا۔



## وحید الزمان حیدرآبادی

مولانا وحید الزمان حیدرآبادی بن مولانا مسیح الزمان ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء میں کانپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم عربی و فارسی کی کتابیں اپنے برادر اکبر مولانا بدیع الزمان سے پڑھیں اور قرآن مجید ناظرہ مع ترجمہ اپنے والد مولانا مسیح الزمان سے پڑھا۔

آپ نے جن اساتذہ کرام سے مختلف علوم و فنون میں استفادہ کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

- |   |   |                                   |   |
|---|---|-----------------------------------|---|
| مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی                | ① | مولانا محمد سلامت اللہ کان پوری   | ② |
| مولانا محمد عادل کان پوری                     | ③ | مولانا سید حسین شاہ بخاری         | ④ |
| مولانا محمد لطف اللہ علی رٹھی                 | ⑤ | مولانا محمد بشیر الدین قنوی       | ⑥ |
| مولانا نیاز محمد بخاری                        | ⑦ | مولانا عبدالحی فرنگی محلی         | ⑧ |
| مولانا عبدالعزیز محدث لکھنوی                  | ⑨ | مولانا شیخ عبدالحق محدث بنارس     | ⑩ |
| مولانا فضل الرحمن شیخ مراد آبادی              | ⑪ | غلامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی | ⑫ |
| شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی | ⑬ |                                   |   |

مولانا وحید الزمان جب حجاز تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے جن شیوخ سے حدیث

کی سند و اجازت حاصل کی وہ یہ ہیں:

شیخ احمد بن عیسیٰ بن ابراہیم الشرقی الحنبلی اور شیخ بدرالدین مدنی

تکمیل تعلیم کے بعد ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں مولانا وحید الزمان حیدرآباد دکن چلے

گئے۔ وہاں آپ کے والد مولانا مسیح الزمان بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ ۱۲۸۷ھ میں اپنے

والد کے ہمراہ پہلاج کیا۔ ۱۲۸۸ھ میں واپس حیدرآباد آئے اور ۱۲۹۳ھ میں دوبارہ حج بیت

اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس بار آپ نے مکہ معظمہ میں کبار علمائے حدیث سے

ملاقاتیں کیں اور ان سے مستفیض ہوئے۔ آپ نے جن مشائخ سے استفادہ کیا۔ ان کے نام

یہ ہیں:

① سید احمد بن حمید مفتی الحنابلہ

② محمد بن سلیمان حسب اللہ الشافعی

③ سید احمد بن زینی بن احمد دحلان الشافعی

④ مولانا شاہ عبدالغنی مجردی

۱۱۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں آپ واپس حیدرآباد دکن تشریف لائے اور اپنی ملازمت پر بحال

ہوئے۔ اپنی خداداد صلاحیت کارکردگی کی وجہ سے ترقی کرتے ہوئے سیکرٹری خزانہ ریاست

حیدرآباد پر فائز ہوئے۔ ان خدمات کے باعث ان کو ”وقار نواز جنگ“ کا خطاب بھی ملا۔

مولانا وحید الزمان بڑے جید عالم دین تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کو دسترس تھی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ سے نوازا تھا۔ آپ بہت زیادہ مطالعہ کرتے تھے۔ مطالعہ کا شوق انہیں طالب علمی کے زمانہ سے ہی تھا۔ آپ نے ۲۳ سال کی عمر میں ۱۵ مہینوں میں قرآن مجید حفظ کیا۔ ۳۰ سال کی عمر میں آپ نے انگریزی کی طرف توجہ کی اور کم و بیش ۶ ماہ میں اتنی استعداد پیدا کر لی کہ اپنا مافی الضمیر انگریزی میں بخوبی ادا کر سکتے تھے۔

انہیں ایام آپ نے قانون کا بھی مطالعہ کیا۔

مولانا وحید الزمان میں ایک اور خصوصیت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی کہ آپ بہت زیادہ زود نویس تھے۔ قیام حجاز کے دوران آپ نے بے شمار رسائل اور کتابیں نقل کر کے اپنے ساتھ ہندوستان لائے۔

مولانا وحید الزمان کے علم و فضل کا اعتراف علماء اسلام نے کیا ہے۔

مولانا عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں کہ:

”مولانا وحید الزمان حیدرآبادی تبحر عالم تھے۔ فقہ، حدیث، تفسیر، لغت اور اصول فقہ وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ کثیر المطالعہ اور قوی الحافظ تھے۔ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔“

مولانا وحید الزمان اخلاق و عادات کے اعتبار سے اعلیٰ مرتبہ و مقام پر فائز تھے۔ اخلاص، حسن نیت، ذکر الہی، عبادت و ریاضت، حق گوئی و بے باکی، مہمان نوازی اور تواضع وغیرہ اوصاف سے بہت زیادہ متصف تھے۔

مولانا وحید الزمان آخری عمر میں حیدرآباد سے وقارآباد منتقل ہو گئے تھے۔ یہاں آپ نے ۲۵ شعبان ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۲۰ء کو انتقال کیا۔ عمر ۷۷ سال تھی۔

تصانیف:

مولانا وحید الزمان، صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- ۱- ترجمہ قرآن مجید مع حواشی
- ۲- تفسیر وحیدی مع موضح القرآن
- ۳- تبویب القرآن لضبط مضامین القرآن
- ۴- تحفة القرآن
- ۵- احسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد (عربی)
- ۶- تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری
- ۷- تسهیل القاری ترجمہ صحیح بخاری مع الشرحین فتح الباری و ارشاد الساری یعنی قسطلانی نیل الاوطار شرح منتقى الاخیار
- ۸- المعلم ترجمہ صحیح مسلم
- ۹- الہدیٰ المحمود ترجمہ سنن ابی داؤد
- ۱۰- روض الربیٰ من ترجمۃ المجتبیٰ (سنن نسائی)
- ۱۱- کشف المغطاء فی ترجمہ مؤطا امام مالک
- ۱۲- جائزۃ الشعوزی ترجمہ جامع ترمذی
- ۱۳- رفع الحاجہ ترجمہ سنن ابن ماجہ
- ۱۴- اصلاح الہدایہ وتصحیح الروایہ (۶ جلد) (أردو)
- ۱۵- اشراق الابصار تخریج احیاء نور الانوار (عربی)
- ۱۶- الانتباء فی الاستواء
- ۱۷- راہ نجات
- ۱۸- تشریح الحج والزیارۃ
- ۱۹- نزل الابرار من فقہ النبی المختار (۲ جلد) (عربی)
- ۲۰- ہدیۃ المہدی من الفقہ المحمدی (۳ جلد) (عربی)
- ۲۱- کنز الحقائق من فقہ خیر الخلائق (عربی)



- ۲۲۔ نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ (۴ جلد)
- ۲۳۔ المشرب الوردی من الفقه المحمدی (۵ جلد) (عربی)
- ۲۴۔ تقریر دلپذیر
- ۲۵۔ قواعد محمدی
- ۲۶۔ فتویٰ بے نظیر
- ۲۷۔ وظیفہ نبی باور ادا الوحید
- ۲۸۔ علامات الموت
- ۲۹۔ تذکرۃ الوحید
- ۳۰۔ مجموع میرزا ہد شرح مواقف (عربی)
- ۳۱۔ اسرار اللغۃ المقلب بہ وحید اللغات
- ۳۲۔ رپورٹ لوکل فنڈ و تاریخ ممالک محروسہ سرکار نظام
- ۳۳۔ مجموعہ قوانین مال سرکار نظام
- ۳۴۔ مضامین سبعہ مندرجہ رسالہ معلم نسوان
- ۳۵۔ اطاشیۃ الوحید علی الحاشیہ الزاہدیہ (عربی)
- ۳۶۔ عقیدہ اہل سنت
- ۳۷۔ تصحیح کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال (عربی)

### مسئلہ:

مولانا وحید الزمان کا خاندان حنفی المسئلہ تھا۔ اس لیے اوائل عمر میں آپ کو حنفی مسلک سے بڑا ضعف رہا۔ مگر بعد میں آپ کے برادر بزرگ مولانا بدیع الزمان کی صحبت اور حدیث کی کتابوں کے ترجمہ کی وجہ سے غیر مقلد (ابجدیث) بن گئے تھے اور عقائد میں پورے کے پورے سلفی تھے۔

## عبدالاحد خان پوریؒ

مولانا قاضی عبدالاحد بن قاضی محمد حسن ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ مطابق ۳ اپریل ۱۸۵۲ء خان پور میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔

اس کے بعد آپ حضرت مولانا سید عبداللہ غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔ بعد ازاں حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تکمیل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد واپس وطن آ کر کتاب و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں مشغول ہوئے۔ آپ کی تبلیغ و دعوت سے مبتدعین اور مقلدین بہت گبر اتے تھے اور آپ کو مصائب و آلام سے بھی دوچار کیا لیکن آپ کے پائے ثبات و استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر جگہ کامیاب و کامران کیا۔ قاضی صاحب نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا بھی مقابلہ کیا۔ ان سے بحث و مباحثہ اور مناظرے کیے۔ قاضی صاحب نے مقلدین کو اتنا زچ کیا کہ ان کا جینا دو بھر کر دیا۔ حق گوئی اور بے باکی میں ان کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

قاضی صاحب حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، توجج کی سعادت سے فارغ ہونے کے بعد سلطان ابن سعود (عبدالعزیز بن عبدالرحمان) سے ملاقات ہوئی، تو سلطان ابن سعود نے دوران گفتگو فرمایا کہ ایک مسئلہ کے متعلق علمائے حرمین نے جو فتویٰ دیا ہے۔ وہ مجھے پسند نہیں آیا۔ برخلاف اس کے علمائے نجد کا فتویٰ مجھے پسند آیا ہے۔

قاضی صاحب نے سلطان ابن سعود کی خدمت میں عرض کی کہ:

میں آج تک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرا اور میں آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ علمائے حریمین کا فتویٰ صحیح ہے۔ اس فتویٰ کی تائید میں آپ نے ایک گھنٹہ عربی میں تقریر کی۔ سلطان ابن سعود آپ کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

”عَقِيدَتُنَا عَقِيدَتُكَ.“ (میرا عقیدہ وہی ہے جو آپ کا ہے۔) واپسی کے وقت

سلطان ابن سعود نے آپ کو خلعت سے نوازا اور اپنی گاڑی پر آپ کو جدہ پہنچایا۔

آپ میں دینی حمیت و غیرت بہت زیادہ تھی۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ ہے کہ:

”آپ ایک دن راولپنڈی کے بازار سے گزر رہے تھے کہ آپ کی نظر آپ بندو

کتب فروش کی دکان پر پڑی جو قرآن مجید کے ایک بندل پر پاؤں رکھ کر الماری

سے کوئی کتاب نکال رہا تھا۔ آپ فورا اس کی دکان میں تشریف لے گئے۔ پہلے

اسے برا بھلا کہا۔ اس کے بعد اس پر لاتوں اور مکوں کی بارش کر دی۔ اور اس کے

سر کی چٹیا بھی اکھیر دی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ اور بڑی مشکل سے انہوں نے قاضی

صاحب سے اس بندو کی جان چھڑائی۔ بندو آپ سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ ان

کی جرأت نہ ہوئی کہ آپ کے خلاف کوئی قانونی قدم اٹھائیں۔“

توحید و سنت کی حمایت اور شرک و بدعت کی تائید میں آپ کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔

مرزائے قادیان کے خلاف آپ نے تحریری و تقریری جہاد کیا۔ اس فرقہ باطلہ کے

مقابلہ میں آپ کا سب سے بڑا کارنمایاں بمقام ”زیرہ“ ایک مرزائی مبلغ مولوی محمد علی سے

مقابلہ تھا۔ جو آپ کے سامنے ہلاک ہوا اور آپ کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

مولانا قاضی عبدالاحد بہت بڑے مصنف تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر ۳۲

کتابیں لکھیں۔

مولانا قاضی عبدالاحد خان پوری ایک طبیب حاذق تھے۔ طب میں حکیم نور الدین

قادیانی کے شاگرد تھے۔ علاج و معالجہ میں بڑے کامیاب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ

میں شفا رکھی تھی۔ بڑے سے بڑے پیچیدہ امراض کے مریض آپ کے علاج سے شفا یاب ہو جاتے تھے۔

آپ نے ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۸ء کو اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔



## قاضی محمد بن حسن خان پوری

مولانا قاضی ابو عبد اللہ محمد بن حسن خان پوری ۲ شعبان ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۸۵۴ء خان پور میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد قاضی محمد حسن سے حاصل کی۔ حدیث کی تحصیل استاد پنجاب حضرت مولانا حافظ عبد المنان محدث وزیر آبادی سے کی اور سند و اجازت شیخ لکل مولانا محمد نذیر حسین دہلوی سے حاصل کی۔ مولانا سید عبد الجبار غزنوی اور حضرت سید عبد اللہ غزنوی کے فیوض و برکات سے بھی مستفیض ہوئے۔

دہلی میں حضرت میاں صاحب کے درس میں مولانا عبد العزیز رحیم آبادی صاحب ”حسن البیان فیما فی سیرة النعمان“ آپ کے ہم سبق تھے۔

فراغت تعلیم کے بعد ۱۸۹۳ء یا ۱۸۹۵ء میں مولانا سید عبد الجبار غزنوی کے حکم پر پشاور صدر میں مسجد مولوی عبد المجید مرحوم کے خطیب مقرر ہوئے اور ۱۹۰۸ء تک آپ اس مسجد کے خطیب رہے۔

۱۹۰۸ء میں خان پور واپس آئے اور ۲ سال یہاں پر مقیم رہے۔ ۱۹۰۹ء میں مسجد الہند یٹ راو پنڈی شہر کے خطیب مقرر ہوئے اور ۱۹۱۶ء تک آپ اس مسجد سے منسلک رہے۔

مولانا قاضی ابو عبد اللہ محمد بن حسن قبحر عالم دین تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع تھی۔ بڑے عابد و زاہد اور صاحب کرامات تھے اور بڑے جرأت مند عالم دین تھے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ان کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس سلسلہ میں کسی کی بھی وہ پروا نہیں کرتے تھے۔

ان کی ساری زندگی دس و تدریس، دعوت و ارشاد اور وعظ و تبلیغ میں بسر ہوئی۔ آپ دمہ کے پرانے مریض تھے۔ علاج معالج سے کبھی کبھی آفاقہ ہو جاتا تھا۔ آخر آپ نے ۶ نومبر ۱۹۲۹ء کو انتقال کیا اور اپنے آبائی قبرستان خان پور میں دفن ہوئے۔



## قاضی یوسف حسین خان پوری

مولانا قاضی ابوالسعید یوسف حسین بن قاضی محمد حسن ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۸۵ھ بروز جمعہ المبارک خان پور میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد قاضی محمد حسن اور برادران مولانا قاضی عبدالاحد اور مولانا قاضی ابو عبد اللہ محمد بن حسن سے حاصل کی۔

۱۳۰۱ھ میں آپ افغانستان چلے گئے اور وہاں آپ نے مولوی عبدالکریم بن مولانا ولایت علی عظیم آبادی سے حدیث کی مشہور کتاب سنن نسائی اور دیگر کتب پڑھیں۔ اس کے بعد وطن واپس آئے اور دو سال تک اپنے وطن میں مقیم رہے۔

۱۳۰۵ھ میں پیدل دہلی کا سفر کیا اور محرم ۱۳۰۶ھ میں آپ دہلی پہنچے اور حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور آپ سے علم حدیث و تفسیر میں استفادہ کیا۔ ۱۳۰۷ھ میں آپ نے حضرت میاں صاحب سے سند و اجازت حاصل کی۔ میاں صاحب کے درس میں مولانا حافظ عبدالغفور غزنوی بن مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی آپ

کے ہم سبق تھے۔ اسی سال آپ نے مولانا ابویحییٰ محمد شاہ جہان پوری صاحب ”الارشاد“ سے بھی سند حدیث حاصل کی۔ ۱۳۰۸ھ میں آپ نے علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے حدیث میں سند و اجازت حاصل کی۔

مولانا یوسف حسین بڑے ذی علم عالم تھے، کثیر المطالعہ تھے، حافظہ قوی تھا اور علم کلام میں بھی دسترس تھی۔ دوران تعلیم دہلی میں آپ کا مناظرہ ایک شیعہ عالم سے ہوا، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی سے سرفراز فرمایا۔

قاضی صاحب بڑے خوشنویس تھے۔ عربی، فارسی اور انگریزی بھی خوب لکھتے تھے۔ دہلی میں آپ کا ذریعہ معاش کتابت تھا۔

قاضی یوسف حسین علوم اسلامیہ میں مکمل دسترس رکھتے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ وغیرہ پر مکمل عبور تھا۔ ادب و لغت میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ شعر و سخن کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ بلکہ خود بھی شعر کہتے تھے۔ آپ عربی، فارسی اور اردو کے باکمال شاعر تھے۔ اپنے دہلی کے قیام میں مشاعروں میں حصہ لیتے تھے اور نظمیں پڑھتے تھے۔

## آپ کے مختارات

مولوی ابویحییٰ امام خان نوشہروی کے نوٹس سے ماخوذ

- ① عیدین کے خطبہ میں فصل کے قائل نہ تھے۔ (ایک ہی خطبہ پڑھتے تھے)
- ② سفر میں قید ایام کے قائل نہ تھے۔
- ③ نماز جنازہ میں قرأت عموماً جہر سے پڑھتے تھے۔
- ④ مسجد سے فارغ نماز عموماً جو توں سمیت پڑھتے تھے۔
- ⑤ بغیہ (زانیہ عورت رنڈی) کی توبہ پر بھی اس کے مال کی حرمت پر مصر نہ تھے۔ اس مسئلہ پر حافظ عبداللہ غازی پوری سے تحریری مناظرہ ہوا۔
- ⑥ عورة الفخذ کے قائل نہ تھے، بلکہ اسے بدعت کہتے تھے۔

- ۷ وضو کرتے وقت تبدیلی مقام پر تجدید وضو کے قائل تھے۔
- ۸ التزام قنوت فی الوتر کے قائل نہ تھے۔
- ۹ تکبیرات عیدین میں اللہ اکبر کبیرا والحمد لله کبیرا وسبحان اللہ بکرة واصیلا پڑھتے تھے۔
- ۱۰ بھینس کی قربانی کے قائل نہ تھے کیونکہ عرب میں پائی نہیں جاتی اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس کی قربانی نہیں ہوتی تھی۔
- ۱۱ بعد رکوع ہاتھ باندھتے تھے۔ اس پر ایک مستقل رسالہ (أردو، عربی میں) بنام ”اتمام الخشوع وضع الیدین علی الشمال بعد الركوع“ بھی لکھا تھا۔
- ۱۲ بعد نماز ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا مانگنا بدعت سمجھتے تھے۔
- ۱۳ سفر میں کسی حد کے قائل نہ تھے، جب بھی اپنی بستی سے باہر تشریف لے جاتے قصر کر لیتے۔

### تصانیف:

مولانا قاضی یوسف حسین تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف

درج ذیل ہیں:

- ۱ تقویم دارالعلوم دہلی مطبوعہ ۱۹۰۷ء
- ۲ ترویج الموحدین (۸ رکعت تراویح کے مسنون ہونے کا ثبوت)
- ۳ اتمام الخشوع بوضع الیدین علی الشمال بعد الركوع (عربی)
- ۴ ایضاً (أردو)
- ۵ زبدة المقادیر (أردو)
- ۶ العقیة الواسطیة ابن تیمیہ کا أردو ترجمہ
- ۷ دعوة الحق (عربی)
- ۸ اید الحوب باكل ما بقی من الكسب الحرام بعد الثوب

۹ ﴿ جواب فتویٰ مولوی حبیب اللہ مولوی فاضل راویپنڈی

۱۰ ﴿ ترجمہ کتاب ” ذم الموسوسین والتخذیر من الوسوسہ الشیخ موفق الدین  
بن قدامہ المقدسی الحنبلی“

۱۱ ﴿ القول الحق

۱۲ ﴿ البينات

۱۳ ﴿ تفسیر کبیر کامل اردو (صرف سات پارے طبع ہوئے)

۱۴ ﴿ عقائد اہلحدیث

۱۵ ﴿ معرفة الاوقات (اردو)

مولانا قاضی یوسف حسین نے ۶ صفر ۱۳۵۲ھ مطابق یکم جون ۱۹۳۳ء خان پور میں  
انتقال کیا۔ عمر ۶۴ سال تھی۔

آپ کے انتقال سے خان پور اپنے آخری جامع العلوم والفنون اور عالم باعمل اور ناشر  
توحید و سنت سے محروم ہو گیا۔

## عبدالرحمن بقا

مولانا عبدالرحمان بقا غازی پوری، مولانا حافظ عبداللہ غازی پور کے بھانجے تھے۔ علوم  
اسلامیہ کی تحصیل مولانا عبداللہ لکھنوی اور اپنے ماموں حافظ عبداللہ محدث غازی پوری سے  
حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد کچھ مدت مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں تدریس فرمائی۔ آپ  
علوم اسلامیہ کے قبضہ عالم تھے۔ عربی ادب اور شعرو سخن سے بہت زیادہ شغف تھا۔ آپ عربی  
کے قادر الکلام شاعر تھے۔



آپ تصانیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں

① خیار الدعوات

② الديات مبصرات في بحث المسكرات

③ تاسيس التوحيد في ابطال وجوب التقليد

④ ديوان اشعار (أردو)

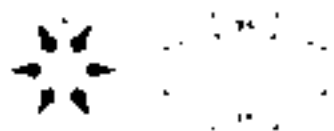
⑤ توشیح التهذیب

⑥ سُرمَن یَری فی بحث الجمعة فی القرئی (جلد ۲)

اس کتاب کی تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ دیہات میں جمعہ کی فرضیت کے سلسلہ میں دہلی سے ایک فتویٰ شائع ہوا۔ جس کے جواب میں مولانا رشید احمد گنگوہی نے ایک رسالہ ”اوثق القرئی فی بحث الجمعة القرئی“ شائع کیا۔

اہلحدیث علماء کی طرف سے اس رسالہ کے جواب میں دو کتابیں شائع ہوئیں۔ ”هدی الوری الی اقامة الجمعة فی القرئی“ از مولانا ابوالکارم محمد علی اور ”کسر الوری فی بحث الجمعة فی القرئی“ از مولانا محمد سعید محدث بنارسی ان دونوں کتابوں کے جواب میں مولانا محمود الحسن دیوبندی مرحوم نے ”احسن القرئی فی توضیح اوثق القرئی“ کتاب لکھی۔ اس کتاب کے جواب میں مولانا عبدالرحمن بقا غازی پوری نے ”سرمَن یَری فی بحث الجمعة فی القرئی“ لکھی۔ یہ کتاب اس موضوع پر حرف آخر ہے۔ اس کتاب کے بعد کسی تقلیدی عالم کو اس کا جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی۔

مولانا عبدالرحمن بقا غازی پوری نے سنت رسول اللہ ﷺ و آثار صحابہ اور اقوال ائمہ سے دلائل سے ثابت کیا کہ نماز جمعہ مثل شہر والوں کے دیہات کے لوگوں پر بھی فرض ہے۔ مولانا عبدالرحمان بقا نے ۱۳۸۱ھ میں انتقال کیا۔



## عبدالمنان وفا

مولانا حافظ عبدالمنان وفا ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کے بھانجے تھے۔ آپ نے علوم اسلامیہ کی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولانا عبدالرحمن بقا غازی پوری اور اپنے ماموں مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری سے حاصل کی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی حافظہ کی نعمت سے نوازا تھا۔ ”سبعہ معلقہ، دیوان حماسہ اور دیوان متنبی“ نوک زبان تھے۔

پھر ذوق ادب نے اتنی ترقی کی کہ خود بھی برجستہ عربی میں اشعار کہنے لگے۔ مدرسہ احمدیہ (مدارس) کے سالانہ جلسہ میں عربی میں قصیدہ پڑھا۔ جس کی تحسین مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری نے فرمائی۔

آپ نے مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں چند سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی دوران آپ سخت علیل ہو گئے اور زندگی سے مایوس ہو گئے اور بالآخر خود ہی اپنا ریشہ لکھ ڈالا۔ آپ اپنے فرائض کے پابند و طائف کے مواظب اور نماز میں قانت تھے۔ ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں سفر آخرت اختیار کیا۔

## فقیر اللہ مدراسی

مولانا فقیر اللہ بن فتح الدین بن عبداللہ ۱۲۸۰ھ میں موضع کھٹہ مصرال ضلع خوشاب (مغربی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے برادر اکبر مولانا محمد بن فتح الدین تلمیذ حضرت علامہ سید محمد نذیر حسین دہلوی و علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے حاصل کی۔

اس کے بعد آپ استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں استفادہ کیا۔ وزیر آباد سے امرتسر تشریف لے گئے اور حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی سے اکتساب فیض کیا۔ امرتسر سے تکمیل تعلیم کے بعد دہلی تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے، تفسیر، حدیث اور فقہ میں تحصیل کی۔ علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے بھی مستفیض ہوئے۔ مولانا محمد بشیر سہوانی سے بھی پڑھا۔

تکمیل تعلیم کے بعد حضرت میاں صاحب دہلوی نے آپ کو تبلیغ اسلام کے لیے مدراس بھیج دیا۔ وہاں آپ نے ایک دینی مدرسہ ”احیاء الاسلام“ کی بنیاد رکھی۔ یہاں آپ نے درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر آپ مدراس سے بنگلور آ گئے۔ اور یہاں آپ نے ”نصرۃ الاسلام“ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

مولانا فقیر اللہ کا حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی کی تحریک مجاہدین سے اچھا خاصا تعلق رہا۔ آپ صوبہ مدراس سے مجاہدین کے لیے کافی رقم بھجوانے رہے۔ مولانا فقیر اللہ مدراسی بہت بڑے مبلغ اور داعی اسلام تھے۔ بقول مولانا عبدالحمید سوہدروی مرحوم امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ننگی تلوار تھے۔

آپ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① القول المسبوق فی اثبات التشهد السبوق

② رسالہ فی اثبات بالجہر بالفاتحہ فی صلوة الجنازة

③ التبری فی افتراء المفتری

④ المواعظ الحسنہ فی خطبة الجمعة لكل لسان من الالسنہ

مولانا فقیر اللہ نے ۱۳۴۱ھ میں بنگلور میں انتقال کیا۔

آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی پنجاب سے تھی۔ اس سے دو صاحبزادے حافظ

عبداللہ اور حافظ احمد سعید پیدا ہوئے اور دو صاحبزادیاں اہلیہ حافظ محمد گوندلوی اور اہلیہ مولانا نجم الدین پروفیسر اور ٹیل کالج لاہور تھیں۔ دوسری مدراس میں مولانا محمد اسماعیل مدراسی کی ہمیشہ سے ہوئی۔ اس کے لطن سے مولوی عطاء اللہ سلفی پیدا ہوئے۔



## عبدالرحمن شاہ پوری

مولانا عبدالرحمن بن فتح الدین بن عبداللہ ۱۲۸۲ھ میں موضع کھنہ مصرال ضلع خوشاب میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا فقیر اللہ مدراسی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولانا محمد بن فتح الدین سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی محمد اسحاق رام پوری، مولوی محمد اسحاق منطقی اور مولوی حافظ نذیر احمد خاں دہلوی وغیرہ سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔

حدیث کی تحصیل استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی سے کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد دہلی کو اپنا مسکن بنایا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

مسل ۳۰ سال تک مدرسہ حاجی علی جان میں تدریس فرمائی۔ مدرسہ حاجی علی جان

۱۳۰۹ھ میں مولانا محمد بشیر سہوانی کے مشورہ سے قائم ہوا تھا۔ اس مدرسہ میں مولانا محمد بشیر

سہوانی، مولانا عبداللہ غازی پوری اور مولانا احمد اللہ دہلوی جیسے مشاہیر علمائے کرام نے

تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا عبدالرحمن کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ ان کے مشہور تلامذہ میں مولانا محمد

بن یوسف سورتی اور علامہ عبدالعزیز میمن راجکوٹی جیسے فاضل اور محقق علماء شامل ہیں۔

مولانا عبدالرحمن شاہ پوری کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

## محبت اللہ شاہ راشدی

مولانا سید محبت اللہ شاہ راشدی بن سید احسان اللہ شاہ راشدی ۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء مطابق ۲۹ محرم ۱۳۴۰ھ ”گوٹھ پیر جھنڈا“ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سید احسان اللہ شاہ راشدی سے حاصل کی۔ بعد ازاں مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی سے استفادہ کیا۔ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری سے اجازت حدیث حاصل کی۔ مولانا عبدالحق محدث بہاول پوری سے بھی اکتساب فیض کیا۔ ان کے علاوہ مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی اور مولانا حمید الدین سے بھی آپ نے پڑھا۔

فراغت تعلیم کے بعد اپنے آبائی گاؤں میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ساری زندگی تعلیم و تدریس میں بسر کر دی۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مولانا سید محبت اللہ شاہ راشدی تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے آپ کی تصانیف عربی اور اردو میں ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

① حواشی صحیح بخاری (عربی) مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور مولانا ارشاد الحق اثری نے اس پر بہترین تقاریر لکھیں۔

② القواطع الرحمانیہ فی الرد علی القادنیہ

③ المنہج السوی فی الملاحظات علی تفسیر الغزنوی (مولانا فضل احمد غزنوی حیدرآبادی کی تفسیری تحریروں پر تبصرہ)

④ اظہار النواہیہ الواقعہ فی کتاب پیغام ہدایت

⑤ السعی الاشیث فی تحقیق اللقب باہل الحدیث

مولانا سید محبت اللہ شاہ راشدی کا کتب خانہ نادر کتابوں پر مشتمل ہے۔ جس میں نادر و نایاب مخطوطات کے علاوہ عربی تفاسیر، شرح حدیث، اسماء الرجال اور فقہ اربعہ پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔

سید محبت اللہ شاہ راشدی نے ۲۱ جنوری ۱۹۹۵ء کو انتقال کیا۔

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ط ﴾

\*\*\*

## سید بدیع الدین شاہ راشدی

مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی، سید احسان اللہ شاہ راشدی المعروف ”پیر آف جھنڈا“ ۱۶ مئی ۱۹۲۶ء مطابق ۱۳۴۲ھ گوٹھ فضل اللہ شاہ (نیو سعید آباد) ضلع حیدرآباد سندھ میں پیدا ہوئے۔

دینی تعلیم کا آغاز اپنے آبائی مدرسہ ”دارالارشاد“ سے کیا۔ پہلے تین ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد اپنے والد محترم سید احسان اللہ شاہ راشدی سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل کی۔ اس کے بعد آپ نے جن اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا۔ ان کی تعداد ۱۸ ہے اور وہ سب کے سب حنفی المسلک تھے۔ ان اساتذہ سے استفادہ کے بعد آپ نے جن علماء حدیث سے تفسیر، حدیث، فقہ اور مختلف علوم اسلامیہ میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے نام یہ ہیں:

- ① مولانا سید محبت اللہ شاہ راشدی ② مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری
- ③ مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی ④ مولانا ابواسحاق نیک محمد امرتسری
- ⑤ مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی

فراغت تعلیم کے بعد اپنے آبائی گاؤں میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور اپنی ساری زندگی درس و تدریس، وعظ و تبلیغ، دعوت و ارشاد اور تصنیف و تالیف میں بسر کر دی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست خاصی طویل ہے۔

دعوت کتاب و سنت اور تردید شرک و بدعت کے سلسلہ میں آپ مصائب و آلام سے

بھی دو چار ہوئے۔ لیکن آپ کے پائے اثبات و استقلال میں لغزش نہ آئی۔ آپ تقلیدیانِ احناف کے خلاف سینہ سپر رہے۔

حضرت شاہ بدیع الدین بلند پایہ مناظر تھے۔ آپ نے بے شمار مناظرے تقلیدیانِ احناف سے کیے۔ اس کے علاوہ آپ بلند پایہ خطیب اور مقرر بھی تھے۔ حرمین شریفین میں آپ کا قیام کئی سال رہا اور وہاں آپ درس حدیث دیتے رہے۔ آپ ایک بلند پایہ عالمِ دین تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر آپ کی نظر وسیع تھی۔ کثیر المطالعہ تھے۔ آپ کا کتب خانہ برصغیر (پاک و ہند) میں ایک نادر کتب خانہ ہے۔ جس میں بے شمار نایاب کتابیں اور مخطوطات ہیں۔

مولانا بدیع الدین شاہ راشدی تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ بڑے زود نویس تھے۔

آپ نے عربی، اردو اور سندھی میں کتابیں لکھیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

عربی.....	۶۰
سندھی.....	۲۸
اردو.....	۱۹
عربی سندھی اردو.....	۱
کل میزان.....	۱۰۸

عربی میں:

۱. السمط الابریز حاشیہ مسند عمر بن عبدالعزیز
۲. توفیق الباری فی ترتیب جز رفع الیدین للبخاری
۳. غایتہ المرام فی تخریج جز القراءة خلف الامام
۴. الاربعینات فی الدینیات
۵. حاشیہ انتفاض الاعتراض لابن حجر

## سندھی میں:

- ۶) ضرب الیدین علی منکر دفع الیدین
- ۷) بیان بے نظیر قرآن مجید کی تفسیر
- ۸) نماز کی مسنون دعائیں
- ۹) مقدمہ تفسیر بدیع التفسیر
- ۱۰) الاربعین فی الجہر بالتامین

## اردو میں:

۱۱) توحید خالص

۱۲) اتباع سنت

۱۳) الشدید علی القول السدید فی اثبات التقلید

۱۴) تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید

۱۵) مسلک اہلحدیث اور تقلید

آپ کا ۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو کراچی میں انتقال ہوا اور اپنے گاؤں نیوسعیر آباد میں دفن

ہوئے۔

## احسان الہی ظہیرؒ

علامہ احسان الہی ظہیر بن شیخ ظہور الہی ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء مطابق ۱۸ جمادی الاولیٰ

۱۳۶۳ھ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

علامہ احسان الہی ظہیر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ ایک بین القوامی شخصیت

تھے۔ عالم اسلام میں ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ عربی، فارسی،

انگریزی اور اردو کے شعلہ نوا خطیب تھے۔ ان کی خطابت کا شہرہ چار دانگ عالم میں تھا۔



علامہ احسان الہی ظہیر عربی کے ممتاز ادیب تھے۔ تمام علوم اسلامیہ کے بحر ذار تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ پر ان کو مکمل عبور تھا۔ اور ان کا علم مستحضر تھا۔

علامہ احسان الہی ظہیر نے اپنی تعلیم کا آغاز جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے کیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر آپ جامعہ سلفیہ فیصل آباد چلے گئے۔ دوران تعلیم آپ نے ادیب فاضل، منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے امتیازی نمبروں میں پاس کیے۔ عصری تعلیم میں آپ ایم اے عربی، اسلامیات، اردو، فارسی، سیاسیات اور ایل ایل بی تھے۔

پاکستان میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اعلیٰ نمبروں میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی ڈگری حاصل کی۔ پاکستان اور سعودی عرب میں آپ نے جن اساتذہ کرام سے استفادہ کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا ابوالبرکات احمد مدرسی، مولانا محمد صادق خلیل، علامہ ناصر الدین البانی، شیخ محمد امین شیفطی، شیخ عبدالقادر، شیخ عطیہ محمد سالم، شیخ عبدالحسن العباد اور فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز سابق مفتی اعظم سعودی عرب۔

مدینہ منورہ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ پاکستان تشریف لائے اور مسجد چینیا نوالی لاہور کے خطیب مقرر ہوئے۔ علاوہ ازیں علامہ صاحب الاعتصام لاہور اور اہلحدیث لاہور کے مدیر اعلیٰ بھی رہے۔ اور بعد میں اپنا ماہنامہ ”ترجمان اہلحدیث“ بھی جاری کیا۔ جو اب بھی آپ کی یاد میں جاری ہے۔

علامہ احسان الہی ظہیر بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی زیادہ تر تصانیف عربی میں ہیں۔ فارسی، انگریزی اور اردو میں بھی آپ کی کئی ایک تصانیف ہیں۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

- |                             |                          |
|-----------------------------|--------------------------|
| ① الشیعہ و اهل البيت (عربی) | ② الشیعہ و السنة (عربی)  |
| ③ الشیعہ و القرآن (عربی)    | ④ الشیعہ و التشیع (عربی) |
| ⑤ البریلویة (عربی)          | ⑥ القادنیة (عربی)        |

- |                           |    |                           |
|---------------------------|----|---------------------------|
| البہائیہ (عربی)           | ۸  | البابہ (عربی)             |
| التصوف (عربی)             | ۱۰ | الاسماعیلیہ (عربی)        |
| بین الشیعہ والسنة (فارسی) | ۱۱ | دراستہ فی التصوف (عربی)   |
| القادینیہ (انگریزی)       | ۱۲ | اسلام اور مرزائیت (اُردو) |
| کتاب الصلوٰۃ (اُردو)      | ۱۳ | سفر نامہ حجاز (اُردو)     |

جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں آپ کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ آپ جمعیۃ اہلحدیث پاکستان کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ سیاسی خدمات قابل قدر ہیں۔ تحریک استقلال میں شامل رہے۔ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ۱۹۷۸ء میں تحریک استقلال سے علیحدہ ہو گئے۔

علامہ صاحب نے اسلامی ممالک کے علاوہ یورپی ممالک کے بھی دورے کیے۔ اشاعت اسلام میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء لاہور کے ایک جلسہ میں دوران تقریر بم کے دھماکہ سے شدید زخمی ہوئے اور ۳۰ مارچ کو ریاض سعودی عرب میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور جنت البقیع مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔ ۵

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

## ڈاکٹر فضل الہی

مولانا ڈاکٹر فضل الہی بن حاجی شیخ ظہور الہی ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۶ھ احمد پورہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ علامہ احسان الہی ظہیر کے چھوٹے بھائی ہیں۔ عصری تعلیم مرے کالج سیالکوٹ سے بی اے ہیں۔

بی اے کرنے کے بعد دینی تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں داخل ہوئے اور یہاں آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ ان میں مولانا محمد عبداللہ، مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری، مولانا عبدالرحمن لکھوی اور مولانا حافظ عبدالسلام بھٹوں شامل ہیں۔ حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی سے بھی مستفیض ہوئے اور مولانا محمد علی جانباز اور مولانا محمد اسماعیل علیم سے بھی استفادہ کیا۔

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد آپ ”جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ“ الریاض (سعودی عرب) میں داخل ہوئے۔ اور ایم اے کی ڈگری اعلیٰ نمبروں میں حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے تدریسی شعبہ اختیار کیا اور جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ الریاض میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بڑے صاحب علم و افضل اور قابل مدرس ہیں۔

علاوہ ازیں یونیورسٹی امام محمد بن سعود میں شعبہ الدعوة والاقتصاد کے ڈپٹی چیئرمین بھی رہے ہیں۔

تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔

عربی میں آپ نے دو کتابیں لکھی ہیں۔ جو اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی جامع

ہیں:

① التدابیر الواقعہ من الزنا فی الفقہ الاسلامی

② التدابیر الواقعہ من الربا فی الاسلام

علاوہ ازیں آپ کے تحقیقی و علمی، دینی و مذہبی اور تاریخی مقالات جماعتی رسائل میں

شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اخلاق و کردار کے لحاظ سے بڑے خلیق اور عالم باعمل ہیں۔

## عبدالرحمن راسخ

مولانا حکیم عبدالرحمن راسخ بن حاجی نیک محمد ۱۹۵۰ء میں منڈی ڈھاباں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم قرآن مجید اپنے چچا حافظ محمد یعقوب اور مسجد الہمدیث کے خطیب مولوی حکیم محمد حنیف امرتسری سے حاصل کی۔

اس کے بعد آپ دینی تعلیم کے حصول کے لئے جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد میں داخل ہوئے اور وہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔ جہاں آپ نے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔

آپ نے جن اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

مولانا ابوالبرکات احمد مدد راسی، مولانا محمد اعظم، مولانا محمد یعقوب (گوجرہ)، مولانا احمد

اللہ پٹوی، مولانا محمد عبداللہ ویرو والوی

طب کا امتحان طبیہ کالج فیصل آباد سے پاس کیا۔ اور فاضل الطب والجراحت کی سند امتیازی نمبروں میں حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد کچھ مدت جامعہ رحمانیہ سولجر بازار کراچی میں تدریس فرمائی اور جامعہ رحمانیہ کی مسجد میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ والدین کے اصرار پر کراچی کو خیرباد کہا اور پنجاب واپس آ گئے۔ مختلف اوقات میں کامونکے فیصل آباد اور گوجرانوالہ میں خطیب رہے۔

مولانا عبدالرحمن بلند پایہ خطیب، مقرر اور مبلغ تھے۔ اخلاق حمیدہ اور اوصاف ستودہ کے پیکر تھے۔ بڑے ملنسار اور بااخلاق تھے۔ ذریعہ معاش طب تھا۔ آپ بڑے ماہر طبیب تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی۔ تصنیف میں آپ کی کتاب ”خطبات

راخ“ ہے۔

مارچ ۱۹۹۲ء میں جگر کے مرض میں مبتلا ہوئے۔ آخر میں آپ نے ۳۰ مئی ۱۹۹۲ء کو ۴۲

سال کی عمر میں انتقال کیا۔



## عبدالستار حامد

مولانا حافظ عبدالستار حامد بن حاجی نیک محمد ۱۸ فروری ۱۹۶۰ء منڈی ڈھاہاں ضلع

شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔

دینی تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں داخل ہوئے اور علوم

اسلامیہ کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان کے نام یہ ہیں:

مولانا حافظ محمد یحییٰ بھوجیانی

مولانا محمد اعظم صاحب

مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی

قرأت اور تجوید کی تعلیم قاری احمد الدین لاہوری اور قاری محمد صابر چنیوٹی سے حاصل

کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۵ء ”جامعہ الاثریہ“ جہلم میں حدیث کے استاد رہے

اور جمعہ کا خطبہ مسجد اہلحدیث توحید یہ محلہ کڑہ مائی وزیر آباد میں ارشاد فرماتے رہے۔

۱۹۸۵ء میں حافظ صاحب مستقل طور پر وزیر آباد تشریف لے آئے۔ یہاں آپ نے

ایک دینی مدرسہ بنام ”جامعہ توحید یہ اہلحدیث“ قائم کیا۔ جس میں حفظ اور درس نظامی کی تعلیم

دی جاتی ہے۔ جو بجز اللہ آج تک قائم ہے۔ اور توحید و سنت کی اشاعت میں سرگرم عمل ہے۔

حافظ صاحب مولانا ظفر علی خاں کالج وزیر آباد میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں اور اس کے ساتھ مسجد توحید یہ اہلحدیث خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے ہیں۔

اخلاق حمیدہ کے پیکر، متواضع، ملنسار، خوش اخلاق، حلیم الطبع، شریف النفس، مطالعہ کے بہت شوقین، امانت و دیانت میں اعلیٰ، فہم و فراست اور اصابت رائے میں پختہ ہیں۔

مہمان نواز بھی ہیں۔ جب بھی ملتے ہیں خندہ پیشانی اور محبت سے ملتے ہیں۔ بہت اچھے خطیب اور مقرر ہیں۔

علاوہ ازیں آپ نے ”جامعہ اسلامیہ اہلحدیث“ کے نام سے ایک دارالعلوم بنانے کا پروگرام بنایا ہے۔ اس کے لیے ۱۶ کنال زمین خرید لی گئی ہے۔ تعمیر کا کام شروع ہے۔ اور اس کے ساتھ جامع مسجد اہلحدیث توحید یہ کی توسیع کے لیے بھی سرگرم عمل ہیں۔ اس کے لیے مسجد سے ملحقہ مکان خرید لیا ہے۔

مولانا حافظ عبدالستار حامد صاحب جہاں ایک بلند پایہ خطیب اور مقرر ہیں، وہاں آپ عمدہ مصنف بھی ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کی سورتوں کی تفسیر بطور خطبات لکھنی شروع کی ہے۔ اس وقت آپ کی مندرجہ ذیل کتابیں چھپ چکی ہیں:

خطبات سورہ فاتحہ	①	خطبات سورہ یوسف	②
خطبات سورہ کہف	③	خطبات سورہ مریم	④
خطبات سورہ نور	⑤	خطبات سورہ یس	⑥
خطبات سورہ التکائر	⑦	انوار رمضان	⑧
فضائل و مسائل قربانی	⑨	خطبات سیرت مصطفیٰ ﷺ	⑩

جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں ان کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ جمعیۃ اہلحدیث پاکستان کی مجلس شوریٰ کے رکن اور جمعیۃ اہلحدیث گوجرانوالہ کے ناظم اعلیٰ ہیں اور جمعیۃ اہلحدیث پنجاب کے نائب ناظم بھی ہیں۔

## محمد سلیمان اثری

مولانا محمد سلیمان اثری بن حاجی نیک محمد مرحوم ۱۹۲۶ء میں منڈی ڈھاباں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا حافظ عبدالستار حامد صاحب سے ۶ سال چھوٹے ہیں۔ عصری تعلیم میں ایم۔ اے۔ ایم۔ ایڈ ہیں۔

دینی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ اور جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا عبدالحمید اور مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری شامل ہیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد فاروق آباد میں جامع مسجد مبارک اہلحدیث کے خطیب مقرر ہوئے اور وہاں تدریس بھی فرماتے رہے۔

مولانا محمد سلیمان اثری اچھے خطیب اور مقرر ہیں۔ ان کا دینی علم مستحضر ہے، مسائل سے اچھی واقفیت ہے۔ تبلیغ اسلام کا بہت زیادہ جذبہ رکھتے ہیں۔ تصنیف میں ان کا ایک رسالہ ”اسلام میں وضو کا تصور“ ہے جو مطبوع ہے۔



## عبدالمنان راسخ

عبدالمنان راسخ بن مولانا حکیم عبدالرحمن راسخ مرحوم و مغفور ۱۹۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں حاصل کی۔ بعد ازاں دارالحدیث منڈی صادق آباد اور جامعہ اثریہ جہلم میں علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔ ان کے اساتذہ کرام یہ ہیں:

مولانا ثناء اللہ زاہدی

مولانا مظفر احمد شیرازی

مولانا قمر الزمان

آج کل حافظ آباد کے ایک دینی مدرسہ سے وابستہ ہیں اور خطبہ جمعہ جامع مسجد  
الحدیث ماڈل ٹاؤن فیصل آباد میں ارشاد فرماتے ہیں  
بڑے صالح اور نیک سیرت انسان ہیں۔ اور خطابت میں اپنے والد مرحوم کا عکس ہیں۔



## عبدالرحمن سلفی

مولوی عبدالرحمن سلفی بن محمد اسماعیل ۱۹۵۶ء میں مرالی والا ضلع گوجرانوالہ میں پیدا  
ہوئے۔ جب آپ نے ہوش سنبھالا تو آپ کے والد محمد اسماعیل مرالی والائے فاروق آباد  
منتقل ہو گئے۔

مولوی عبدالرحمن سلفی نے تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے کیا اور ناظرہ قرآن مجید قاری  
مختار احمد سے پڑھا۔ اس کے بعد آپ تعلیم دیدیہ کے حصول کے لیے جامعہ رحمانیہ فاروق آباد  
میں داخل ہوئے اور مولانا محمد داؤد انور سے جملہ علوم اسلامیہ میں تحصیل کی۔ بعد ازاں آپ  
فاروق آباد کے دوسرے مدرسہ دارالعلوم رحمانیہ چلے گئے۔ وہاں آپ نے مولانا محمد یحییٰ  
خلیق اور مولانا عبدالرزاق سعیدی سے اکتساب فیض کیا۔ اس مدرسہ میں تحصیل علم کے بعد  
مولوی عبدالرحمن سلفی جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ چلے آئے۔ اور یہاں آپ نے قاری محمد یحییٰ  
بھوجیانی، مولانا محمد الیاس اثری اور مولانا محمد اعظم سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل  
کی۔ جامعہ اسلامیہ میں تکمیل تعلیم کے بعد آپ جامعہ محمدیہ اوکاڑہ چلے گئے۔ وہاں آپ نے  
مولانا عبداللہ سعیدی، مولانا محمد عیسیٰ اور مولانا عبدالرحمن گوہڑوی سے اکتساب فیض کیا۔  
تکمیل تعلیم کے بعد موضع کریال، ڈیرہ ملا سنگھ میں امامت کے فرائض انجام دیتے  
رہے۔ بعد میں گوہڑپور سیالکوٹ میں ایک دینی مدرسہ میں تدریس فرماتے رہے۔



۱۹۷۸ء میں جامع مسجد اہلحدیث ککے زیاں سوہدرہ میں مدرسہ مصباح القرآن میں تدریس پر مامور ہوئے اور ۱۹۸۸ء تک سوہدرہ میں قرآن مجید ناظرہ اور ترجمہ پڑھاتے رہے۔ ۱۹۸۸ء میں ڈسکہ چلے گئے اور ۱۹۹۱ء تک ڈسکہ میں ایک مسجد کے خطیب رہے۔ ۱۹۹۲ء کے شروع میں دوبارہ سوہدرہ تشریف لے آئے اور اب تک سوہدرہ میں خطابت، امامت اور تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مولوی عبدالرحمن سلفی بڑے فعال اور سرگرم عالم دین ہیں۔ وعظ و تبلیغ اور دعوت و ارشاد کا بڑا جذبہ رکھتے ہیں اور بڑے مستعد ہیں۔

دینی مسائل سے اچھی واقفیت ہے۔ جمعیت اہلحدیث پاکستان سے وابستہ ہیں۔ جمعیت اہلحدیث سوہدرہ کے امیر اور جمعیت اہلحدیث تحصیل وزیر آباد کے نائب ناظم ہیں۔



## محمد اسحاق سلفی

مولوی محمد اسحاق سلفی بن محمد اسماعیل ۱۹۶۲ء میں مرالی والا میں پیدا ہوئے۔ مولوی عبدالرحمن سلفی کے چھوٹے بھائی ہیں۔

دینی تعلیم جامعہ رحمانیہ فاروق آباد میں تاری محمد ایوب اور مولانا محمد داؤد انور سے حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد جامع مسجد اہلحدیث غربی سوہدرہ میں خطیب و مدرس مقرر ہوئے۔ سوہدرہ میں آپ کے قیام کی مدت تقریباً ایک سال ہے۔ اس کے بعد آپ ڈسکہ چلے گئے۔ وہاں آپ جامع مسجد اہلحدیث فاروقیہ میں بچوں کو ناظرہ قرآن مجید پڑھانے پر مامور ہوئے اور اس کے ساتھ امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

ڈسکہ میں آپ تقریباً ۲ سال رہے۔ اس کے بعد مسجد اہلحدیث محلہ گھلیڑکان سیالکوٹ

چلے گئے۔ وہاں بھی آپ بچوں کو ناظرہ قرآن مجید پڑھانے پر مامور ہوئے۔ اور ساتھ امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ ۱۹۹۲ء میں مولوی محمد اسحاق سلفی لاہور (فتح گڑھ) چلے گئے اور اب تک وہاں جامع مسجد اہلحدیث میں خطابت، امامت اور تدریس فرماتے ہیں۔

مولوی محمد اسحاق سلفی بڑے شریف النفس، حلیم الطبع انسان ہیں۔ نماز بڑے خشوع و خضوع سے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ مسائل سے بھی اچھی واقفیت ہے۔



## کتابیات

ڈاکٹر مظہر بقا	اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ
نواب صدیق حسن خاں	اتحاف الدیلاء
عبداللہ بٹ	اسپیکٹس آف شاہ اسماعیل شہید
پنجاب یونیورسٹی لاہور	اُردو دائرۃ المعارف اسلامیہ
فضل حسین بہاری	الحیاء بعد الممات
نواب صدیق حسن خاں	ابجد العلوم
حافظ عبداللہ روپڑی	ارسالی النیدین بعد الركوع
عطاء اللہ حنیف	اتحاف النبیہ یحتاج الیہ المحدث والفقہ
ابوالقاسم سیف بناری	الامر المبرم
نذیر احمد دہلوی رحمانی	الحدیث اور سیاست
عبدالنواب ملتانی	بلوغ المرام (مترجم)
محمد اسحاق بھٹی	بزم ارجمنداں
رئیس احمد جعفری	بہادر شاہ ظفر اور اس کا عہد
معین الدین لکھوی	پنجاب کا عظیم مصلح
ابوبیحی امام خاں نوشہروی	تراجم علمائے حدیث ہند
ابوالحسن علی ندوی	تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵
عبدالحی لکھنوی	التعلیق الممجد
محمد ابراہیم میرسیا کنوٹی	تاریخ الحدیث
مناظر احسن گیلانی	تذکرہ شاہ ولی اللہ دہلوی

محمد خالد سیف	تذکرہ شہید
محمد یوسف سجاد	تذکرہ علمائے اہلحدیث
رحمان علی بریلوی	تذکرہ علمائے ہند
قاضی محمد اسلم سیف	تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں
عبدالرشید عراقی	تذکرہ بزرگان علوی سوہدرہ
نواب صدیق حسن خاں	تقصاد جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار
عبدالعظیم انصاری	تذکرہ علمائے بھوجیاں
ابوالکلام آزاد	تذکرہ
محمد ادریس نگرانی	تذکرہ علمائے حال
خلیق احمد نظامی	تاریخی مقالات
ضیاء الدین اصلاحی	تذکرہ المحدثین
قاضی محمد اسلم سیف	تذکار حافظ عبدالغفور جہلمی
شاہ ولی اللہ دہلوی	الجزء اللطیف
شاہ ولی اللہ دہلوی	جلاء العینین
غلام رسول مہر	جماعت مجاہدین
محمد مستقیم سلفی	جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات
رحیم بخش دہلوی	حیات ولی
شاہ ولی اللہ دہلوی	حجۃ اللہ البالغہ
سید سلیمان ندوی	حیات شبلی
محمد عبدالخلیم چشتی	حیات وحید الزمان
ابوالحسن علی ندوی	حیات عبدالحی
عبدالجبار کھنڈیلوی	خاتمہ اختلاف

بشیر احمد دہلوی	دلی اور اصحاب دہلی
سید ابو بکر غزنوی	داؤد غزنوی
شاہ ولی اللہ دہلوی	ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء
شیخ محمد اکرام	رود کوثر
عبدالحمید سوہدروی	سیرت ثنائی
پروفیسر محمد مبارک	سوانح مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی
غلام رسول مہر	سرگزشت مجاہدین
عبدالجبار غزنوی	سوانح مولوی عبداللہ غزنوی
عزیز الرحمن یزدانی	سردلبران
ڈاکٹر ثریا ڈار	شاہ عبدالعزیز اور ان کی علمی خدمات
محمود احمد برکاتی	شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان
عبداللہ بٹ	شاہ اسماعیل شہید
بدر الزمان محمد شفیع	شیخ عبداللہ غزنوی
قاضی محمد سلیمان	شرح اسماء اللہ الحسنى
عبدالغفار حسن	عظمت حدیث
شمس الحق عظیم آبادی	غایۃ المقصود لحل سنن ابی داؤد
محمد ابراہیم خلیل فیروز پوری	الفیوض المحمدیہ
حافظ عبداللہ روپڑی	فتاویٰ الہدیت
شاہ ولی اللہ دہلوی	القول الجمیل
محمد اسحاق بھٹی	قصورى خاندان
سید عبدالحی حسنی	گل رعنا
شاہ ولی اللہ دہلوی	مقدمۃ فتح الرحمان

ملفوظات عزیز	شاہ عبدالعزیز دہلوی
مقالات سلیمان	سید سلیمان ندوی
میاں فضل حق اور ان کی خدمات	محمد اسحاق بھٹی
مولانا شمس الحق عظیم آبادی (حیات و خدمات)	محمد عزیز سلفی
مشاہدات کابل و یاغستان	محمد علی قصوری
مقدمہ تحفۃ الاحوذی	عبدالرحمن مبارکپوری
موج کوثر	شیخ محمد اکرام
مختصر سیرت رسول ﷺ	محمد اسحاق حسینی
نزہۃ الخواطر	سید عبدالحی حسنی
نقوش عظمت رفتہ	محمد اسحاق بھٹی
نذیر احمد دہلوی احوال و آثار	ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی
وصیت نامہ	شاہ ولی اللہ دہلوی
ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات	ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی
ہندوپاک میں عربی ادب	اقبال احمد عمری
یاد رفتگان	سید سلیمان ندوی
یادگار گوہری	محمد زبیر ڈیانوی
الیانع الجنی	محمد محسن ترہتی
تذکرۃ الابرار	پروفیسر ڈاکٹر عبدالغفور راشد

## رسائل

☆ الاعتصام لاہور:

۲۰ جنوری ۱۹۵۶ء

۹ دسمبر ۱۹۳۹ء

۸ مارچ ۱۹۵۷ء

۹ مارچ ۱۹۵۶ء

۱۲ اپریل ۱۹۷۳ء

۲۳ اگست ۱۹۶۲ء

☆ الہدیت امرتسر:

۱۸ اپریل ۱۹۲۱ء

۱۱ اپریل ۱۹۱۹ء

۹ جنوری ۱۹۲۳ء

☆ الہدیت لاہور:

خدمات الہدیت نمبر ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۷ء

☆ تنظیم الہدیت لاہور:

۱۹ اکتوبر ۱۹۵۹ء

☆ محدث لاہور:

جنوری ۱۹۹۳ء

☆ الفرقان لکھنؤ:

فروری مارچ ۱۹۷۷ء

☆ نقوش لاہور:

مکاتیب نمبر

☆ مطلع الفجر لاہور:

کیلائی نمبر

تمت بالخیر







# ہماری شاہکار کتابیں

- جہان حیرت ﴿خودنوشت سوانح حیات﴾ سردار محمد چوہدری 600/-
- اردو نثر میں طنز و مزاح ڈاکٹر اشفاق احمد ورک 590/-
- مادر ملت - آبروئے ملت ﴿ایوارڈ یافتہ﴾ محمد رفیق عالم 350/-
- اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر 300/-
- مغربی جمہوریت - حقیقت اور سراب ڈاکٹر مستفیض احمد علوی 150/-
- انتخاب خطوط غالب پروفیسر ڈاکٹر یلیوب صابر 100/-
- قدرتی خزانوں کے علاج رحیم راحت نسیم سوہدروی 400/-
- ذاتیات ﴿خاکے - مزاجیے﴾ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک 100/-
- بطل حریت - فقیر آف اپنی ڈاکٹر فضل الرحمن 220/-
- خودستائیاں ﴿خودنوشت خاکے﴾ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک 200/-

Title Design: Ahmad A. Saftar 7124469

ڈسٹری بیوٹرز  
کتب سرائے



پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشران کتب خانہ جات

کتاب سائے

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ  
اردو بازار، لاہور فون: 7320318  
ای میل: hikmat100@hotmail.com

ISBN 969-8773-19-3

RS: 220/-